

الَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ الْاَخْوِيَّةُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَهُمْ فِي الْاَهْلِ حَرَامُونَ

٢٦٦

تَذَكُّرٌ

شيخ الاسلام و المسلمين امام الاولياء عمدة الاصفياء سلطان السالكين

حضرت

صَدَقَ الدِّينَ عَارِفٌ  
رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ

جلد اول

از

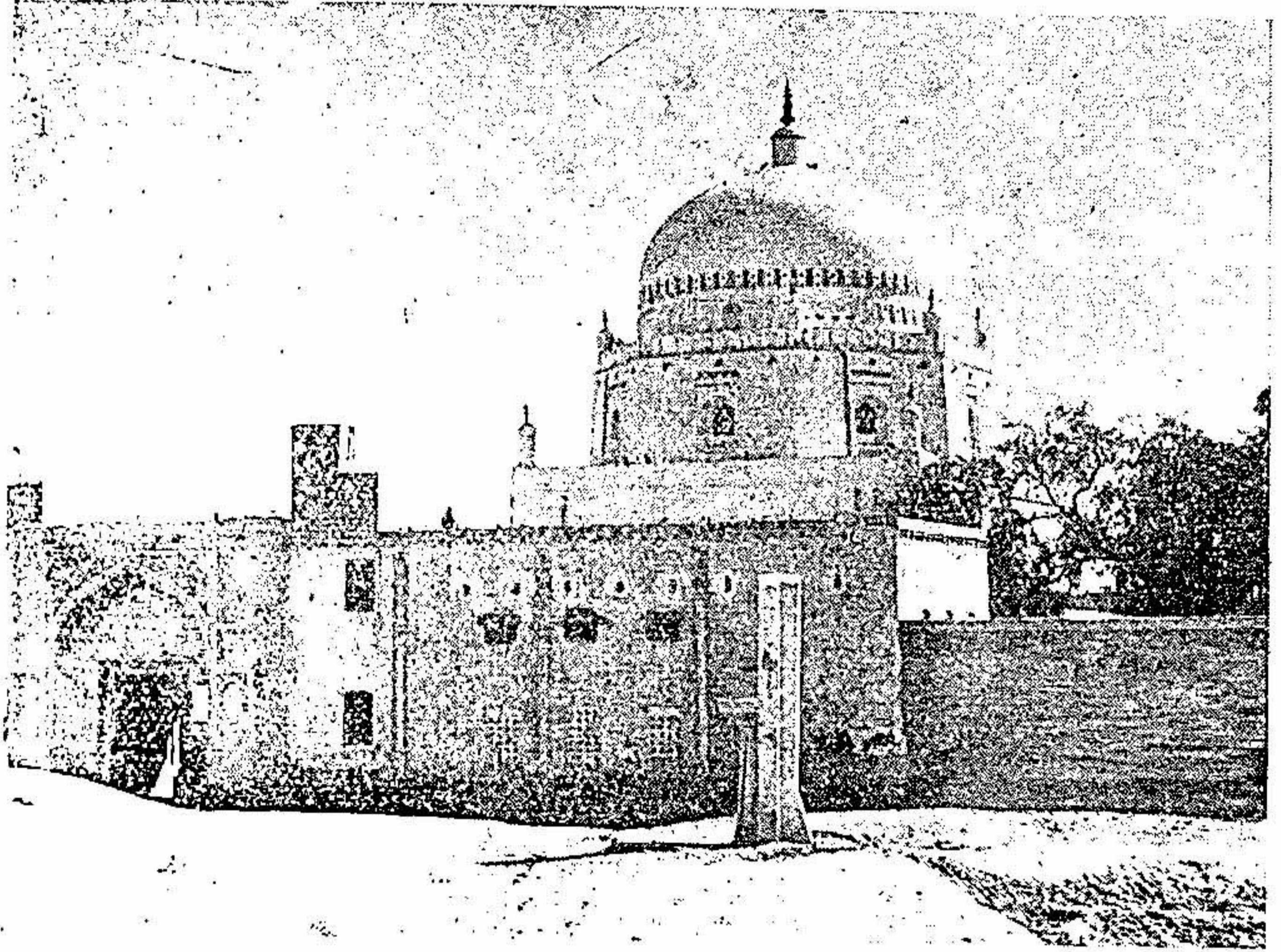
مولانا نور احمد خان فریدی

ناشر

قصر الادب جکبوالہ، برہ لوڈراں ضلع ملتان

ہدیہ فی نسخہ دس روپے





مقبرہ حضرت شیخ الاسلام بہاء الحق والدین ابو محمد زکریا ملتانی جس میں  
الشیخ العارف صدرالدین محمد رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد کے پہلو میں  
آرام فرماہیں







۲۹۷۹۹۲

ص ۴۴

۱۱۱۶۸

۷.۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقریب



از خطیب اعظم امیر شریعت حضرت مولانا سید اعطاء اللہ شاہ صاحب بخاری  
مدظلہ العالی

حکایت از قد آن یار

یابن فسانہ مگر عمر خود دراز

مولانا نور احمد خان فریدی کو پہلی بار میں نے ۱۹۳۱ء میں ملتان آکر دیکھا جبکہ مرحوم و مغفور مولانا ظفر علی خاں کے ہمراہ ایک اجلاس کے سلسلے میں یہاں آنے کا اتفاق ہوا تھا۔ یہ ان دنوں سر رشتہ تعلیم کی ایک تربیتی درس گاہ میں داخل تھے۔ لیکن جونہی انہیں ادھر سے فرصت ملتی وطن دوستی کا ذوق انہیں سیاسی پنڈال میں کھینچ لے آتا۔ یہ نہ صرف ملک کے سیاستین کے خیالات سے استفادہ کرتے۔ بلکہ جب تک ان کا ملتان میں قیام رہتا۔ یہ انہی پیشی میں حاضر رہتے۔ اور انکی خدمت بجالاتے۔ اس شغف و انہاک میں انہیں یہ احساس تک نہ رہتا۔ کہ یہ کسی سرکاری ادارے سے وابستہ ہیں۔ اور انہیں اس قسم کی تحریکات میں حصہ لینے اور پولیٹیکل لیڈروں سے میل جول رکھنے کی قطعی ممانعت ہے۔ چنانچہ بالعموم ان کی جواب طلبی ہوتی رہتی۔ اور یہ عذر گناہ میں ایسے شگفتہ فقرات لکھتے۔ کہ یاران بزم کے لئے "تفنن طبع" کا سامان پیدا ہو جاتا۔ محکمہ کے استناعی احکام کے باوجود فریدی صاحب نے سٹیج پر آنا شروع کیا۔ عام طور پر انکی تقریریں جلسوں کے افتتاح کا



موجب بنا کرتی تھیں۔ لیکن چونکہ خداوند کریم نے انکی زبان کے مقابلے میں قلم سے زیادہ کام لینا تھا۔ اس لئے محکمہ کی آہنی گرفت نے ”ترا برائے این کار نہ آفریده اند“ کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں اس طرح جکڑا۔ کہ یہ دنیاۓ سیاست سے کٹ گئے۔ لیکن ان کی بلند ہمتی نے انہیں نچلا نہ بیٹھنے دیا۔ تقریر کے ساتھ ساتھ انکی طبیعت میں تحریر کا بھی کافی جوہر موجود تھا۔ چنانچہ اس زمانے میں بھی متعدد اخبارات اور رسائل میں ان کے مضامین چھپا کرتے تھے۔ جو بالعموم تاریخی اور اصلاحی نوعیت کے ہوتے تھے۔ چنانچہ اب ان کے اشہب قلم نے دنیاۓ صحافت میں داخل ہو کر تاریخ و تحقیق کی پر پیچ وادیوں میں جولانیاں دکھانی شروع کیں۔ اور اس میں انہیں زیادہ کامیابی ہوئی۔ پہلے انہوں نے طلباء کے لئے درسی کتابیں لکھیں۔ اس کے بعد ان نوجوان خوش فکروں کے لئے جو طبعزاد افسانوں اور ڈراموں سے دل بہلایا کرتے ہیں۔ اسلامی افسانے لکھے۔ جو بقول علامہ عبدالرشید صاحب نسیم ”اصل میں افسانے کم ہیں اور حقیقت زیادہ“۔ بایں ہمہ طبعزاد اور دور از کار افسانوں سے زیادہ دلچسپ ہیں۔ یعنی انہوں نے تاریخ اسلام کے حقائق کو اس رنگ میں لکھا ہے کہ افسانویت کا شائبہ تک نہ ہونے کے باوجود وہ اس قدر رقت انگیز ہیں۔ کہ قاری بار بار پڑھتا ہے مگر سیر نہیں ہوتا۔ یہ سلسلہ ہر طبقے میں مقبول ہو چکا ہے۔ اور سر رشتہ تعلیم نے اسے سکول لائبریریوں کے لئے منظور کر لیا ہے۔ اسی دوران میں انہوں نے ”سر زمین ملتان“ کے نام سے ملتان کی مختصر مگر جامع تاریخ مرتب کی اور اس کے بعد آپ نے جنوبی ایشیا کے مبلغ اعظم امام اہلسنت والجماعت حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ کی سیرت پر قلم اٹھایا۔ اور اسے نئے اسلوب اور اردو ادب کی جدید طرز میں اس طرح لکھا۔ کہ نہ صرف عوام نے اسے پسند کیا بلکہ



پاکستان کے سررشتہ تعلیم نے بھی اسے تمام مدارس کی لائبریریوں کے لئے منظور کر لیا۔ مجھے میرے فرزند جگر بند سید ابوذر بخاری طال عمرہ نے یہ کتاب لا کر دی میں نے اس کے چند ایک مقامات دیکھے اور مجھے اسکی افادیت کا بے اختیار معترف ہونا پڑا۔ اب تک حضرت شیخ الاسلام پر اس قدر مفصل اور شاندار تصنیف میری نظر سے نہیں گذری تھی۔ یوں تو اولیائے کرام کے ہر تذکرہ میں حضرت کا ذکر جمیل موجود تھا۔ مگر مختصر یعنی تین چار صفحات اور بعض میں اس سے بھی کم۔ آج جبکہ تہذیب نو نے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم جیسی مہلک ایجادات سے خلق خدا کو جہنم کے کنارے لا کھڑا کیا ہے۔ ارباب قدس و طہارت کی سیرتوں کو زیادہ سے زیادہ منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ صرف یہی وہ نفوس قدسیہ ہیں۔ جن کی زندگیوں میں ہمیں اُسوۂ رسول کی جھلک نظر آتی ہے۔ مولانا نور احمد خان صاحب فریدی نے شیخ الاسلام کی سیرت لکھ کر نہ صرف ملک و ملت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ بلکہ ایسے وقت میں جبکہ لوگ شیخ الاسلام کی تعلیمات اور انکی روحانی عظمت و شوکت کو بھول چکے ہیں۔ مولانا نے ان کے سامنے جنوبی ایشیاء کے اس ”رجل عظیم“ کی صحیح تصویر رکھ کر غور و فکر کا دروازہ کھول دیا ہے۔ میں دوسروں کی کیفیت کیا بیان کروں۔ اس کتاب قیم کے مطالعہ سے ہی حضرت شیخ الاسلام کا صحیح مقام میرے سامنے آیا ہے۔

ایک دفعہ مولانا نے محترم مجھے ملنے آئے۔ ان کا فرزند اکبر علی خان بھی ان کے ہمراہ تھا۔ میں نے انہیں کلیجے سے لگا کر اس کامیاب کوشش پر مبارک باد دی۔ انہوں نے بتایا کہ اس سلسلے کی دوسری تصنیف ”صدرالدین عارف“ طبع ہو کر بازار میں آ رہی ہے۔ اس کے لئے ”تقریب“ آپ سے لکھواؤنگا۔ ان دنوں مجھے ذیابیطس کی تکلیف تھی۔



اضطراب و اضطراب کے عالم میں خدا معلوم میں نے کیا کہہ دیا۔ کہ دو ماہ بعد نئی کتاب کے مطبوعہ اجزائے کر تشریف لے آئے۔ کہ لیجئے وعدہ پورا فرمائیں۔ اب میں اس شریف آدمی کو کیا جواب دوں حقیقہً میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ اور خصوصاً ان اکابر آست کی سیرت سے متعلق میری کیا مجال ہے کہ میں ایک حرف بھی لکھ سکوں۔ میں تو صرف ان لوگوں کے وسیلے سے اپنی نجات کا طالب ہوں۔ تاہم اس یقین کی بنا پر کہ مولانا فریدی اپنی اس محبت کی وجہ سے جو وہ از راہ سعادت مجھ سے رکھتے ہیں۔ کسی نہ کسی بہانے مجھے صوفیاء اور مشائخ کرام کی اس بزم میں لانا چاہتے ہیں۔ جو انہوں نے سالہا سال کی جگر کاوی کے بعد بڑے اہتمام سے مرتب کی ہے۔ میں فریدی صاحب کا احسان مند ہوں۔ کہ انہوں نے مجھے یہ موقع دیا۔ لیکن حیران ہوں کہ لکھوں تو کیا لکھوں۔ میری تقریب کا نہ صاحب کتاب محتاج ہے اور نہ ہی وہ ذات گرامی جیسی کہ یہ سیرت ہے۔ مولانا فریدی کی انشائے لطیف ایک دنیا سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔ اور ان کا شمار پاکستان کے بہترین مؤرخوں اور ادیبوں میں ہوتا ہے۔ نیز صاحب سیرت بھی وہ بلند شخصیت ہے کہ باپ زمانے کا غوث الاغواث اور فرزند جگر بند قطب الاقطاب ہے۔ خود صدرالملت صدر دین۔ کہ شیخ جمال خندان <sup>ؒ</sup>، شیخ احمد معشوق <sup>ؒ</sup> اور مولانا حسام الدین <sup>ؒ</sup> جیسے اہل کمال بھی ان کی کفش برداری پر ناز کریں۔ آخر یہی سمجھا ہوں۔ کہ جو کچھ سمجھ میں آئے لکھ دوں تا کہ جب تک یہ صحیفہ صدق متداول بین الناس رہے میں بھی اہل نظر کی دعاؤں میں یاد کیا جاتا رہوں۔ اگر کوئی کام کی بات قلم سے نکل جائے تو اسے شیخ کا روحانی تصرف سمجھئے۔

وگر نہ من ہاں خاکم کہ ہستم



صوفیائے کرام کی سیرتیں مرتب کرنا غیر صوفی کا کام نہیں۔ ایک ”تصوف نا آشنا“ مشائخ کرام کے ملفوظات کو جب کبھی اپنی عبارت میں ادا کرے گا۔ تو مفہوم اور معنی کے کچھ نہ کچھ پہلو ضرور نظر انداز ہو جائیں گے۔ مولانا فریدی صاحب نہ صرف صوفی ہیں بلکہ چشت اہل بہشت کے اس خدا یاد بزرگ سے نسبت روحانی رکھتے ہیں۔ جن کا نام سنتے ہی صاحبِ حال درویشوں پر کیف و وجد کی حالت طاری ہو جاتی ہے یعنی شہباز معرفت حضرت خواجہ غلام فرید چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ ہی ہمارے فریدی صاحب کے پیر طریقت ہیں۔ اور ہمارا یقین ہے کہ مرید نے اپنے شیخ کے سوز و گداز اور جذب و اثر سے بہرہ وافر پایا ہے۔ اور خداوند کریم نے تصوف کے اسرار و رموز سمجھنے کے لئے ان کے سینہ کو کھول دیا ہے۔ جس سے یہ خدا کے پیاروں کے حالات کچھ ایسے رنگ میں پیش کرتے ہیں کہ قارئین ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ چنانچہ الشیخ العارف کی سیرت میں مولانا فریدی کی یہ تمام صلاحیتیں نمایاں نظر آتی ہیں۔ یوں تو الشیخ العارف اور انکی اولاد امجاد کی سیرت کے ایک ایک حرف میں بصیرت اور سوعظت کے ہزار در ہزار سامان موجود ہیں۔ لیکن پھر بھی ان میں کئی مقام ایسے آتے ہیں۔ جہاں انسانی نگاہیں بے اختیار رک جاتی ہیں۔ دل کی دنیا میں ایک تہلکہ سا برپا ہو جاتا ہے۔ اور خون جگر اشک ہائے ندامت کی صورت میں آنکھوں سے ٹپکنا شروع کر دیتا ہے۔ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے زمانہ کا نقشہ مولانا نے اس عمدگی سے کھینچا ہے کہ قاری یہ محسوس کرتا ہے گویا وہ اسی ساحول میں پھر رہا ہے۔ الشیخ العارفؒ نے بحیثیت سعادت مند فرزند کیا کردار انجام دیا۔ ان کا خلفائے غوثیہ اور اپنے بلند اقبال فرزند سے کیا برتاؤ تھا۔ رابعہ زمانی حضرت بی بی پاک دامن رحمۃ اللہ علیہا کے حقوق کا انہوں نے





کہاں تک پاس کیا۔ بی بی صاحبہ نے اپنے خسر، شوہر اور محاسرائے کی دیگر قابل احترام شخصیتوں سے کیونکر نباہ کیا۔ حضرت قطب الاقطابؒ کی تربیت کیسے ہوئی۔ لنگر خانے کا انتظام کیا تھا۔ حضرت الشیخ العارف سہانوں اور درویشوں سے کیونکر ملتے تھے۔ آپ کے دستر خوان کی کیا کیفیت تھی۔ آپ کے تصرفات اور ملفوظات، شاہی جاہ و جلال پر فقر کا غلبہ، سلہٹ کی پکار۔ سات سو درویشوں کی مجاہدانہ یلغار۔ بنگال میں اذان کی گونج۔ شیخ صدر الدین ثانیؒ کا شاہی دربار میں خطبہ۔ فقیرے در لباس پادشاہے۔ رئیس العقلاء والمجانین کی عارفانہ زندگی۔ سید جمال الدین بخاریؒ کا تبلیغی دورہ۔ کشمیر کے مسروردی فقراء، مولانا جالیؒ اور شیخ شہر اللہؒ کی عارفانہ ملاقات، شاہ حسین ارغون کا حملہ۔ لنگھوں کے عروج و زوال کی دردناک داستان ان عنوانات کے ضمن میں ہر شخص کے لئے عبرت و بصیرت کا پیش بہا خزینہ موجود ہے۔ کتاب چار سو سے زیادہ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے متن اور حواشی میں جگہ جگہ ماخذ اور ان کے اقتباسات نظر آتے ہیں۔ کہیں کہیں دوسرے تذکروں کے بیانات پر جرح و محاکمہ بھی ملتا ہے۔ جس سے صحت روایت اور بیان کی متانت کا پورے طور پر اندازہ ہو سکتا ہے۔ میرے نزدیک مولانا کی ”نثر“ کا وہی مقام ہے جو انیس کی نظم کا۔ وہ سہل ممتنع لکھتے ہیں۔ اور انہیں روزمرہ پر پوری قدرت حاصل ہے۔ وہ پینتیس (۳۵) سال سے اپنا خون جگر، دماغی قوتیں اور ادبی صلاحیتیں علم و عرفان اور تاریخ و تصوف کی قلمی خدمت میں صرف کر رہے ہیں۔ ان کا قلم اب حیات کے قطرات سے تشنگان علم و مذہب کی پیاس بجھانے میں مصروف ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ علم و عرفان، تحقیق و تدقیق اور اردو ادب کی خدمت میں صرف کر دیا ہے۔ جب تک



یہ زبان زندہ ہے۔ ان کا نام نامی بھی اس کے عظیم منوں کی فہرست میں ہمیشہ ممتاز رہے گا۔

مولانا فریدی لالہ صحرا کی طرح ملتان کے ایک ایسے کور دیہ میں بسر اوقات کر رہے ہیں۔ جہاں انہیں سمجھنے والا کوئی نہیں۔ وہ ایسے ماحول میں سانس لے رہے ہیں۔ جہاں انسان کی عظمت کو جاگیر اور ثروت کے پیمانہ سے جانچا جاتا ہے۔ لیکن ان کی اراضی صرف اتنی ہے جس میں انہوں نے اپنے بال بچوں کے سر چھپانے کا انتظام کر رکھا ہے۔ کبھی کبھار اگر کوئی با ذوق ان کے دولتکدہ پر جا نکلتا ہے۔ تو ناموافق ماحول میں ان کے کامیاب علمی مشاغل دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ عام ادباء کی طرح مولانا فریدی بھی معاشی مشکلات کا شکار رہتے ہیں۔ انہوں نے بحیثیت مؤرخ اور ادیب اپنے وطن عزیز اور خاندان غوثیہ کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ لیکن ملک کی اتنی بڑی آبادی میں سے نہ تو کسی ”صاحب نعمت“ نے قدردانی کا ثبوت ہم پہنچایا ہے اور نہ ہی حضرت کی اولاد کرام نے اپنے فرض کو محسوس کیا ہے۔

میں دعا کرتا ہوں۔ کہ ربّ ذوالجلال مولانا فریدی کو اپنے پیاروں کے صدقے دین و دنیا کی تمام سعادتوں سے بہرہ وافر عطا کرے۔ اور اتنی توفیق بخشے کہ وہ مالی تفکرات سے بے نیاز ہو کر اپنی تصانیف کو خود طبع کرا سکیں۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین۔

فقیر

۱۹ دسمبر ۱۹۵۷ء

سید عطاء اللہ شاہ بخاری

۲۶ جمادی الثانی ۱۳۷۷ھ





# تقریظ

از ترجان فطرت جناب محمد اسد خان صاحب ملتانی اسسٹنٹ سیکرٹری

وزارت ریاستہائے و سرحدات حکومت پاکستان

چیست دانی آنچه او در بزم شوق آورده است ؟

یک چمن گل ، یک نیستان نالہ ، یک خمخانہ سے

میرے مکرم اور محترم دوست مولانا نور احمد خان صاحب فریدی

محتاج تعارف نہیں۔ انہوں نے تاریخ اور سیر کے عنوان پر متعدد کتابیں

لکھ کر ادبی دنیا میں ایک خاص مقام حاصل کر لیا ہے۔ کچھ عرصہ

گذرا۔ میں اپنے دونوں بھائیوں کی رفاقت میں عزیزوں کو ملنے کے لئے

شجاع آباد جا رہا تھا۔ جب ہم ٹانگے پر سوار ہونے لگے۔ تو دفعۃً

مولانا فریدی نظر آئے۔ جو مرا کو لیڈر کی ایک خوبصورت جلد بغل

میں دبائے ہماری طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔ میں نے انہیں اپنے ساتھ

ٹانگے پر بٹھا لیا۔ اور علیک سلیک کے بعد ان کے ہاتھ سے کتاب لیکر

پڑھنا شروع کی یہ حضرت شیخ الاسلام زکریا ملتانی قدس سرہ کی سیرت

تھی جو انہوں نے حال ہی میں طبع کرائی تھی۔ میں نے جستہ جستہ

کئی مقامات دیکھے۔ جنہیں پڑھ کر دل کو بڑی خوشی ہوئی۔ حضرت

غوث العلمین کے چند علیحدہ سوانح حیات بھی نظر سے گذر چکے تھے۔ مگر

وہ معدودے چند صفحات پر محیط تھے۔ اس سلسلے کی آخری تالیف

”انوار غوثیہ“ تھی لیکن اس کا انداز قدیم اور سیرت و سوانح پر اظہار عقیدت

کارنگ غالب تھا۔ شیخ الاسلام کے بکھرے ہوئے حالات کو مختلف کتابوں

سے اخذ کر کے یکجا اور پھر موجودہ طرز میں پیش کرنے کی اشد



ضرورت تھی۔ اور وہ اس وقت میرے سامنے تھی جسے مولانا ہمت مردانہ سے کام لے کر منظر عام پر لے آئے تھے۔ اس کا اسلوب بیان اس قدر دلکش اور انداز تحریر اتنا شگفتہ تھا۔ کہ جس پیرے پر نظر پڑی نگاہیں وہیں سر کوز ہو کر رہ گئیں۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگر م  
کرشمہ دامنِ دل مے کشد کہ جا اینجاست

میں کتاب کی ورق گردانی میں مصروف تھا کہ ٹانگہ سٹینڈ آگیا۔ مولانا اثر کر چلے گئے۔ لیکن میری استدعا پر کتاب چھوڑ گئے۔ جسے میں نے خان محمد انور خان مرحوم کے مکان پر پہنچ کر از سرنو دیکھا، پڑھا اور شاد کام ہوا۔

اس کے دو سال بعد ۱۹۵۷ء کو مولانا پھر مجھے کراچی میں اپنے دفتر میں ملے۔ اس دفعہ اسی سلسلے کی ایک اور کتاب ”صدرالدين عارفؒ“ ان کے ہاتھ میں تھی۔ جس کے چند اوراق ابھی چھپنا باقی تھے۔ انہوں نے مجھ سے اس پر تقریظ لکھنے کی فرمائش کی۔ جسے میں نے اپنے اس رابطہ کی بنا پر جو مجھے حضرت شیخ الاسلام زکریا ملتانی اور انکی اولاد کرام سے حاصل تھا منظور کر لیا۔

میں نے اس کتاب کو شروع سے آخر تک غور سے پڑھا ہے مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے کہ مولانا فریدی حضرت زکریا ملتانیؒ کے خاندان کو اکبر اعظم کے دور تک بڑی جامعیت کے ساتھ لے آئے ہیں۔ اور انہوں نے ان کے روحانی کہالات، علم و حکمت اور سیاسی اثر و نفوذ کے کسی گوشہ کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیا۔ یہ صرف صوفیاء اور مشائخ کی تاریخ ہی نہیں بلکہ اس میں آپ نے ان کے معاصر سلاطین کے حالات پر بھی بڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔ کتاب کے آغاز میں حضرت شیخ الاسلام زکریا ملتانیؒ اور ان کے



فیوض و برکات کا اجہالی ذکر ہے۔ اس کے بعد حضرت الشیخ العارفؒ کی ولادت سے وفات تک کے حالات نہایت دلنشین پیرائے میں درج ہیں۔ ”سیاں دیس چلے“ کے عنوان سے خلفائے غوثیہ کا منزلوں کی طرف روانگی کا نقشہ عجیب انداز میں پیش کیا گیا ہے اور اس ضمن میں خواجہ فخر الدین عراقی، سید جلال بخاری، شیخ موسیٰ نواب، لال شہباز قلندر، سید جلال سلہٹی، شیخ اسمعیل قریشی اور خواجہ حسن افغان کی زندگی کے ایسے واقعات منظر عام پر آگئے ہیں۔ جو سیرت کی عام کتابوں میں نہیں ملتے۔ ان حضرات کے بعد شیخ الاسلام صدر الدین محمد حاجی، شیخ رکن الدین اسماعیل، شیخ عماد الدین کہی پھوڑ، شیخ صدر الدین حلیم، شیخ محمد یوسف، شیخ شہر اللہ اور شیخ بہاء الدین ثانی رحمہم اللہ علیہم اجمعین اور ان کے خلفاء کا تفصیلی حال پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب تقریباً چار سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اور فن نگاری کا نادر نمونہ ہے۔ انہوں نے اپنی اس تصنیف میں جس جدت خیال اور رفعت انشاء سے کام لیا ہے۔

اس کی نظیر اولیائے کرام کے اردو تذکروں میں نہیں ملتی۔ فریدی صاحب کا یہ انتہائی کمال ہے کہ انہوں نے ”سیرت عارف“ کے تمام بکھرے ہوئے ”نقوش جمیل“ کو یکجا کر کے ان سے ایک دلاویز مرقع تیار کر دیا ہے۔ انکی سیرت نگاری میں عالمانہ تحقیق، شاعرانہ بصیرت اور مصورانہ تخیل تینوں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ مولانا نے زبان و بیان کی شگفتگی کے ساتھ ساتھ روایت و درایت کے اصولوں کو بھی مد نظر رکھا ہے۔ عبارت آرائی اور شاعرانہ رنگین بیانی کے باوجود حقیقت اور صحت میں فرق نہیں آنے دیا۔ کتاب کے ابواب اور عنوانات میں اس قدر طرفگی ہے کہ کوئی صاحب ذوق لطف اٹھائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مثال کے طور پر بیا بیا عراقی! عراقی بعراق رفت، غوث کی نگری۔ سیاں دیس چلے۔ عراقی سے گوید۔ پہنچی وہاں پہ خاک!۔ نواب الاولیا



بسندہ سے رود - سلہٹ کی پکار - فقر و شاہی کا تصادم - قال و حال کی مجلسیں - واللہ یعصمک من الناس - مرگ عدو - ارجعی الی ربک - فاذکرونی اذکرکم - واذکر ربک اذانسیت ، بہلوں درویشوں کے سایہ میں ، دلی نے انگریزی لی - کتنے دل آویز اور خیال انگیز عنوانات ہیں۔

المختصر یہ کتاب سہروردی مشائخ کی ایک انسائیکلو پیڈیا (دائرة المعارف) ہے - جس میں ساتویں ، آٹھویں اور نویں صدی ہجری کے تمام مشائخ سہروردیہ کا ذکر دل نشین انداز میں پیش کیا گیا ہے - بلاشبہ فریدی صاحب نے ایک نہایت ہی اہم اور مفید خدمت انجام دی ہے - حضرت شیخ الاسلام زکریا ملتانی قدس سرہ اور حضرت شیخ العارف اور انکی اولاد کا ایسا تذکرہ آج تک کبھی زبان میں طبع نہیں ہوا اس وقت حضرت کے لاکھوں فرزند موجود ہیں اور ان میں اکثر صاحب دولت و ثروت ہیں - مگر افسوس ہے کسی نے مصنف کی حوصلہ افزائی کی ضرورت محسوس نہیں کی - پہلی جلد ایسے حالات میں طبع کرائی گئی تھی - جبکہ کاغذ اس ملک میں قطعاً نایاب تھا - ماخذات کا حصول بجائے خود رہا یہ علم تک نہ تھا کہ کن کتابوں سے اس سیرت کو مرتب کیا جا سکتا ہے - مصنف نے کم و بیش پاکستان کے تمام شہروں کی خاک چھانی - حجاز ، ایران اور ہند کے کتب خانوں کی طرف رجوع کیا - کتابت ، طباعت کے سلسلے میں کئی بار لاہور اور ملتان کے چکر کاٹے - تب چا کر یہ کتاب مکمل ہوئی - اس قدر مشکلات کے باوجود فاضل مصنف برابر مصروف کار رہا - یہاں تک کہ تین سال کے بعد وہ ایک اور کتاب کو بنظر عام پر لانے میں کامیاب ہو گیا - جو سیرت [شیخ الاسلام] "صدرالدين عارف" کے نام سے آپ کے سامنے ہے - اسکی ترتیب و تدوین اور طباعت و جلد بندی پر مصنف کے تقریباً چھ ہزار روپے صرف ہوئے - اور مصنف نے یہ تمام مصارف قرض اٹھا کر پورے کئے - سنا



ہے کہ اس دل شکستگی کے باوجود فریدی صاحب نے ہمت نہیں ہاری۔ اور وہ اس خاندان کے حالات کو تکمیل تک پہنچانے کا پروگرام بنا چکے ہیں۔ حضرت قطب الاقطاب شیخ رکن الدین ملتانی کا تذکرہ بھی زیر ترتیب ہے۔ اگر حضرت غوث العلمینؒ کی اولاد امجاد اپنے فرض کو محسوس کرتی۔ اور ان کتابوں کی طباعت کے سلسلہ میں فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے مصنف کو مصارف کے فکر سے بے نیاز کر دیتی۔ تو یہ تاریخِ ملتان کے زرین عہد اور قریشی خاندان کے بہترین افراد کا تذکرہ زیادہ شاندار پیمانے پر مرتب کر سکتے تھے۔ بہر حال فریدی صاحب ایک فرد کی حیثیت سے وہ کارنامہ انجام دے رہے ہیں۔ جو ایک ادارے کے کرنے کا تھا۔ ان کی تصانیف موضوع کی اہمیت اور ادبی خوبیوں کے باعث یقیناً زندہ جاوید ثابت ہونگی۔ اپنائے وطن کی قدز ناشناسی کا المیہ بھی نہ صرف محمود اور فردوسی کے افسانے کی طرح اس سلسلہ تصانیف کے ساتھ وابستہ ہو کر رہ جائے گا بلکہ اس کے نقوش روز بروز زیادہ اُجاگر ہوتے چلے جائیں گے۔

میری دعا ہے کہ خداوند کریم مصنف کے ذہن کو جلا، ان کے بیان کو زیادہ پختگی اور قلم کو زیادہ روانی عطا فرمائے۔ نیز ان کی تصانیف کو قبول خاص و عام بخش کر انہیں اتنی توفیق ارزانی کرے کہ یہ اپنی کتابوں کی اشاعت کے لئے کسی کے دست نگر نہ رہیں آمین۔

گاہ مبر کہ پیاپاں رسید کار مغاں  
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است



بنام شاهد نازک خیا لال  
عزیز خاطر اشفتہ حالان

هدیہ درویش بیسوا

# بازوای طیبات مساجح سہروردیہ

رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ

آنانکہ خاک را بنظر کمیہا کند  
آیا بود کہ گوشہ چشمے با کند



# مہرِ س

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۹ ..	عراقی مے گوید	۵ ..	احوال واقعی
۱۰۳ ..	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۹ ..	شیخ العارف
۱۰۶ ..	سیر العارفین کے اقتباسات	۱۰ ..	غوث کی نگری
	شیخ العارف اور عراق کے	۲۱ ..	شیخ صدرالدین کا مقام
۱۰۸ ..	تعلقات	۲۳ ..	شیخ عارف قدس سرہ
۱۱۰ ..	حرف آخر	۲۵ ..	کتبخدائی
۱۱۲ ..	عراقی کا عزم حجاز	۲۷ ..	رموز الواصلین کی تصریحات
۱۱۳ ..	عراقی کا حج	۳۱ ..	فرغانہ کا شاہی خاندان
۱۱۴ ..	عراقی مدینہ منورہ میں	۳۴ ..	عقد نکاح
۱۱۵ ..	لمعات کی تدوین	۳۷ ..	بی بی راستی کا ایثار
۱۱۶ ..	مولانا جامی کا خواب	۴۱ ..	شیخ العارف مسند سجادگی پر
۱۱۸ ..	روم کے حکمران کی عقیدت	۴۲ ..	حضرت غوث العالمین کا سفر آخرت
۱۲۰ ..	طبیعت کی وارفتگی	۴۶ ..	سارا اثاثہ خدا کی راہ میں لٹا دیا
۱۲۱ ..	خواجہ شمس الدین سے ملاقات	۴۷ ..	آپ کا دسترخوان
۱۲۳ ..	مولانا عراقی مصر میں	۴۹ ..	شغل درس
۱۲۸ ..	پہنچی وہاں پہ خاک!	۵۰ ..	بیابان!
۱۳۱ ..	تصانیف	۵۵ ..	شاہ جمال لاہوری
۱۳۲ ..	دیوان	۵۷ ..	خانقاہ ہفت منازل
۱۳۵ ..	رباعیات	۵۸ ..	یک ہندو یک مسلمان
۱۳۶ ..	شیخ کبیر الدین عراقی قدس سرہ	۶۰ ..	اے فخرالدین!
۱۳۹ ..	نواب الاولیاء رح بسندہ می رود	۶۱ ..	ترا ازیں جا کفن میسر خواہد شد!
۱۴۱ ..	سندہ کی نوابی	۶۲ ..	شیخ حسن کنجدگر
۱۴۳ ..	غوث العالمین کی آمد	۶۶ ..	تصرفات
۱۴۶ ..	ڈاکو مسلمان ہو گئے	۶۷ ..	مردے کو زندہ کر دیا
۱۴۷ ..	شاہ خراسان کی عقیدت	۶۸ ..	شرابی کو ولی بنا دیا
۱۴۷ ..	نواب الاولیاء کا سفر جیسلمیر	۷۳ ..	شیخا باش!
۱۴۸ ..	میاں مجد جیا انڈھر	۷۶ ..	خاک بدایوں انتظار می کند
۱۵۲ ..	نواب الاولیاء سندھ میں	۷۷ ..	محبوب اللہ شدہ دیگر چہ می خواہی؟
۱۵۵ ..	نواب الاولیاء کا وصال	۸۰ ..	سیف زباں بے نیام دار!
۱۵۶ ..	نواب الاولیاء کے خلفاء	۸۵ ..	سیان دیس چلے
۱۵۹ ..	مصنف کتاب ہذا نواب الاولیاء کے آستان پر	۸۶ ..	عراقی بعراق رفت
۱۶۱ ..	رئیس سردار غازی مجدخان صاحب انڈھر	۸۸ ..	غوث العالمین کا مرثیہ



صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۶۴ ..	مقام رسالت	۱۶۴ ..	سیدالسادات آج کو چلے
۲۶۶ ..	فاذ کرونی اذ کر کم	۱۶۹ ..	سید جلال کا عتاب
۲۶۸ ..	و اذ کر ربک اذانسیت	۱۷۰ ..	چن پیر
۲۷۰ ..	شیخ العارف کا عربی قصیدہ	۱۷۲ ..	خلفائے جلالیہ
۲۷۴ ..	قطب الاقطاب رکن عالم قدس سرہ	۱۷۲ ..	سید احمد کبیر سہروردی
۲۷۵ ..	شیخ الاسلام صدرالدین محمد حاجی	۱۷۴ ..	شیخ جلال مجرد سنلہٹی
۲۸۸ ..	شیخ الاسلام لشکر شاہی میں	۱۷۶ ..	سلہٹ کی پکار
۲۸۶ ..	فیروز شاہ ملتان میں	۱۸۱ ..	سہروردی درویشوں کی آبادیاں
۲۹۲ ..	شیخ الاسلام رکن الدین اسماعیل	۱۸۶ ..	سر جادو ناتھ سرکار کا بیان
۲۹۳ ..	شیخ عہاد الدین کہی پھوڑ	۱۹۰ ..	لال شہباز قلندر پھر ملتان میں
۲۹۴ ..	شیخ صدرالدین حلیم	۱۹۲ ..	لال شہباز کا مقبرہ
۲۹۶ ..	پہلول درویشوں کے سایہ میں	۱۹۳ ..	مقبرہ کے کتابے
۲۹۷ ..	حلیم کی وجہ تسمیہ	۱۹۸ ..	پرانا قلعہ
۲۹۹ ..	شیخ الاسلام محمد یوسف قریشی	۱۹۹ ..	غار اعتکاف
۳۰۶ ..	دلی نے انگریزی لی	۲۰۱ ..	چشمہ واہی
۳۰۸ ..	شیخ محمد یوسف دلی میں	۲۰۲ ..	امیر حسینی بہرات رسید
۳۱۱ ..	سلطان سکندر سے معاہدہ	۲۰۵ ..	نمونہ کلام
۳۱۲ ..	ملتان کی مردم خیزی	۲۰۷ ..	شیخ اسماعیل قریشی عمر پوری
۳۱۵ ..	شیخ محمد یوسف کا انتقال	۲۱۱ ..	پیر عمر سہروردی
۳۱۶ ..	شیخ عبداللہ قریشی	۲۱۲ ..	بانگا بلال فوت شد
۳۲۰ ..	سید جمال الدین سہروردی	۲۱۳ ..	خواجہ حسن افغان
۳۲۱ ..	کشمیر میں سہروردی نقرہ	۲۱۴ ..	بیائید ہر کرا خدا بدہد
۳۲۳ ..	شیخ شہراللہ	۲۲۰ ..	فقر و شاہی کا تصادم
۳۲۶ ..	خاندان غوثیہ کے معمولات	۲۲۲ ..	ملتان کا نیا گورنر
۳۲۷ ..	شیخ شہراللہ کا مقام	۲۲۳ ..	قال و حال کی مجلسیں
۳۲۸ ..	وفات	۲۲۷ ..	واللہ یعصمک من الناس
۳۲۹ ..	شیخ اسماعیل قریشی	۲۲۹ ..	سلطان محمد کا قتل
۳۳۰ ..	شیخ سسی پنوں کے مزار پر	۲۳۴ ..	مرگ عدو جائے شادمانی نیست
۳۳۲ ..	پیر سخی عثمان علی شاہ	۲۴۷ ..	ارجعی الی ربک
۳۳۳ ..	شیخ عالی	۲۵۳ ..	ضریح مقدس
۳۳۷ ..	شاہ ابن ٹکر والا	۲۵۵ ..	تبرکات عارف
۳۳۸ ..	پیر محمد باقر شاہ قلندر	۲۵۶ ..	حصن اللہی
۳۳۳ ..	پیر علی محمد شاہ قریشی	۲۵۷ ..	حصن اللہی میں داخلہ
۳۳۴ ..	شیخ محمد صدرالدین	۲۵۸ ..	ظاہری راستہ
۳۳۵ ..	پیر علی قتال	۲۵۹ ..	باطنی راستہ
۳۳۶ ..	کرولی	۲۶۰ ..	حقیقی راستہ
		۲۶۱ ..	معرفت اللہی





صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۵۹ ..	پیر اکرم شاہ صاحب قریشی	۳۴۸ ..	شاہ جہاں
۳۶۱ ..	المعروف شاہ کھارا	۳۴۹ ..	پیر رکن الدین
۳۶۳ ..	پیر امیر شاہ صاحب قریشی	۳۵۰ ..	شاخ پھاگلہ علاقہ سوہرن
۳۶۸ ..	غوث زمان شیخ بہاء الدین ثانی	۳۵۱ ..	پیران اوچھالا و گاہنی
۳۷۱ ..	شاہ حسن ارغون کا حملہ	۳۵۲ ..	پیر رکن الدین قریشی
۳۷۴ ..	لنگاہوں کا زوال	۳۵۵ ..	پیر شیخ کبیر محمد
۳۷۹ ..	ارغون کا دوسرا حملہ	۳۵۶ ..	پیر محمد فاروق
۳۸۰ ..	لنگاہوں کے عہد پر اک نظر	۳۵۶ ..	پیر ابن شاہ بن مخدوم الملک خواجہ نوری
۳۸۱ ..	بارش کے لئے دعا	۳۵۷ ..	شیخ شمس الدین لاہوری
۳۸۲ ..	انتقال		
	صحت نامہ	۳۵۷ ..	

## قطعہ تاریخ

از امیرالبیان میر حسان الحیدری خان صاحب چانڈیو  
(مدیر آستانہ زکریا ملتان شہر)

صدرِ عارفِ رح کا چھپا ہے تذکرہ  
کون عارف؟ قدوہ اربابِ صدق  
ہے مؤلف اس کا اک اہل کمال  
خوش صفات و خوش مزاج و خوش خصال  
ہے یقین اس تذکرے کو دیکھ کر  
مجھ کو بھی حسان سن کر یہ خبر  
دھوم تھی مدت سے جس کی گو بگو  
غرقِ بحرِ الفت "اللہ ہو"  
ملک میں ذوقِ ادب کی آبرو  
نیک ذات و نیک خلق و نیک خو  
شاد ہونگے دوست اور محزون عدو  
اس کے سالِ طبع کی تھی جستجو  
بے سرِ ابہام ہاتھ نے کہا  
"ہے یہ ذکرِ عارفِ اللہ ہو"



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## احوال واقعی

میں ربّ لا یزال کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس پاک ذات نے اس ناچیز بندے کو یہ توفیق عطا فرمائی - کہ اس سے حضرت غوث العلمین قدس سرہ العزیز کی سیرت ترتیب پاگئی - ورنہ میری مثال تو مصر کی اس روایتی بڑھیا کی سی تھی جو سوت کی انٹی ہاتھ میں لے خریدارانِ یوسفؑ سے جا ملی تھی ”اعترافِ عظمت“ کے لئے بھی باعظمت انسان ہونا ضروری ہے لیکن یہاں تو ذرہ اور آفتاب کی نسبت بھی نہ تھی -

میں اس غوث الاغواث اور نائب رسول کا تذکرہ لکھنے کا ارادہ کر چکا تھا جس کی چوکھٹ پر شہنشاہان عالم جیبہ سا ہوتے رہے جس کی دھلیز پر بڑے بڑے مشائخ نے سر رکھے - جس نے جنوبی ایشیا کے قریہ قریہ میں اسلام کے گل بوٹے لگائے - اور چمنِ محمدیؐ کو سرسبز و شاداب کیا - یہ خدمت تو جہالیؑ جیسے صاحب دل مؤرخ کو ہی زیب دیتی تھی - اسلئے اگرچہ شوقِ محبت نے کئی بار قلم اٹھانے کی جرأت دلائی - مگر احساسِ کمتری نے ایک نہ چلنے دی میں اس حیص بیص میں مبتلا تھا - کہ دفعۃً چند ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ ان سے میری شکستہ روح میں یکسر خوشگوار انقلاب پیدا ہو گیا - میں نے یوں محسوس کیا - گویا خود حضرت غوث العلمین قدس سرہ العزیز



مبلغ سات روپے ہدیہ کے طور پر ارسال فرماتے۔ اور ساتھ ہی ایک محبت بھرا کرم نامہ لکھا جو درحقیقت قدر شناس دوست کی تحسین و آفرین کا حسین مرقع تھا۔ چند دنوں کے بعد ایک خوبصورت گائے بھجوا دی اور لکھا کہ ”آپ نے حضرت غوث العلمین قدس سرہ العزیز کی سیرت لکھ کر صوفیاء کی تاریخ میں جو بیش بہا اضافہ فرمایا ہے۔ یہ اسی سلسلے میں ایک ناچیز پیشکش ہے اور آپ کی قلمی خدمات کا درویشانہ اعتراف ہے مجھے امید ہے کہ اس گائے کا دودھ آپ کے دماغی اعصاب کی تقویت کا موجب بنے گا۔ اور جب آپ پھر کوئی اور شاہکار منظر عام پر لائیں گے تو اس کے ثواب میں یہ فقیر بھی برابر کا حصہ دار ہوگا“۔

در اصل یہ پیر بخش الہی شاہ جیسے قدر شناس بزرگوں کی ہی عنایت تھی۔ کہ ”سیرت غوثیہ“ کے بعد بھی میرا قلم برابر اپنے کام میں مصروف رہا۔ اور تین سال کے قلیل عرصہ میں حضرت غوث الاغوات کے محبوب ترین فرزند الشیخ الامام العارف حضرت مخدوم صدرالدین محمد رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی منظر عام پر لانے میں کامیاب ہو گیا۔ اگرچہ ماخذات کا فقدان اور تواریحی سوانحات کے متضاد اعداد و شمار سنگ راہ بنتے رہے۔ اور طباعت کے مصارف بھی میری ہمت سے باہر تھے۔ لیکن بالآخر بندہ کی صدق نیت کا پودا بار آور ہوا اور یہ خاکسار ان تمام مشکلات پر غالب آ گیا۔ جو غیر معمولی دل گردہ رکھنے والے اصحاب کو بھی یاس و قنوط کی دلدل میں پھنسا دیا کرتی ہیں۔ یعنی میں نے زرعی اراضی اور گھر کے زیورات تک تصدق کر کے کتاب کو طبع کرا لیا۔ میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری، ترجمان فطرت سردار محمد اسد خاں صاحب اسد ملتانی، امیر البیان میر حسّان الحیدری خاں صاحب چانڈیو کا۔ حد ممنون ہوں کہ انہوں نے شدید مصروفیات کے باوجود میری اس تصنیف پر اپنی قیمتی آراء



کا اظہار فرمایا۔ قبلہ شاہ صاحب اردو زبان کے خطیب اعظم اور آزادی وطن کے سر باز مجاہد ہیں۔ اگرچہ ہندوستان کی جنگ آزادی میں بے شمار اکابرین نے حصہ لیا ہے۔ لیکن عوام میں اپنی بے پناہ خطابت سے ولولہ اور جوش پیدا کرنے کا سہرا صرف حضرت شاہ صاحب کے سر رہا ہے۔ بلاشبہ حضرت اس دور میں ساحر پنجاب بن کر بساط سیاست پر چھا گئے تھے۔ جناب ”اسد“ علامہ اقبالؒ کے تلمیذ خاص اور ان کے صحیح جانشین ہیں۔ شاعری میں حالی و اقبال کے بعد جو درجہ اسد کو ملا ہے۔ وہ کسی دوسرے کے حصہ میں نہیں آیا۔ میر حسّان الحیدری خاں صاحب چانڈیو ضلع رحیم یار خاں کے ایک بلند پایہ ادیب اور صاحب فکر شاعر ہیں اور آستانہ زکریا کے مدیر اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے حضرت غوث العلمینؒ اور آپ کے خاندان کی تاریخ پر کافی عبور رکھتے ہیں۔ میں ان حضرات کی کرم فرمائی کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ میں میرزا محمد صادق صاحب اور شیخ محمد دین صاحب بٹ مالکان رہن پرٹنگ پریس لاہور کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے طباعت کے سلسلہ میں مجھے تمام سہولتیں بہم پہنچائیں۔ یہ کتاب ناموافق ماحول میں اپنے موضوع پر پہلی دفعہ شائع ہو رہی ہے۔ میں صاحب علم حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر وہ اس میں تاریخی یا ادبی اسقام پائیں۔ تو مجھے ضرور مطلع فرمائیں۔ تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اصلاح کی جا سکے اس تذکرے کا دوسرا حصہ زیر ترتیب ہے اگر خدا کا فضل شامل حال رہا۔ تو سال رواں کے اواخر میں قارئین کی خدمت میں پیش کر سکونگا۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

خاکسار

قصر الادب جگوالہ

نور احمد خان فریدی عفی عنہ

یکم جنوری ۱۹۵۸ء



شیخ العارف



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شیخ الاسلام صدرالدين عارف حضرت غوث العلمین ؒ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ کے بعد مسند ارشاد کے مالک بنے اور تبلیغ اسلام، اصلاح اعمال اور تزکیہ نفس کے جو خطوط حضرت غوث العلمین قائم کر گئے تھے۔ انہیں اس عمدگی سے قائم رکھا۔ کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ اور آپ کی عظمت و جلالت کا سکہ بیٹھ گیا۔ اس وقت حضرت غوث العلمین ؒ کی جس قدر اولاد موجود ہے۔ ان میں سے اکثر کا سلسلہ نسب آپ پر ہی جا کر ختم ہوتا ہے۔ حضرت صدرالدين عارف ؒ ۵۶۲۱ میں نبی رشیدہ بانو کے بطنِ عفت سے پیدا ہوئے جو حضرت شیخ احمد غوث ؒ کی معصومہ اور حضرت مخدوم عبدالرشید حقانی قدس سرہ العزیز کی چھوٹی بہن تھیں۔ اس تقریب سعید پر ارادتمندوں نے بڑی خوشیاں منائیں اور حضرت غوث العلمین ؒ نے ملتان کے غربا و مساکین کے دامن زر و جواہر سے بھر دیئے۔

غوث کی نگری غوث کے  
زمانہ میں

عروس البلاد ملتان نے ہزارہا  
ادلتے بدلتے سمے دیکھے ہونگے۔

لیکن جو خوشگوار لمحات اسے حضرت غوث العلمین ؒ کی زندگی میں میسر آئے ہیں۔ ویسے پھر اسے قیامت تک نصیب نہیں ہو سکتے۔ یہ زمانہ کتنا اچھا تھا۔ جبکہ مطلع ولایت سے اس پر ایک نہ ایک ستارہ ہر روز نئی چمک دمک کے ساتھ طلوع ہوتا۔ اور اس کے عین سمت الراس پہنچتے ہی غوث ؒ کے فیضان سے آفتاب عالمتاب بن جاتا۔ عراق اور بخارا سے لگے ابر آٹھ آٹھ کر بادِ شالی کی طرح ملتان کو بڑھتے اور کسی کی نگاہ فیض کے صدقے ابرِ رحمت بن کر اس مینوسواد



خطہ پر چھا جاتے۔ اور علم و عرفان کی وہ موسلا دھار بارش ہوتی کہ جل تھل میں کوئی تمیز نہ رہتی اور دیکھنے والے دیکھتے کہ پنجاب اور سندھ کے لوق و دق صحرا جو صدیوں سے بارانِ رحمت کی ایک ایک بوند کو ترس رہے تھے۔ خیابانِ معرفت کی کثرت سے گلشنِ بداماں نظر آنے لگے ہیں۔ ان میں رنگا رنگ پھولوں کی اتنی فراوانی ہو گئی تھی کہ اس خطہ ارضی پر بہشت بریں کا دھوکا ہوتا تھا۔ نہیں نہیں دھوکا کہاں! یہ تو حقیقت تھی جبھی تو شیخ الاسلام پکار اٹھے تھے

ملتان ما بچنت اعلیٰ برابر است

آہستہ پا بنہ کہ ملک سجدہ سے کنند

یہ ایک بابرکت دور تھا۔ ملتان کی سرزمین پر غوث العلمینؒ کی ذات بابرکات سایہ افگن تھی اور سید السادات جلال بخاری، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، فرید الدین مسعود شکر گنج، سید جلال تبریزی رحمہم اللہ جیسے اکابر صوفیاء نے اس کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ اگرچہ غوث العلمینؒ کو اس شہر میں تشریف لائے پانچ چھ برس ہی ہوئے تھے۔ لیکن چونکہ مرشد طریقت نے یہ ولایت آپ کے سپرد فرمائی تھی۔ اس لئے ہر درویش کو یہ علم ہو چکا تھا۔ کہ شیخ الاسلام زکریاؒ ملتان کے باطنی حاکم ہیں۔ چنانچہ جب قباچہ نے حضرت بختیار کاکی قدس سرہ العزیز کو کچھ عرصہ اور ملتان میں ٹھہرانے کی کوشش کی۔ تو حضرت نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ ہم لوگ یہاں زیادہ عرصہ تک نہیں ٹھہر سکتے کیونکہ یہ مقام حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی تحویل میں دیا جا چکا ہے۔ اور ہمیشہ ان کی پناہ میں رہے گا \*

\* قباچہ بیگ بسیار بعرض رسانید کہ چند گاہ دیگر سایہ برکت دریں مقام ارزانی فرمایند حضرت شیخ (خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح) ملتفت نگشت۔ فرمود کہ این مقام در ذمہ و حوالہ شیخ بہاء الدین زکریا ست (رحمۃ اللہ علیہ) هموارہ در پناہ او خواهد بود۔ (میر العارفین از مولانا جالی صفحہ ۸۲)



مخدوم عبدالرشید حقانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت غوث العلمین کے تشریف لاتے ہی ارض پاک کو روانہ ہو گئے تھے۔ جہاں کہیں پہنچے غوث العلمینؒ کی شہرت آپ سے پہلے وہاں پہنچ چکی تھی اور اس دیار کے اولیاء اللہ مخدوم عبدالرشیدؒ سے آپ کی خیر و عافیت\* دریافت کرتے تھے۔ الغرض ان دنوں آپ کی قبولیت کا آوازہ سلا، اعلیٰ تک بلند ہو چکا تھا۔ اور ان کا طائر ہمت عرش پر پرواز کر رہا تھا۔ حضرت کے ایک ارادتمند نے آپ کے فضل و کمال کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں:-

”حضرت غوث العلمین «قلعہ ولایت» میں مستحصن ہو کر مصروف عبادت تھے۔ «خزانہ کرامت» زانو کے نیچے، «تخت ارشاد» مسندگاہ، قصر قطبیت مسکن اور غوثیت عظمیٰ کا تاج سر پر جگمگا کر دنیا کو رشد و ہدایت کی دعوت دے رہا تھا،۔“

عراقؒ کہتا ہے۔

شیخ شیوخ جہاں قطب زمین و زمان  
غوثِ ہمہ انس و جان مالکِ تنقی رقاب

\* مخدوم عبدالرشید از ملتان در شہر سہر پور رسید آنجا شیخ نصیرالدین صاحب مراتب و کشف بود بخدمت ایشان ملاقات فرمودند۔ شیخ فرمود کہ دوشا از کجا سے آئند، مخدوم فرمود کہ از خطہ دارالامان ملتان، فرمودند کہ دوشیخ بہاءالدین رامے دانید؟“

ایشان عرض کردند کہ برادر عمزادہ این فقیر است الحال از بیت اللہ در ملتان رسیدہ، بمجرد شنیدن برخاست در کنار گرفت و معذرت بسیار کرد۔

از انجا بہ تبریز در خدمت سید حسینی کہ برادر حضرت جلال الدین تبریزی و در شہر تبریز صاحب کشف و کرامات و زبدہ شائخ اکبر بود شرف ملاقات حاصل شد۔ شناختہ بسیار توجہ فرمودند و گفت اے عبداللہ! کیفیت برادرم شیخ بہاء الدین فرمائی! عرض کردم کہ اوشان در ملتان جنت المکان جمعیت دارند۔  
الی آخرہ  
(منبع البرکات از شیخ شرف الدین قریشی)



ناشر علم اليقين ، کاشف عين اليقين  
 واحي حق اليقين ، مهدي هادي خطاب  
 در نظر همتش هر دو جهان نيم جو  
 در كف درياء شش هفت فلک يك حباب  
 سالک مجذوب را بر در او باز گشت  
 طالب مطلوب را از در او فتح باب  
 قطره انعامه ، روح قلوب الصدور  
 تربت اقدامه کحل عيون المعاب

محبوب الہی نظام الدین اولیا دہلویؒ جو سلسلہ چشتیہ میں  
 بجائے خود شیخ الكل ہیں فرماتے ہیں -

”شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ نے درویشی کے  
 ستر ہزار علوم طے کر لئے تھے - اور ان تمام پر اپنے  
 عمل کو حد کمال تک پہنچا دیا تھا - انہیں روحانی قوت  
 اتنی حاصل ہو گئی تھی - کہ اگر آسمان کی جانب نظر  
 اٹھاتے - عظمت عظیم بے حجاب مشاہدہ کرتے اور اگر  
 زمین پر نظر کرتے تحت الثریٰ کی چیزیں دکھائی  
 دینے لگتیں“ \*

یہ تو حضرت غوث کا روحانی مرتبہ تھا - سیاسی اثر و نفوذ کی یہ  
 کیفیت تھی - کہ سلطان ناصر الدین قباچہ جو سندھ اور ملتان کا مطلق العنان  
 فرمانروا تھا - آپ سے خطرہ محسوس کرنے لگا تھا - اور آپ کے اثر کو کم  
 کرنے کے لئے ہی اس نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو ملتان  
 میں قیام کرنے کی درخواست کی تھی - مولانا قطب الدین کو بھی اسی



غرض کے لئے کاشان سے طلب کر کے ملتان کی سب سے بڑی دینی درسگاہ کا صدرالصدور مقرر کیا تھا۔ لیکن اس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی شہید محبت خواجہ بختیار کا کئیؒ نے تو یہ کہہ کر قباچہ کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ کہ یہ ولایت غوث العلمین سے متعلق ہے ہمارا یہاں رہنا مناسب نہیں۔ مولانا کاشانی حضرت کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے۔ مرعوب ہو کر دہلی چلے گئے۔ اور جب تک حضرت غوث العلمینؒ کا سایہ ملتان پر قائم رہا۔ انہوں نے بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کیا۔ اور قباچہ بال بچوں سمیت سندھ میں غرق ہو گیا۔ بفخوائے۔

چراغِ مقبلاں ہرگز نمیرد ہر آنکس پف زندہ ریشش بسوزد

✓ حضرت غوث العلمین دنیا کے بہت بڑے ولی ہونے کے ساتھ ساتھ اتنے بڑے خزانے کے مالک تھے کہ آپ کا امیری نما فقر ضرب المثل بن کر رہ گیا تھا۔ روزانہ ہزاروں علماء اور مشائخ آپ کے دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے۔ آپ کا لنگر دال چپاتی تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ قسم قسم کے پر تکلف کھانے دسترخوان کی زینت\* ہوتے تھے۔ جن لوگوں کو حضرت کے ساتھ شریک طعام ہونے کا موقع ملا ہے ان کا بیان ہے کہ غوث العلمین کا دسترخوان طعام کی فراوانی اور عمدگی کے لحاظ سے سلاطین کے سفرہ پر سبقت لے گیا تھا۔ داد و دہش کا یہ عالم تھا۔ کہ لاکھوں درہم و دینار آتے اور بندگان خدا پر خرچ ہو جاتے ایک دفعہ مغلوں کی فوجیں گھٹا کی طرح شہر پر چھا گئیں آپ کو علم ہوا۔ تو ایک لاکھ اشرفی اپنی جیب سے دے کر ملتان کو تباہی سے بچا لیا۔ فخرالدين

\* شیخ نظام الدین اولیا دہلوی فرمود کہ شیخ فرید الدین (رح) را افطار کم بودے گرچہ تپ آمدے یا فصد کردے و شیخ بہا الدین زکریا راصوم کمتر بودے اما طاعت و عبادت بسیار بودے و این آیت فرو خواندے۔ یا ایہا الرسل کوا من طیبات و اعمالوا صالحا۔ و فرمود آواز انہا بود کہ این آیت در حق او درست آید (اخبار الاخیار)



گیلانی نے خواجہ کمال الدین مسعود شیروانی کی طرف سے ستر لاکھ روپے کا مال و اسباب بطور نذر پیش کیا۔ حضرت نے تین دن میں ہی وہ تمام سامان محتاجوں اور درویشوں میں بانٹ دیا۔ خواجہ آپ کے ایثار کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس پر اس نے لاکھوں روپوں کا ذاتی مال نذر گزارا۔ حضرت نے وہ بھی فقراء میں تقسیم کر دیا\* بلا مبالغہ حضرت غوث العلمین ان اکابر اولیاء اللہ سے تھے۔ جن کا دل دنیا کے نفع و نقصان سے اثر قبول نہیں کیا کرتا۔ مولانا جالیؒ لکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت خانقاہ میں تشریف رکھتے تھے۔ دفعۃً ایک خادم کو حکم دیا۔ کہ خزانے سے وہ صندوق اٹھا لے۔ جس میں پانچ ہزار اشرفی رکھی ہیں خادم نے خزانہ کے تمام صندوق دیکھ ڈالے سارا سامان درہم برہم ہو گیا۔ لیکن وہ صندوق نہ ملا۔ انجام کار جب بالکل مایوس ہو گیا۔ تو اس نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر صحیح صورت حال عرض کر دی۔

غوث العلمینؒ نے ایک لمحہ توقف کرنے کے بعد فرمایا۔ ”الحمد للہ“ چند ایام بعد آپ کے خادم خاص نے آ کر عرض کی ”حضور! وہ صندوق جو کل نہیں مل رہا تھا۔ آج سامان کے نیچے سے نکل آیا ہے۔ حضرت نے قدرے تامل کے بعد فرمایا۔ ”الحمد للہ“ حاضرین نے عرض کی۔ کہ حضرت نے صندوق گم ہونے پر بھی الحمد للہ فرمایا۔ اور مل جانے پر بھی اس میں کیا حکمت تھی؟

فرمایا۔ ”اہل اللہ کے نزدیک دنیا کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں۔ نہ اس کے جانے پر غم ہوتا ہے اور نہ ملنے پر خوشی!“ پھر فرمایا :-

\* مے گویند۔ کہ موازنہ ہفتاد لکمہ تنکہ را اسباب و اجناس بود حضرت شیخ الاسلام درسہ روز آن تمام جواہر و نقود را بخلق خدا تعالیٰ ایثار فرمود، چون خواجہ فخرالدین گیلانی این معائنہ دید حیراں ماند و از ہر اموال و منالے کہ داشت در حضرت شیخ حاضر آورد و یکبارگی از اسباب و جہاتی کہ داشت در گذشت و تمیرے نمود و اسباب خواجہ فخرالدین دو چند از فتوح ما قبل بود و در معدود ایام حضرت شیخ آن اسباب را نیز بمصرف رسانید۔ (سیر العارفین)



” دوستو ! جس وقت خادم نے آکر صندوق کے گم ہونے کی اطلاع کی - اس وقت میں نے دل پر نگاہ ڈالی - اس پر رتی بھر اثر نہ پایا۔ اس لئے ”الحمد لله“، پڑھا - اس کے بعد جب اس صندوق کے ملنے کی اطلاع ہوئی - میں نے پھر دل پر نظر ڈالی - تو اس میں پانچ ہزار اشرفیوں کے ملنے پر خوشی اور مسرت کی کوئی لہر نظر نہ آئی - اس پر میں نے دوبارہ الحمد لله پڑھا اس کے بعد وہ پانچ ہزار اشرفیاں محتاجوں اور درویشوں کو بانٹ دیں\*۔

کوئی کتنا سخی کیوں نہ ہو - جب بھی وہ کوئی گراں قدر رقم کسی محتاج یا درویش کو دیتا ہے - اسکی آخر نظر اس رقم پر ضرور پڑتی ہے - لیکن غوث العلمینؒ کی ذات یا برکات میں یہ بات بھی نہ تھی - پانچ ہزار اشرفیاں بیک لحظہ خدا کے نام پر لٹا دیں لیکن اس خطیر رقم پر نظر تک نہیں ڈالی صاحب سیرالعارفین لکھتے ہیں -

”آں پنج ہزار دینار را ایثار اہل استحقاق ساخت و چشم

التفات براں نینداخت“ - (۵۱ س ع)

ایک دفعہ ملتان میں سخت قحط پڑا - اور گندم نایاب ہو گئی حاکم شہر نے تنگ آ کر حضرت کی طرف رجوع کیا غوث العلمین نے ایک انبار

\* حضرت شیخ الاسلام روزے در خانقاہ خود نشستہ بودند بخادم اشارت فرمود کہ برو صندوق حاضر کن آنکہ در وے پنج ہزار دینار سرخ است - خادم بجانب خزانہ دوید و اسباب مخزن درہم پاشید نشانے ازاں صندوق ندید بالآخر چون صندوق نیافت بحضرت شیخ (رح) رجوع آورد و واقعہ حال باز گفت کہ آں صندوق پیدا نیست حضرت شیخ اندکے تامل فرمود و چشم کشودہ فرمودند الحمد لله و چنین گویند کہ بعد معدودے ایام خادم خاص شیخ الاسلام اعلام داد - کہ فلاں صندوق کہ پسین روزها نایاب بود اکنون از زیر بعضے اشیا پیدا شدہ است - حضرت مخدوم زکریا در حال بہان سنوال بعد از اندک تامل الحمد لله بر زبان مبارک راند و خادم مذکور رابطہ صندوق دواند و بحضور مجلس شریف بعبارت لطیف فرمود کہ الحمد لله گفتن بہر دو حال بنا بر آں بود کہ پیش اہل اللہ عدم و وجود دنیا مساویست - نہ از رفتن او بر نجد و نہ از آمدن او خوش دل شود -

(الی آخرہ)



گندم کا آسے مرحمت فرمایا اس زمانے میں یہ بخشش بہت بڑی چیز تھی۔  
حاکم شہر نے خود آ کر اس انبار کو کھلوایا۔ گندم نکالی جا رہی تھی۔  
کہ روپوں سے بھرے ہوئے سات کوزے پھسل پڑے حاکم نے حضرت  
کی خدمت میں اطلاع کی۔ آپ نے فرمایا۔ یہ ہمارے علم میں تھے۔  
لیکن ہم نے غلہ کے ساتھ یہ بھی آپ کو عنایت کئے اس موقعہ پر مولانا  
جہالی کا قلم بے اختیار رقص کرنے لگتا ہے۔ لکھتے ہیں۔

سبحان اللہ! چہ دلے داشت کہ ہرگز گوشہ چشمے بدنیما  
نمے گاشت و ہر کرا چیزے انعام فرمودے مبلغے

کلی بودے

صاحب بزم صوفیہ لکھتے ہیں۔ کہ

ملتان کی مدت قیام میں نہ صرف

در ویشوں کی تربیت

ملتان بلکہ سارا ہندوستان حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے  
فیوض و برکات کے انوار سے سنور ہو گیا تھا اور ان کا عہد خیر الاعصار\* کہا  
جاتا ہے شیخ محمد نور بخش مؤلف سلسلۃ الذهب نے حضرت غوث العلمینؒ  
کے فیوض و برکات کی تصویر اس طرح کھینچی ہے کہ :-

”حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہ العزیز ہندوستان میں رئیس  
الاولیاء تھے علوم ظاہری کے عالم اور مکاشفات و مشاہدات کے مقامات و  
احوال میں کامل تھے۔ ان سے اکثر اولیاء اللہ کے سلسلے منشعب ہوئے۔  
لوگوں کو رشد و ہدایت فرمائی اور ان کو کفر سے ایمان کی طرف  
معصیت سے اطاعت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لائے۔  
اور ان کی شان بڑی\*\* تھی۔

\* بحوالہ فرشتہ ج ۱ ص ۱۸۳

\*\* سلسلۃ الذهب کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

’ بہاؤ الدین زکریا الملتنی قدس سرہ کان رئیس الاولیاء ببلاد ہند و کان عالماً  
بعلوم الظاہرہ صاحب الاحوال و المقامات بن المكاشفات و المشاہدات مرشداً ینشعب  
منہ کثیر من الاولیاء لہ فی الارشاد و ہدایۃ الناس من الکفر الی الایمان و من المعصیۃ  
الی الطاعۃ و من النفسانیۃ الی الروحانیۃ شان کبیر ’



خانقاہ مبارک کے قریب ہی ایک بڑی سرائے تھی جس میں مہمان آکر ٹھہرتے تھے۔ درویشوں کو الگ الگ حجرے دئے جاتے تھے۔ جہاں وہ مجاہدات اور ریاضتوں میں مصروف رہتے تھے۔ حضرت غوث العلمینؒ دوسرے تیسرے حجروں میں پہنچ کر انکی روحانی ترقی کا جائزہ لیتے اور تربیت فرماتے۔ کرامات کے اظہار کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی درویش اس امر کا مرتکب ہوتا تو اس کا سخت نوٹس لیتے تھے۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہان گشت بخاری فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ حضرت غوث العلمین استراحت فرما تھے۔ اور علی کھوکھری حضرت کو پنکھا کر رہا تھا۔ اسی اثنا میں اُسے خیال آیا کہ نقل ادا کروں اس نے پنکھے کی طرف اشارہ کیا وہ چلنے لگا۔ حضرت غوث العلمینؒ جس وقت بیدار ہوئے دیکھا کہ پنکھا چل رہا ہے اور علی درویش نماز میں مصروف ہے۔ حضرت کی زبان سے بے اختیار نکلا۔

یا غفور، یا غفور یا غفور!

انبیاء کو معجزات کا اظہار واجب ہے اور اولیاء کو کرامات چھپانا واجب ہے علی کھوکھری\*! تو نے واجب کا ترک کیا\*\* اب ہماری تمہاری دوستی نہیں نبھ سکتی!۔“

✓ غوث العلمینؒ کے فیوضات و برکات سے صرف عراقؒ حسینیؒ اور حسن افغانؒ جیسے سردان خدا ہی بہرہ مند نہیں ہوتے تھے بلکہ ہر شخص بقدر وسعت ظرف کے مستفیض ہوتا تھا۔ حضرت محبوب الہی نظام الدین اولیا دہلوی فرماتے ہیں۔ کہ میرے پاس ملتان سے ایک بزرگ آئے انہوں نے فرمایا۔ کہ حضرت بہاؤ الدین زکریا کی نو کرانیاں چکی پیسنے کے لئے بیٹھتی ہیں تو قرآن ختم کر کے ہی اٹھتی ہیں۔ آپ کا مؤذن بلال

\* بعض نسخوں میں علی کھیری لکھا ہے، ملتان کے مضافات میں کھیری اور کھوکھر دونو قومیں آباد ہیں خدا معلوم حضرت علی کھیری تھے یا کھوکھر  
\*\* ملفوظ المخدوم جلد اول صفحہ ۱۹۔



قام تھا۔ حضرت آسے بلال کہہ کر ہی پکارتے تھے۔ خدا کی شان کہ وہ بلال ثانی ہی بن کر رہا اس کا مزار ملتان شہر میں حسین آگاہی سے جنوب کی طرف محلہ بانگا بلیل\* میں واقع ہے۔ بانگا بلیل آپ کا ہی نام ہے ”بانگا“ خالص ملتانی لفظ ہے۔ جو فارسی کے لفظ ”بانگ“ سے مشتق ہے۔ بمعنی مؤذن بلیل دراصل ”بلال“ تھا۔ لوگوں نے بلیل بنا دیا۔ جس شیخ کے درویشوں اور آس کے گھر می نوکرانیوں کی یہ کیفیت ہو۔ اس کے فرزندوں کا کیا کہنا۔ حضرت صدرالدین عارف کے بعد غوث العلمین کی جو اولاد ہوئی۔ وہ ذیل کے نقشہ سے ظاہر ہے۔

حضرت غوث العلمین کے دو حرم تھے رشیدہ بانو اور بی بی شہربانو۔ رشیدہ بانو کے بطن عفت سے شیخ صدرالدین عارف شیخ علاؤالدین محمد۔ شیخ شہاب الدین انوری اور شیخ برہان الدین صاحب تولد ہوئے۔

اور بی بی شہربانو سے شیخ قدوة الدین محمد شیخ شمس الدین محمد محبوب خدا اور شیخ ضیاء الدین پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ حضرت کی دو صاحبزادیاں بھی تھیں۔ ایک نور بی بی اور دوسری سلطان بی بی (علیہما الرحمة والغفران) اور یہ دونوں رشیدہ بانو کے بطن سے تھیں۔ نور بی بی مولانا عراقی کے حوالہ نکاح میں آئی سید کبیر الدین عراقی اسی مخدومہ کے صاحبزادے تھے۔ بی بی فاطمہؒ سلطان التارکین حمید الدین حاکم سے بیاہی گئی تھیں۔ اس مخدومہ کے بطن سے خاندان جلیلہ کے مورث اعلیٰ شیخ نور الدین پیدا ہوئے مولانا جالیؒ لکھتے ہیں: —

کہ حضرت غوث العلمین نے صاحبزادوں کی تعلیم پر بڑے نامور اساتذہ مقرر کر رکھے تھے۔ اور انہیں انعام و اکرام سے نوازا کرتے تھے۔ اور جب حضرت گھر میں ہوتے ان بچوں کو خود بھی تعلیم دیتے تھے۔



صاحب انوارِ غوثیہ فرماتے ہیں کہ :-

”حضرت صدرالدين عارفؒ کی تعليم و تربيت اپنے قبلہ گاہ حضرت غوثالعلمينؒ کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ اور وہی آپ کے علوم ظاہری و باطنی کے استاد تھے۔ جب استاد سر بر آوردہ روزگار ہو اور شاگرد باکمال ہو تو پھر تعليم و تربيت کا کیا کہنا۔ چنانچہ تھوڑے سے عرصہ میں ہی شيخ صدرالدينؒ علم و فضل میں یگانہ روزگار ہو گئے قرآن مجید کے آپ حافظ تھے اور علوم دینیہ میں کوئی شخص آپ کا ہم پلہ نہ تھا۔ جب علوم ظاہری کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو آپ کے والد بزرگوار نے جو آپ کے پیر و مرشد بھی تھے۔ آپ کو علوم باطنی اور اسرار معرفت کی تعليم دینا شروع کی تھوڑے سے عرصہ میں والد بزرگوار کی نگاہ فیض سے وہ مقام حاصل کر لیا۔ جو دوسروں نے سالہا سال کے مجاہدات اور ریاضتوں کے بعد پایا تھا۔“

حضرت محبوب الہی دہلوی فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ حضرت

بے عمل مصنف کی کتاب کے مطالعہ سے اجتناب

صدرالدين عارفؒ کو استحکام نحو کی غرض سے مفصل کے مطالعہ کا خیال پیدا ہوا۔ اور ایک موقع پر پدر بزرگوار کی خدمت میں اس کے پڑھنے کی اجازت چاہی\*۔ حضرت غوثالعلمينؒ نے فرمایا کہ آج رات صبر کرو تاکہ اس کے مصنف کا حال معلوم ہو جائے چنانچہ جب رات

\* حضرت شيخ صدرالدين درمبداء حال بحضور پدر صاحب کمال خود عرض نمود کہ نسخہ مفصل تصنيف صاحب کشف برائے استحکام نحو مطالعہ نماید۔ حضرت شيخ بہاءالملئہ والدين فرمود کہ اسشب صبر نمائی کہ احوال مصنف او معلوم کنی ہماں شب در واقع دید زمخشری را کہ مصنف آن کتابست در سلاسل و اغلال کشیدہ بدوزخ سے برند از معائنہ ترک مفصل نمود۔

— ”فوائد القواد“



ہوئی تو حضرت صدرالدين نے دیکھا کہ ایک شخص کو زنجیروں میں جکڑے لئے جا رہے ہیں۔

پوچھا ”یہ کون ہے“؟

کہا یہ مفصل کا مصنف زنجیری ہے اسے دوزخ میں لئے جا رہے ہیں۔ صبح کو جب حضرت غوث العلمینؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا۔

”زنجیری کا حشر دیکھ لیا؟ جو کہتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا اسکی یہی سزا ہے“۔

سبحان اللہ! کیا مرتبہ تھا۔ کہ بے عمل مصنف کی کتاب کا مطالعہ بھی گوارا نہ ہوا۔

صاحب بزم صوفیہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت شیخ صدرالدين رحمۃ اللہ علیہ

شيخ صدر الدين کا مقام

حضرت شیخ بہاءالدين زکریاؒ نور اللہ مرقدہ کے فرزند ارجمند تھے والد بزرگوار کی صحبت میں ہی عقلی اور روحانی تعلیم پائی تھی۔ اسی تعلیم کی بدولت اپنے زمانہ میں سر حلقہ اولیاء سمجھے جاتے تھے ان کے والد بزرگوار کے ایک مرید امیر حسینیؒ نے آپ کے روحانی مرتبہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

آن بلند آوازہ عالم پناہ۔ سرور دین افتخار صدر گاہ  
صدر دین و دولت آن مقبول حق۔ نہ فلک ازخوان جودش یک طبق  
آب حیوان قطرہ بجر دلش۔ چون خضر علم لدنی حاصلش  
معتبر چون قول او افعال او۔ ہم بیان او گواہ حال او  
مقتدائے دین قبول خاص و عام۔ دولتش گفتہ توئی خیر الانام  
سلک معنی جملہ در فرمان او۔ ہم بہ کسب و ہم ہمیراث آن او\*



مولانا جالی آپ کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔

آن جامع آثار انوار جبروت - آن سامع اخبار اسرار لا هوت  
 آن شمسوار میدان فتوت - آن گنار بستان مروت  
 آن شافی شہود سیراللہ - آن نافی وجود ما سوی اللہ  
 آن مست میخانہ مراد - آن گنج ویرانہ ایجاد

وآن عالم علم اسرار معارف حضرت سلطان المشائخ شیخ صدرالدين عارف  
 قدس سرہ العزیز در مشائخ کبار مستثنا و ممتاز بود در خطائر انوار بوحدت  
 دمساز ذراصل و فرع معمور در زهد و ورع مشہور در سیر و وحدت صاحب  
 معراج و در علم فتوت دریائے موج - ۱۱۶۸

مولانا جالی نے حضرت کی شان میں چند قصائد بھی منظوم کئے  
 ہیں۔ ان میں سے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔



آن گوہر معدن حق الیقین  
 دادہ ز پاکی بملائک صلا  
 لجه موج دل پاک او  
 خاک درش ازره عزوجل  
 نور دلش سوئے یقین تافته  
 صدر نشین گشته بعرش بریں  
 تانہ رسالت کر مشن باع  
 غرقہ و وحدت بخلا  
 عقل و مائدہ درویش  
 سرمہ چشم اول کمال  
 قرب مع اللہ ز صفا یافتہ  
 گشتہ خطا بش ز خدا "صدر دین"

یافت جالی خوشی از یاد او

ذکر جمیلش شدہ اوراد او







و وقتے کہ بتلاوت مشغول بودے اورا فوج فوج معانی رو نمودے“\*

حضرت سلطان العارفين با یزید بسطامی فرماتے ہیں۔ کہ ”عارف باللہ“ وہ شخص ہے کہ کوئی اس کے مشرب کو نہ بگاڑ سکے۔ اور جو شخص گدلا پن لے کر اس کے پاس پہنچے وہ صاف کر دے۔“

نیز فرماتے ہیں۔ ”کہ عارف اور عاشق الہی کا دل اس چراغ کی مانند ہے جو صاف آئینہ کی قندیل میں رکھا ہے۔ اور اسکی روشنی عالم ملکوت کو روشن کرتی ہے۔“

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔ کہ حق سبحانہ و تعالیٰ جنکو دوست رکھتا ہے۔ انہیں تین خصلتیں عطا فرماتا ہے سخاوت دریا کی مانند، شفقت آفتاب کی طرح اور تواضع زمین کی مانند یہ تمام صفات حضرت صدرالدین عارف کی ذات میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ لاریب یہی وہ قدسی نفوس ہیں۔ جنکے قلوب کو حق سبحانہ و تعالیٰ کا مقام کہا گیا ہے اور جنکے بارہ میں حضرت رسالت مآب روحی فداہ نے فرمایا ہے کہ ان کی فراست سے ڈرو یہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتے ہیں“ اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت عارف باللہؒ اللہ تعالیٰ کے نور سے ہی دیکھتے تھے\*\*۔

✓ \* تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۴۰۸ اور ملفوظ المخدم کے صفحہ ۵۰۸ پر حضرت مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ شیخ عارف صدرالحق کو ہر بار کلام اللہ پڑھنے میں دوسرے معانی ظاہر ہوتے تھے۔ سوائے ان معانی کے جو اس سے پہلے ظاہر ہوئے تھے۔ ایک دن انہوں نے شیخ کبیر (حضرت غوث العالمین) سے عرض کی۔ کہ اگر اجازت ہو تو ان معانی کو حیظہ تحریر میں لے آؤں حضرت نے منع فرمایا۔ کہ لوگ سمجھ نہیں سکیں گے۔ اور چونکہ یہ معانی بجائے خود درست ہونگے اگر کسی نے انکار کر دیا تو گناہگار ہوگا۔

\*\* صبح و شام اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہنے کے سبب ان لوگوں کے قلوب آئینہ کی طرح صاف شفاف ہوتے ہیں۔ اور ان میں انوار الہی کا عکس پڑتا ہے۔ جنکی بدولت ان میں صفات الہیہ پیدا ہو جاتی ہیں۔ جس طرح آئینہ سورج کے عکس سے روشن ہو جاتا ہے اسی طرح قلب مؤمن بھی ان انوار سے جگمگا اٹھتا ہے۔

(مقدمہ شیر ربانی صفحہ ۹)



کتب دانی



✓ حضرت غوث العلمین قدس سرہ العزیز کے سات صاحبزادے تھے۔ سب متاہل اور کنبہ والے تھے لیکن حضرت صدر الدین عارفؒ کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی تھی۔ حضرت غوث العلمینؒ شفقت پدری اور محبت قلبی کے سبب فرماتے ”بابا صدرالدین! تمہیں نکاح کر لینا چاہئے مگر حضرت عارف مسکرا کر عرض کرتے۔ حضور شادی کے لئے کافی وقت پڑا ہے۔ ابھی کچھ عرصہ اور بے فکری سے عبادت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت غوث زماں دیکھ رہے تھے کہ عارف باللہ کی جبین اقدس سے رہ رہ کر نور قطبیت منعکس ہوتا ہے وہ آفتاب قطبیت کے طلوع ہونے کے منتظر تھے۔ ادھر عارف دوران تھے۔ کہ طبیعت شادی کی طرف مائل ہی نہ ہوتی اگرچہ قبلہ گاہ کے ادب و احترام کی وجہ سے علانیہ انکار نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن یہ جواب انکی دلی ناپسندی کا روشن عکس تھا۔ حضرت عارف باللہ اس وقت ستائیس برس کے نوجوان تھے۔ غوث العلمین کی آنکھوں کے نور اور انتہائی حسین و جمیل۔ ملتان شہر کے ہزاروں گھر انہیں دامادی میں لینے کے لئے بیقرار تھے۔ لیکن عارف باللہ تھے۔ کہ شادی کے نام سے ہی کوسوں دور بھاگتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ آپ مقام ناسوت طے کرنے کے بعد ”ملکوت“ اور ”جبروت“ کے مقامات تک پہنچ چکے تھے۔ روحانی و ملکی صفات کے مالک تھے۔ اور پانچوں نمازیں خانہ کعبہ میں ادا کرتے تھے۔

صاحب مرآت المناقب لکھتے ہیں۔ کہ جب سالک صدق دل

مقام ملکوت کی تعریف

سے شیخ کی راہنمائی میں کثرت مجاہدہ اور ریاضت سے مقام ناسوت طے کر لیتا ہے۔ اور مقام ملکوت میں داخل ہوتا ہے۔ تو اس سے بشری صفات دور ہو جاتی ہیں اور ملکوتی صفات ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ اس مقام پر اسے ایک عجیب سیر حاصل ہوتی ہے جسے سلوک کے لفظ



سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسكى دو اقسام ہیں ایک سیرالى اللہ:۔ یہ مقام ناسوت كى ذیل میں ہے۔ اسكى حدود مقرر اور منضبط ہیں۔ اس میں سالک اس امر كى كوشش كرتا ہے کہ خدا تعالیٰ كو پہچانے۔ اور اس ذات پاک كا پہچاننا یہ ہے کہ یقین جانے کہ خدا ایک ہے اور ابتداء و انتہا سے پاک ہے وہ صفتوں كا منتہا ہے۔ بلکہ اس كا درجہ خارج از صفات ممكن البیان ہے۔ جب ان سب باتوں كو یقین كے ساتھ جان لیتا ہے۔ تو اسے سیرالى اللہ\* كا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔

دوسرا مقام سیر فى اللہ ہے۔ اسكى حدود مقرر نہیں ہیں۔ اور یہ مقام ملكوت سے متعلق ہے۔ جب سالک سیرالى اللہ كے مدارج طے كر كے حق كو پہچان لے۔ اور پھر اس قدر ترقی كرے کہ ذات و صفات اور افعال حق كا مشاہدہ كرے علم و حكمت حاصل كر لے اور کیا ملكوت كیا جبروت كوئی چیز اس پر پوشیدہ نہ رہے۔ اس كا نام سیر فى اللہ ہے۔

صاحب رموزالواصلين لكهتے ہیں۔

### رموزالواصلين كى تصريحات

کہ جب سالک مقام ملكوت پر

پہنچتا ہے۔ تو اس میں یہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ وہ ایک آن واحد میں بلا كسى تكلیف ہزاروں میل كا فاصلہ طے كر لیتا ہے۔ گویا زمین اسكى محكوم بن جاتی ہے۔ جب وہ كسى مقام پر جانا چاہتا ہے۔ زمین كى طنابیں

\* چون سالک صادق و طالبِ واثق بكثرت رياضت و مجاہدہ و عون شیخ كامل اكمل از مقام ناسوت عبور نموده بمقام ملكوت رسد، صفات بشرى ازو زائل شود و بصفات ملكى ممتاز گردد پس اورا درون مقام سیر حاصل مے شود کہ سلوك عبارت از واست و آن برد و نوع است اول سیرالى اللہ:۔ وآن تابع مقام ناسوت است۔ اورا نہایت (انجام وحدود) باشد یعنی سالک جہد كند تا خدائے تعالیٰ رابشناسد و شناختن حق آنست کہ یقین داند خدائے تعالیٰ يکيست بدایت و نہایت ندارد بصفات موصوف است چون این یقین دانست سیرالى اللہ حاصل شد۔

دوم سیر فى اللہ:۔ کہ نہایت ندارد و این متعلق بمقام ملكوت است یعنی سالک بعد از شناخت حق چنداں سیر كند کہ ذات صفات و افعال حق رابشناسد و علم و حكمت دریابد چنانچہ از ملكوت و جبروت بروے هیچ پوشیدہ نماند۔ (مرآت المناقب)



کھچ جاتی ہیں۔ اور وہ طرفۃ العین میں اس مقام سے ہو آتا ہے رموز کے اصل الفاظ یہ ہیں:-

”چوں سالک بمقام ملکوت سے رسد میتواند کہ  
بمشی اقدام ظاہر یعنی برقتن قدمہائے ظاہری در  
زمان واحد ز اقلیمے باقلیمے رود و باز آید و این  
از کراست بود کہ رگہائے زمین در کشد بر  
آن مقام. کہ خواهد برسد و باز آید،“۔

صاحب رموز نے مزید وضاحت کے لئے چند تمثیلات درج کی ہیں۔  
لکھتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ کسی درویش مسافر نے حضرت شیخ  
فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی خدمت میں بیان کیا۔ کہ میں نے فلاں  
مقام پر ایک درویش بڑا صاحب کمال دیکھا ہے۔ حضرت گنج شکرؒ نے  
فرمایا ذرا بیٹھئے، یہ کہ کر اٹھے جوتا پہنا اور باہر نکل گئے۔ تھوڑی  
دیر بعد واپس تشریف لائے کفش مبارک گرد آلود ہو رہا تھا۔ فرمایا۔  
میں نے اس درویش کو دیکھا ہے۔ نیک آدمی ہے۔ مگر ایسا نہیں  
جیسا کہ آپ بیان کرتے ہیں\*۔

سیر عارف ہر زمان تا تحت شاہ۔ سیر زاہد بعد ماہ یک روزہ راہ

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔  
کہ صغر سنی کی حالت میں مجھے اپنی دادی کی ہمیشہ کے گھر جانے کا  
اتفاق ہوا۔ اس کے سیاں حضرت عبدالرحمان ”عالم ملکوت“ رکھتے تھے۔  
نیز فرمایا۔ کہ عالم ملکوت ”عالم ساوی“ کو کہتے ہیں۔ کہ اس مقام  
کے سالکین آسمان پر جا سکتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ میرے سامنے سے

\* وقتے مسافرے بخدمت شیخ الاسلام فریدالدین گنج شکر آمد و صفت درویشے  
بسیار سے کرد کہ در فلاں اقلیمے این چنین مردے را دیدہ ام۔ شیخ الاسلام فرمود  
بارے بنشین کفش در پائے مبارک کرد و بروں رفت ہاں زمان کفش گرد آلودہ  
در آمد و فرمود آن مرد را دیدہ ام مردے صالح و مشغول است فاما آنچنان کہ تو  
سے گوئی نیست۔  
(رموزالواصلین)



گذرے اور غائب ہو گئے۔ کچھ دیر بعد دفعۃً آگئے۔ میں نے معلوم کر لیا کہ عالم ملکوت رکھتے ہیں۔

انکی بی بی نے کہا۔ ”دروازہ مکان کا بند ہے۔ لیکن آپ تھوڑی دیر پہلے یہاں موجود نہیں تھے سچ بتائیے کہ آپ کہاں چلے گئے تھے؟“

حضرت نے فرمایا۔ ”مجھے آسمان میں لے گئے تھے۔ پھر میں بہشت میں گیا۔ اپنے محل میں تخت پر بیٹھا مجھے وہیں یہ خوشخبری دی گئی۔ کہ تو مع اپنی بی بی کے اس محل میں رہے گا۔“

مخدوم جہانیاں فرماتے ہیں۔ کہ یہ تقریر دعا گو کے روبرو ہوئی کیونکہ میں بچہ تھا۔ اس لئے مجھ سے نہ چھپایا\* اس کے بعد فرمایا کہ ”ملک“ روئے زمین کے تصرف کو کہتے ہیں۔ اور ”ملکوت“ تصرف آسمانی ہے۔

اسی کتاب کے ایک اور مقام پر شیخ جمال الدین خنداں روؒ کا اسی قسم کا تذکرہ ملتا ہے۔ مخدوم جہانیاںؒ نے فرمایا۔ کہ شیخ جمالؒ ہر وقت با وضو رہتے تھے۔ ایک دن گھر میں پانی نہ تھا۔ شیخ نیند سے بیدار ہوئے تو نماز میں مصروف ہو گئے۔ ایک مرید نے عرض کی۔ ”حضور نے وضو تو نہیں کیا!“

نزدیک بلا کر فرمایا۔ ”گھر میں پانی نہیں تھا۔ میں دریا سے وضو کر آیا ہوں۔“

مخدوم جہانیاںؒ فرماتے ہیں۔ اس وقت دریا دور تھا۔ اب نزدیک بہتا ہے ایک عقیدتمند نے عرض کی کہ ”حضور! جو اہل اللہ عالم ملکوت میں ہونے کے باعث کسی دوسرے مقام کی طرف چلے جاتے ہیں انکی جگہ تو خالی رہتی ہوگی!“

فرمایا۔ ”اللہ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اسکی جگہ موجود رہتا ہے اگر کوئی بولے تو وہ اس کی زبان سے جواب دیتا ہے“\*\*۔

\* ملفوظالمخدوم صفحہ ۶۱۸

\*\* ملفوظالمخدوم صفحہ ۶۰۹



الغرض حضرت صدرالدين عارف کو یہ مقام حاصل تھا۔ اور وہ

عالم ملکوت کی دو سعید روحیں

بالالتزام خانہ کعبہ میں حاضر ہو کر طواف کرتے اور جماعت کے ساتھ نمازیں ادا کرتے تھے۔ ان دنوں فرغانہ کی ایک شہزادی بی بی راستی بھی مقام ناسوت طے کر کے عالم ملکوت میں داخل ہو چکی تھی۔ اور وہ بھی ہر روز خانہ کعبہ میں حاضر ہو کر نماز ادا کرتی اور باقی وقت طواف میں مصروف رہتی تھی۔ شہزادی کے والد سلطان جمال الدين خود ایک صاحب کمال عالم تھے انہوں نے شہزادی کا نکاح کرنا چاہا تھا۔ مگر معصومہ نے یہ کہہ کر ٹال دیا۔ کہ یہ کام آپ تقدیر الہی پر چھوڑ دیں۔ اتفاق سے ایک مرتبہ طواف کی حالت میں شہزادی نے ایک جوان کو دیکھا کہ اسکی پشت سے رہ رہ کر نور کی شعاع منعکس ہوتی تھی۔ شہزادی نے خدا داد فراست سے معلوم کر لیا۔ کہ یہ ”شعاع نور“ کسی قطب وقت کی علامت ہے جو اس با کمال انسان کی صلب میں جلوہ افروز ہے چنانچہ جب حضرت صدرالدين طواف سے فارغ ہوئے تو شہزادی صاحبہ نے نقاب عصمت الہی اور حجاب عفت نامتناہی میں آپ سے پوچھا۔

کہ آپ کون ہیں۔ اور آپ کا وطن شریف کہاں ہے؟

حضرت نے فرمایا۔ یہ فقیر اسدی القریشی ہے اور وطن دارالامان ملتان ہے۔

شہزادی نے عرض کی۔ وہی ملتان! جہاں زبدة الکاملین، قدوة الواصلین شیخ بہاء الدین زکریا سکونت رکھتے ہیں؟

آپ نے فرمایا۔ جی ہاں! یہ نیاز مند حضرت شیخ الاسلام کا ہی فرزند ہے۔“

پوچھا۔ آپ کا اسم شریف؟

فرمایا۔ صدرالدين محمد!



شہزادی نے کچھ دیر سکوت کے بعد پھر عرض کی۔ کہ کیا آپ کی شادی ہو چکی ہے؟  
فرمایا۔ نہیں۔!  
عرض کی

النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ عَنِ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي

حدیث پاک ہے اس کے مطابق ”اگر آپ شادی کرنا چاہیں تو ایک موزوں رشتہ آپ کو مل سکتا ہے۔“

حضرت عارف با اللہ بخوبی سمجھ رہے تھے کہ ”موزوں رشتہ“ سے شہزادی کا مطلب کیا ہے۔ انہوں نے مسکرا کر فرمایا کہ ”یہ معاملہ حضرت مخدوم العالم سے متعلق ہے۔ وہ جب فرمائینگے اور جس کے لئے فرمائینگے میں بلا تامل قبول کر لوں گا۔“ شہزادی جب زیارت و طواف سے فارغ ہو کر فرغانہ واپس پہنچی تو اس نے یہ تمام کیفیت اپنے والد ماجد سے بیان کر دی وہ اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور ایک دن ریاست کا انتظام وزیروں امیرون کے سپرد کر کے ملتان کو چل دیئے۔

فرغانہ کا شاہی خاندان ملتان میں | صاحب مرآت المناقب کا بیان ہے کہ ہر منزل پر جہاں نزول اجلال

ہوتا۔ کنواں احداث کر کے خدا کی راہ میں وقف کر دیا جاتا \*۔ اسی طرح منزل بمنزل کوچ کرتا جب یہ شاہی قافلہ ملتان کے قریب پہنچا۔ تو حضرت غوث العلمین مع صاحبزادگان و اکابر خلفا استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلے۔ جہاں اس وقت ام المریدین بی بی پاک دامنؒ کا سزار ہے۔ ان دنوں اس جگہ عالیشان محل اور خوشنما باغ تھا۔ یہاں حضرت غوث کی طرف سے سلطان کی رہائش کا انتظام کیا گیا۔

\* در ہر منزل و مقام کہ در راہ وارد می شد چاہ نو احداث نمودہ وقف می (مرآت المناقب)

فرمودند۔



کچھ عرصہ بعد سلطان نے اس کی ملحقہ اراضی کو خرید کر چاہ احدان\* کرایا۔ اور رہائش کے لئے مکانات تعمیر کرائے حضرت غوث العلمین کے امیری نما فقر کی شہرت اگرچہ وہ فرغانہ سے سن کر آئے تھے۔ پھر بھی کسی خیال کے پیش نظر ایک تھال زر و جواہر سے بھروا کر ہمراہ لے گئے۔ اس وقت حضرت غوث العلمین حجرہ شریف میں مصروف عبادت تھے۔ جب خدام نے یہ خزانہ نظر اشرف سے گذارا۔ تو حضور نے مطلقاً التفات نہ فرمائی۔ اپنے مصلیٰ کا کنارہ اٹھا کر سلطان سے کہا۔ ذرا ادھر توجہ کیجئے۔ فرغانہ کے تاجدار نے نظر اٹھائی تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کہ مصلیٰ کے نیچے جواہرت کا ایک بحر عمیق موجیں لے رہا ہے۔ سلطان بے حد نادم ہوا اور ملازمین سے اشارہ کیا۔ کہ تھال واپس لے جاؤ\*\* دوسرے دن پھر ملاقات ہوئی۔ اور گفتگو کے دوران میں اس قدر اسرار و معارف بیان ہوئے۔ کہ سلطان حضرت کا عاشق زار ہو گیا۔ عشاء کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ حضرت غوث العلیٰ بالائخا نے سے اتر کر مسجد میں تشریف لائے اور نماز کی امامت فرمائی۔ اور اذکار کے بعد حسب معمول تخلیہ\*\*\* ہوا۔ اور حضرت کے اکابر خلفاء اور تمام فرزند حلقہ بنا کر دوزانو ہو بیٹھے۔ سلطان نے عرض کی۔ کہ حضور

\* آج تک یہ معمول چلا آتا ہے کہ جو مرید کالے کوسوں کا سفر طے کر کے زیارت کو حاضر ہوتے ہیں پہلے اس کنوئیں سے غسل کرتے ہیں۔ پھر ام المریدین کے روضہ مبارک پر حاضری دیتے ہیں۔ بی بی صاحبہ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی اس کنوئیں سے غسل کرتا ہے۔ اور اپنے کپڑے دھوتا ہے۔ اسکے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور دل صاف اور منور ہو کر خناس کے وسوسہ سے پاک ہو جاتا ہے۔

(مرآت المناقب)

\*\* طبقے پراز زر و جواہر و یاقوت و زمرد غیر آن آورد و بخدمت شیخ الاسلام گذرائید۔ شیخ ہیچ التفات نہ کرد گوشہ مصلیٰ کہ بز آن نشستہ بودند برداشتند و فرمودند کہ سلطان جمال الدین نظر کن۔ چون سلطان فرود مصلیٰ نظر کرد دید کہ بحریست عمیق و عظیم پراز مروارید مکنون و لعل و جواہر و یاقوت و زر سرخ آمیختہ جاریست، سلطان از مشاہدہ این حال در حیرت شد، شرمسار گردید و آن طبق را باز حوالہ خازنان خود نمود۔

(مرآت المناقب)

\*\*\* بعد از فراغ نماز و سراقبہ و اوراد معمولہ صحبت شد جملہ فرزندان و خلفائے نامدار حاضر بزانونے ادب نشستہ الخ۔

(مرآت المناقب)



اس خادم کی ایک عاجزہ ہے۔ اپنی اولاد میں سے کوئی مخدوم زادہ مرحمت فرمائیں۔ تاکہ اسکی غلامی میں دے ڈالوں۔

حضرت نے فرمایا۔ میرے تمام لڑکے اس وقت حاضر ہیں جسکو اپنی فرزندگی میں لینا چاہیں آپ مختار ہیں۔ سلطان نے حضرت صدرالدين عارف کی طرف اشارہ کیا۔ غوث العلمین تو نور باطن سے سب کچھ معلوم کر ہی چکے تھے۔ مسکرا کر عارف باللہ کی طرف توجہ فرمائی۔

گویا معلوم کرنا چاہتے تھے۔ کہ کیا یہ رشتہ تجھے منظور ہے؟

### عقد نکاح

شرم و حیا نے اس عمر میں بھی زبان پر قفل لگا رکھا تھا۔ جواب میں ادب و احترام سے اٹھ کر پدر بزرگوار کے قدم شریف پر بوسہ دے دیا\*۔ دونوں طرف مسرت و انبساط کی ایک لہر دوڑ گئی حضرت نے سلطان کی طرف متبسم ہو کر دیکھا اور فرمایا مبارک! ساتھ ہی خدام کو اشارہ کیا کہ مٹھائی اور تل لے آئیں۔ اسی مجلس میں ایجاب و قبول کی رسم ادا ہوئی اور حضرت نے اپنی زبان مبارک سے نور العین صدرالدين عارف کا سلطان کی صاحبزادی بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا سے نکاح پڑھا۔ اور مسنون خطبہ تلاوت فرمایا۔ اسی وقت ظاہر اور باطن کی دنیا سے تہنیت اور مبارک باد کی صدا بلند ہوئی\*\*۔ اس کے بعد سلطان جمال الدین نے شہزادی کا ہاتھ حضرت شیخ الاسلام کے دست مبارک میں دے کر فرمایا ”من این عاجزہ را مسلمان زفاف نمودم روز قیامت مسلمان ہے خواہم“

\* پس آنگاہ نظر مبارک بجانب شیخ صدرالدين نمود شیخ صدرالدين (رح) برخاست و تسلیات بتقدیم رسانید و قدم مبارک بوسید۔  
\*\* شیخ الاسلام بخدام اشارہ فرمود تا قند و شیرینی و کنجد رسمیات شرعیہ عقد حاضر آورند۔ ہمدراں مجلس شیخ الاسلام بزبان مبارک عقد نکاح شیخ صدرالدين محمد و سلطانتہ المشائخ حضرت بی بی راستی پاک دامن بنت سلطان جمال الدین بستند و خطبہ مسنون بخواندند۔ ہمیں وقت از عالم ظاہر و باطن آوازہ تہنیت و مبارک باد برآمد۔  
(مرآت المناقب)



حضرت غوث العلمین نے بی بی صاحبہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔  
 ”ایں فرزند من است، انشاء اللہ مسلمان خواہد بود“ اس کے بعد سلطان نے  
 اجازت چاہی اور اپنے وطن کو روانہ ہو گئے۔

شہزادی کا ذکر تصوف اور سیرت کی کتابوں میں بار بار آتا ہے  
 مولانا جمالی لکھتے ہیں۔

”والدہ مبارک او (قطب الاقطاب رکن الدین قدس سرہ)

بی بی راستی نام داشت، او نیز در راستی و درستی دین  
 رابعہ عصر بودہ و حفظ قران بتمام و کمال داشت  
 و ہر روز یک ختم کلام اللہ و وظیفہ داشت و ارادت بخسرو  
 خود شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ سے۔ داشت،\* ✓

المختصر جو خاتون عالم سلکوت طے کر چکی ہو۔ اس کے روحانی  
 مراتب کا کیا کہنا۔ لیکن بایں ہمہ اسکی خانگی مصروفیات پر بھی ایک  
 نظر ڈال لیجئے۔

مجلسرائے غوثیہ میں یتیم بچیوں، بیوہ اور بے کس عورتوں کے علاوہ  
 بڑے بڑے امراء کی بہو بیٹیاں بھی دینی مسائل سمجھنے کے لئے آمد و شد  
 رکھتی تھیں۔ ان سب کے قیام و طعام کا انتظام شہزادی کے سپرد تھا۔  
 محل میں جس قدر لونڈیاں اور خادمائیں تھیں ان میں اکثر عارفہ روزگار  
 تھیں صبح کو جب چکی پیسنے بیٹھتیں تو قرآن ختم کر کے اٹھتی تھیں۔ ان  
 سب پر بی بی کی کڑی نظر رہتی تھی۔ ان مصروفیات کے باوجود اپنے  
 با کمال خسر اور ناسور شوہر کے لئے کھانا خود تیار کرتیں۔ میاں  
 نوافل و اوراد سے فارغ ہو کر محل میں تشریف لاتے تو انہیں مٹھیاں  
 بھرتیں۔ اور اگر سردی کا موسم ہوتا تو تہجد کے لئے وضو کا پانی بھی خود  
 گرم کرتی تھیں۔



## قطب الاقطاب کی ولادت

حضرت غوث العلمین کے گھرانے میں  
یہ رسم چلی آتی تھی کہ ہر قمری

سہینے کی پہلی رات کو حرم غوثیہ کی تمام محدثات عصمت حضرت کی  
زیارت کو حاضر ہوا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ جب تمام بہو بیٹیاں حاضر  
ہوئیں۔ تو حضرت معمول کے مطابق بیٹھے رہے۔ لیکن جب بی بی راستی  
شرف پابوسی حاصل کرنے کی غرض سے آگے بڑھیں۔ تو حضرت سروقد  
کھڑے ہو گئے۔ بی بی صاحبہ کو تعجب ہوا کہ حضرت نے خلاف  
معمول یہ تکلف کیوں فرمایا۔ غوث العلمینؒ نے کشف کے ذریعے  
شہزادی کے اس دغدغہ کو محسوس کر لیا ارشاد ہوا:۔

”بیٹی! یہ تعظیم اس شخص کے لئے ہے جو اس وقت

تیرے۔ بطنِ عفت میں مستور ہے۔ وہ جہان کا

قطب الاقطاب اور ہمارے خاندان کا چشم و چراغ ہوگا“

شہزادی نے جب یہ سزۂ حیات بخش سنا تو اس نے خوشی میں  
گھر کا سارا اثاثہ خیرات کر دیا۔ ۹ رمضان المبارک ۵۶۳۹  
بروز جمعہ شیخ العارف کے مشکوٰۃ معلیٰ میں وہ آفتاب ولایت  
طلوع ہوا جس کی خاطر بی بی راستیؒ نے اپنا وطن عزیز اور خویش  
واقارب چھوڑ کر ملتان کا سفر اختیار کیا تھا۔ ہر طرف سے  
مبارک سلامت کی صدا بلند ہوئی اور خادمائیں مولود مسعود کو  
نہلا دھلا کر حضرت غوث العلمینؒ کی خدمت میں لے آئیں۔ آپ نے  
اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہی اور  
رکن الدین نام رکھا۔ صاحب مرآت المناقب لکھتے ہیں۔ کہ قطب  
الاقطاب رکن الدینؒ قدس سرہ العزیز کو بی بی راستی جب



دودھ پلانا چاہتیں۔ تو وضو کر کے قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دیتیں قطب الاقطاب کلام ربّانی سن کر بے حد مسرور ہوتے نیز اگر مؤذن کی آواز کانوں میں پڑ جاتی تو دودھ پینا چھوڑ دیتے اور نہایت توجہ سے پوری اذان سماعت فرماتے۔ آپ نے بولنا سیکھا تو سب سے پہلے لفظ ”اللہ“ زبان مبارک سے ادا ہوا۔ جب عمر شریف چار سال چار ماہ اور چار دن کی ہوئی۔ تو شیخ صدرالدين عارف باللہ نے اپنے جگر گوشہ کو قرآن مجید حفظ کرانا شروع کیا۔ چنانچہ بارہ سال کی عمر میں آپ نے اس صحیفہ ربّانی کو تجوید، ترتیل اور علم قرآت کے جملہ قواعد و ضوابط کے ساتھ حفظ فرمایا۔ اور مجاہدہ و مراقبہ میں اس قدر جوش اور جفاکشی آپ سے ظہور میں آئی۔ کہ کشف قلوب، کشف قبوز، طے لسان، طے ارض کے رموز و نکات آپ پر منکشف ہو گئے۔ صاحب بزم صوفیہ بحوالہ مراۃ الاسرار لکھتے ہیں۔ کہ حضرت قطب الاقطاب حضرت غوث العلمینؒ اور شیخ العارفؒ کا اس قدر ادب کرتے تھے۔ کہ شرم و حیا سے نہ سر اونچا کرتے اور نہ آنکھیں چار ہوتیں۔ اور نہ ہی ان کے سامنے بلند آواز سے کلام کرتے۔ ہر وقت دو زانو رہتے۔ چنانچہ خواجہ شمس الدین سبزواری نے اسی ادب سے اثر اندوز ہو کر آپ کو رکن الدین عالم کا لقب عطا فرمایا تھا۔ جو مختصر ہو کر رکن عالمؒ رہ گیا۔ \*

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ :-

”انہی دونو بزرگوں (حضرت غوث العلمینؒ اور شیخ صدرالدين عارفؒ) کے فیض صحبت سے انہوں نے صوری اور معنوی کمالات حاصل کر لئے تھے۔ حلم، تواضع، شفقت، علم، موافقت۔



بشاشت، مروّت، عفو، حیا، وقار، حسن ظن اور تصغیر نفس جملہ صفات ان میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ اور انہوں نے مکشفہ و محاسبہ سے اتنے مدارج طے کر لئے تھے۔ کہ ان کو مخزن مشہودِ الہی منبعِ جودِ لامتناہی۔ ادریسِ خلوتِ وحدت، برجیسِ برجِ معرفت، گوہرِ معدنِ صفاتِ لا ریب، لؤلؤئے سبحۃ دریائے غیب، زبدۃ المشائخ، مفتاحِ قفلِ حقّ الیقین کے القاب سے یاد کیا جانے لگا\*۔

✓ حضرت محبوب الہی نظام الدین اولیا قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔ کہ برادرِ شیخ الاسلام شیخ رکن الدین ابوالفتح فیض اللہ تمام نعمت و کمالیت میں مردِ کامل اور جہادِ مراتب و مقامات میں حق کو پہنچے ہوئے تھے۔ اور یہ تمام برکت آن کے جدِ امجد شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا کبیرؒ کی توجہ اور فیضِ صحبت کا نتیجہ تھی۔ اور خداوند تبارک و تعالیٰ نے انہیں غوثیت اور قطبیت کے مراتبِ بطنِ مادر میں ہی عطا کر دیئے تھے۔\*\*

بی بی راستیؒ کا حیرت انگیز ایثار | حضرت قطب الاقطاب جب چار سال کے ہوئے۔ تو ایک دن

شیخ العارفؒ نے بی بی راستیؒ سے فرمایا کہ ”اے نیک بخت!

\* بزمِ صوفیہ بحوالہ سیر العارفين۔

\*\* شیخ نظام الدین فرمود کہ برادرِ شیخ الاسلام رکن الدین در تمام نعمت و کمالیت مردِ کامل و در جہادِ مراتب و مقامات بحق رسیدہ و آن جملہ از نظر کیمیائے اثرِ جدّ خود شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا کبیر حاصل کردہ و خداوند تبارک و تعالیٰ اور ا مراتبِ غوثیت و قطبیت ہم در بطنِ مادرِ محترمہ عطا فرمودہ بودند۔ (فوائد الفواد)



ابھی فیاضِ ازل نے مجھے اور اولاد عنایت کرنا ہے۔ مگر وہ تیرے شکم سے پیدا نہیں ہوگی،“ اس سے بی بی کو فکر لاحق ہوا۔ اور اس نے فیصلہ کر لیا۔ کہ میں اپنے میاں کی دوسری شادی کر دوں!“

اس زمانے میں شہر کے قاضی القضاة کا گھرانہ زہد و ورع میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ اسکی ایک لڑکی تھی۔ جو شکل و صورت اور علم و فضل میں یگانہ روزگار تھی۔ بی بی راستیؒ نے قاضی صاحب کے گھر میں پیغام بھیجا کہ ”یہ بچی آپ میری تولیت میں دے دیں۔ تا کہ میں اسے تربیت کروں اور علم و دانش سکھاؤں“ قاضی صاحب بڑے خوش ہوئے۔ اور سرِ شام بچی کو پالکی میں ڈال مخدومہ مومنات کی خدمت میں لے آئے۔ اور عرض کی کہ ”یہ آپ کی خادمہ ہے۔ اسے علم پڑھائیے۔ اور جہاں جی چاہے شادی کر دیجئے۔ لیکن زندگی بھر اپنے قدموں سے دور نہ فرمائیے۔ اور جو مناسب نظر آئے کیجئے میں راضی خدا راضی!“۔ چنانچہ بی بی نے اس مستورہ کو اپنی آغوشِ شفقت میں لے کر ایسی تربیت کی کہ اسے راستیؒ ثانی بنا دیا۔ جب اس سریم صفات بی بی کی تعلیم و تربیت سے کامل طور پر اطمینان ہو گیا۔ تو ایک دن جب شیخ العارف آرام فرمانے کے لئے خلوت خانے میں تشریف لائے۔ بی بی نے یہ تمام معاملہ ان کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت عارف باللہؒ بی بی پاکدامنہ کے اس ایثار پر حیران رہ گئے۔ اور ان کے اس اقدام پر بڑی تحسین و آفرین کی۔ بچی قاضی صاحب کے



گھر پہنچا دی گئی۔ اور پھر حضرت عارف باللهؒ نکاح پڑھوا کر اپنی مجلسرا میں لے آئے۔ اس خاتون سے حضرت شیخ العارفؒ کے دوسرے صاحبزادے شیخ عماد الدین اسمعیلؒ پیدا ہوئے\*۔ جن سے حضرت کی اولاد کا سلسلہ اکنافِ عالم میں پھیلا۔ ان کے بعد ایک اور صاحبزادے شہاب الدین تولد ہوئے۔ مگر وہ عالمِ طفلی میں ہی فوت ہو گئے۔ شیخ عماد الدین اسمعیلؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ جب شیخ العارف کا وصال ہو گیا تو قطب الاقطاب نے انہیں اعلیٰ تعلیم دلانے کے لئے تبریز کی طرف بھجوا دیا۔ دنیائے اسلام کا مشہور سیاح ابن بطوطہ جب ملک ملک کا دورہ کرتا خلیج فارس کے کنارے دارہرمز میں پہنچا۔ تو یہاں قاضی حسام الدین کے دولتکدہ پر اسکی ملاقات شیخ اسمعیل سے ہوئی۔ وہ آپ کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے :

”قاضی حسام الدین کے ہاں مجھے ایک ہندی الاصل بزرگ سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان کا نام اسمعیل ہے۔ اور حضرت زکریاؑ ملتانی کی اولاد سے ہیں۔ مشائخ تبریز وغیرہ سے پڑھ کر آئے ہیں اور بلاشبہ اہل العلم والدین والورع میں سے ہیں“\*\*



\* ان کا مفصل تذکرہ قطب الاقطاب کے حالات میں چھپ رہا ہے۔

\*\* نَزْهَةُ الْخَوَاطِرِ ۲ : ۱۳ و اذکارِ ابرار - ص ۶۱



## دو لا جواب تاریخی شاہکار

منظور شدہ سررشتہ تعلیمات پنجاب بموجب سرکار نمبر  
۱۶۸۷۳ جی/۵۲-۶-۴ و ۲۰۸۹۹ جی/۵۳-۷-۱۳

## اسلامی افسانے

پاکستان کے نامور مؤرخ مولانا فریدی کے قلم سے  
جلد اول ضخامت ۲۴۴ صفحات قیمت دو روپے (اعلیٰ ایڈیشن)  
جلد دوم ضخامت ۴۸۸ صفحات قیمت چار روپے ( )  
ملنے کا پتہ - مینیجر قصر الادب جگو والہ براہ لوڈھراں ضلع ملتان  
مولانا عبدالماجد دریا بادی کی رائے :- مولانا نور احمد خان فریدی نے

بجائے ناول کے مختصر افسانوں کے ذریعے تاریخ اسلام پر قلم اٹھایا ہے جو  
خاصہ مقبول ہو چکا ہے۔ ہر افسانے کے شروع میں اس کا تاریخی ماخذ  
درج ہے۔ اور عبارت سلیس ہونے کے ساتھ ساتھ مؤثر بھی ہے۔ اس وقت  
جبکہ ”ترقی پسند ادب“ پاکستان کے نوجوانوں کو ادب و تہذیب اور  
اخلاق و مذہب سے بیگانہ بنانے میں سرگرم نظر آ رہا ہے۔ اس قسم کے  
اصلاحی اور ایک حد تک تبلیغی افسانے خاص قدر و قیمت رکھتے ہیں۔  
(صدق جدید ۲۷ اگست ۱۹۵۴ء)

اسلامی افسانے شبلی بی کام کی نظروں میں : مولانا فریدی نے اپنی قوت  
بیان اور شگفتگی زبان سے ان افسانوں میں ایسا اثر پیدا کیا ہے۔ کہ بار  
بار پڑھنے کے باوجود طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ مغل شہنشاہوں کے عدل  
و انصاف، افغان نوجوانوں کی سخاوت و عروت، دکنی و بہمنی سپہ سالاروں کے  
عزم و استقلال کی داستانیں نہایت سادہ و پرکار زبان میں ادا کی گئی ہیں۔  
اور لطف یہ ہے کہ ان میں حقیقت کی چاشنی اپنا اثر چھوڑتی جاتی ہے۔  
بھارت کے ادیب شہیر سید حشمت علی کاظمی کی رائے : ان افسانوں میں

شاعرانہ اسلام کے عادات و اخلاق، عدل و انصاف، حلم و عفو، صداقت  
و جرأت، حریت و مساوات اور محبت و شجاعت کے بصیرت افروز کارناموں  
کو نہایت مؤثر اور دلکش انداز میں اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ بھولے ہوئے  
افسانے مایوس اور مردہ دلوں کے لئے پیغام حیات ہیں۔

مولانا حامد حسن صاحب قادری (آگرہ) کا پیغام۔

رہے تاریخ کے میدان میں گردش سمند کلک کو ہر گز نہ ٹھیرا  
مٹے اسلام کے سب جام و خم ہیں تری ایک ایک سطر ایک ایک پیرا  
بیا اے ساقی تاریخ اسلام بگردش آ رہا میں مینا و مے را

حماک الله عن شر النوائب  
جزاک الله فی الدارین خیرا



شیخ العارف مستجابی پر



حضرت غوث العلمينؒ کا سفرِ آخرت

حضرت غوث العلمينؒ قدس سرہ  
العزیز نے ۷ صفر ۶۶۱ ھ کو دار

قانی سے عالمِ باقی کو انتقال فرمایا۔ اس وقت قطب الاقطاب رکن الدین فیض اللہؒ بارہ برس کے تھے۔ ان کے آٹھوں پہر دادا بزرگوار کی آغوشِ شفقت میں گزرتے تھے۔ ان کے لئے یہ صدمہ سخت نا قابل برداشت تھا۔

شیخ صدرالدين عارفؒ کی عمر شریف چالیس برس کی ہو چکی تھی۔ اگرچہ ان کے علاوہ غوث العلمينؒ کے چھ اور صاحبزادے بھی تھے۔ جن میں

شیخ شمس الدینؒ اور شیخ شہاب الدینؒ کا علمی پایہ بہت بلند تھا۔ اور شیخ علاؤ الدینؒ تو طبعی دنیا کے بو علی سینا تھے۔

پوتوں میں مولانا نور الدینؒ، مولانا عبدالغفارؒ، مولانا قطب الدین اور

شیخ جلال الدین بھی علم و فضل اور زہد و وزع کے اعتبار سے خاص مقام رکھتے تھے۔ بایں ہمہ شیخ العارفؒ اپنے والد ماجد کی ساری

اولاد میں ممتاز اور افضل تھے۔ سہانوں کے قیام و طعام کا انتظام ان سے متعلق تھا۔ اور گھر کا کوئی معاملہ ان کی مرضی کے خلاف

طے نہیں پاتا تھا۔ چنانچہ جب غوث العلمينؒ نے مولانا عراقیؒ کو دوسرا رشتہ دینا چاہا۔ تو شیخ عارفؒ نے حضرت کو منع

کیا اور عرض کی کہ :-

”میں نے شیخ فخرالدین کو ایک دن خانقاہ کی سرائے پر

کھڑا دیکھا کہ پیراھن سے ہوا لے رہا تھا۔ اور نسیم

صبا سے محظوظ ہو رہا تھا۔ جس شخص میں کہ

حظ نفس کا مادہ اس قدر موجود ہو۔ حضرت کا



اس کے نکاح میں اپنی صاحبزادی کا دے دینا  
قطعی نا مناسب ہے۔\*

چنانچہ یہ رشتہ قائم نہ ہو سکا۔ اور یہ پاکدامنہ سلطان التارکین  
حمیدالدين خاکمؒ کے حوالہ نکاح میں دے دی گئی۔ حضرت  
غوث العلمينؒ سے عارف باللہ کے روحانی جسمانی کئی رشتے تھے۔  
یعنی حضرت عارف باللہ غوث العلمين کے فرزند ارجمند بھی تھے۔  
مرید اور شاگرد بھی۔ اس لئے ان کی آپس میں بے پایاں محبت  
تھی۔ دونوں کی روحیں ایک دوسرے سے اس قدر مربوط ہو چکی  
تھیں۔ کہ ایک لحظہ کی جدائی بھی گوارا نہ تھی۔ ہر وقت  
عارف باللہؒ سایہ کی طرح پدر بزرگوار کے ساتھ لگے رہتے تھے۔  
چالیس برس کا طویل عرصہ اس طرح ہم بسر ہوا۔ چنانچہ جس  
روز حضرت نے اس دارِ نا پائیدار سے سفر اختیار کیا۔ حضرت عارف  
باللہؒ حجرہ شریف کے باہر موجود تھے۔ ملک الموت انسانی لباس  
میں حاضر ہوا۔ اور ایک لفافہ دے کر عرض کی۔ کہ اسے شیخ  
الاسلام کی خدمت میں پہنچا دیجئے۔ خط کا ملاحظہ کرنا  
تھا۔ کہ حضرت غوث العلمين نے سر مبارک سجدے میں رکھ دیا۔  
اور روح صادقہ اعلیٰ علیین کو پرواز کر گئی۔ حجرے کے چاروں  
کونوں سے آواز آئی ”دوست بدوست رسید“\*\*

\* اصل عبارت کے لئے صفحہ ۹۱ ملاحظہ فرمائیں۔

\*\* در جامع العلوم مذکور است۔ کہ خانقاہ شیخ الاسلام بہاؤالدين زکریا  
کبیر رضی اللہ عنہ از دولت ملک شیخ الاسلام بنا نہادہ در حین حیات شیخ الاسلام۔  
و چہل سال شیخ الاسلام درون درس حدیث شریف فرمودہ۔  
[م]



حضرت عارف باللهؒ کے لئے یہ کوئی معمولی صدمہ نہیں تھا۔ ان کے دل پر جو گذری اسے ان کا قلبِ صافی ہی بہتر جانتا ہوگا۔ لیکن توفیقِ ایزدی سے آپ نے بڑے صبر اور ضبط کا نمونہ پیش کیا۔ ملتان اور اس کے مضافات سے ہزاروں آدمی شیخ کے انتقال کی خبر سن کر جمع ہو گئے تھے۔ شیخ عمر عمودیؒ جو اس زمانہ کے صالحین میں سے تھے۔ انہوں نے حضرت کے جسدِ اطہر کو غسل دیا۔ ایک روایت کے بموجب شیخ سعدیؒ نے اور خلاصۃ العارفين کے نزدیک حضرت شیخ الاسلام صدرالدين عارف بالله نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور اس کے بعد نائب رسول کے جسدِ اطہر کو اس خانقاہ میں دفن کر دیا گیا۔ جسے حضرت اقدس نے اپنے طیب اور طاہر سال سے اپنی زندگی میں ہی تعمیر کرایا تھا۔ اور جس میں کامل چالیس برس حضرت نے حدیث کا درس دیا تھا\*۔ صاحب مرآة المناقب لکھتے ہیں۔ کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جہاں حدیث کا درس دیا جائے وہاں میری آمت میں سے جو بھی داخل ہوگا۔ آتشِ دوزخ سے نجات پائے گا۔ حدیث پاک میں آمت کی تصریح موجود ہے۔ آگے چل کر صاحب مرآة المناقب لکھتا ہے کہ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ جس مکان میں شیخ الاسلام زکریا ملتانیؒ جیسے صاحب کمال نے چالیس سال حدیث کا درس دیا ہو اور مصروف عبادت رہے

\* درمکانے کہ مثل شیخ الاسلام زکریا ملتانی مردے صاحب کمال چہل سال ذکر حدیث فرمودہ و بحق مشغول شدہ آن مکان چہ قدر شرافت داشته باشد (م م)



ہوں۔ وہ مقام کس قدر خیر و برکت کا حامل ہوگا۔ نیز لکھتے ہیں۔ کہ خانقاہ شیخ الاسلام کی تعمیر بیت المال سے نہیں ہوئی۔ بلکہ شیخ کے اپنے طیب مال سے انکی اپنی نگرانی میں تکمیل کو پہنچی اور خانقاہ مبارک کے لئے بہت سے دیہات حضرت غوث العلمین کی ذاتی ملکیت کے وقف ہیں\*۔ صاحب مرآة المناقب کے اصل الفاظ یہ ہیں :

”خانقاہ شیخ الاسلام از بیت المال بنا نیست و در تصرف خانقاہ دیہا از ملک شیخ الاسلام وقف است“۔

صاحب خلاصۃ العارفين فرماتے ہیں۔ کہ حضرت غوث العلمینؒ کے وصال کی خبر وحشت اثر سنتے ہی اکناف و اطرافِ عالم سے ارادت مندوں کے قافلے در قافلے آنے شروع ہوئے۔ سہان خانہ کی عمومی تعداد حجرہ نشین درویشوں اور خدامِ درگاہ کے علاوہ پانچ سو، سات سو اور کبھی کبھی ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔ تعزیت کے لئے آنے والوں کا یہ سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا\*\*۔

\* مفصل حال کے لئے حضرت غوث العلمین کی سیرت ملاحظہ فرمائیے

قیمت بے جلد پانچ روپے۔ پتہ مینیجر قصر الادب جگہ والہ براہ لودھراں ضلع ملتان۔

\*\* وَجَاءَ النَّاسُ مِنْ بِلَادٍ شَتَّى أَفْوَاجًا وَافْزَاعًا كَلْهَمٍ اِضْيَا فِهِمْ وَ

بَلَمَعِ جَمَاعَةٍ اِلَّا ضِيَافٍ فِي بَعْضِ الْاَوْقَاتِ مِنْ خَمْسِ مِائَةٍ اِلَى سَبْعِ مِائَةٍ وَ

اِلَى اَلْفِ سُوِي سَكْنَةِ الرَّبَاطِ وَ اِلْحِجْرَاتِ وَ اَلْعَمَلَةِ۔

(خلاصۃ العارفين)



سارا اثاثہ خدا کی راہ میں لٹا دیا | قبلہ گاہ کے وصال کے بعد جب خاندان سہروردیہ کے جلیل القدر

بزرگوں اور اپنے خانوادہ کے اکابرین نے دستارِ غوثیت آپ کو بندھوا کر رشد و ہدایت کی مسند پر لا بٹھایا تو آپ نے والد بزرگوار کا تمام ترکہ بموجب شرع شریف جملہ مستحقین میں تقسیم کر دیا۔ خزینۃ الاصفیاء\* کی روایت کے بموجب (۷۰) ستر لاکھ اشرفی نقد ما سوائے دیگر اسباب از قسم ظروف، پارچات و مکانات وغیرہ حضرت غوث العلمینؒ کے ہر صاحبزادے کے حصہ میں آئے تھے۔ مگر شیخ الاسلام صدرالدین عارفؒ نے یہ بہت بڑا خزانہ ایک ہی دن میں فقراء اور مساکین میں لٹا دیا۔ اور اپنے لئے ایک درم بھی نہ رکھا۔ کسی نے عرض کی کہ آپ کے والد بزرگوار

\* حضرت شیخ بہاؤ الدین ہفت پسر نیک اختر داشت بعد وفات شیخ بزرگ چون ترکہ آنجناب باہم بتقسیم شرعی تقسیم نمودند۔ ہفتاد لکھ تنکہ سرخ نقد سوائے دیگر اسباب از قسم ظروف و پارچات و مکانات وغیرہ بحصہ شیخ صدرالدین عارف رسید چون برآں قابض شد ہاں روز براه خدا بخلاق خدا تقسیم کرد۔ درہمے ودینارے نزد خود نگذاشت و سوائے پارچات پوشیدنی خویش و اہل خویش از ہمہ نقد و جنس دست برداشت۔ شیخے در آن حال بخدست عرض کرد۔۔ کہ پدر بزرگوار شا چنداں نقد و جنس جمع کردہ خزانہ ہا پر کرد و براه خدا نیز صرف نمود حالا کہ این قدر زرخطیر از میراث پدر بدست آمد۔ دریک روز برباد دادی۔ و برائے خود یک خر سہرہ ہم توشہ نہ نہادی۔ خوب نہ کردی۔ باستماع این سخن شیخ بخندید و فرمود کہ پدر عالی گہر من بر دنیا غالب بود و دنیا اورا نمے توانست فریفت و من ہنوز باں درجہ نرسیدہ ام اگرچہ گاہے گاہے غالب سے ایم اما ترسیدم کہ مبادا دنیا بر من غالب آید و مرا از یاد مولیٰ برباید بدین سبب دنیا را از خود جدا ساختم کہ بہ تسلی دل بیاد حق مشغول باشم۔ (خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۲۹)



کا خزانہ نقد و جنس سے معمور رہتا تھا۔ اور اس کو تھوڑا تھوڑا خرچ کرنا پسند کرتے تھے آپ کو بھی اسی طرح ہی کرنا چاہئے تھا۔ حضرت عارف ربّانیؒ نے جواب دیا۔ کہ :-

”حضرت بابا، دنیا پر غالب تھے۔ اس لئے دولت ان کے پاس جمع ہو جاتی، تو انہیں علائق دنیا کا کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا۔ اور وہ دولت کو تھوڑا تھوڑا صرف فرماتے تھے۔ اگرچہ میں بھی بالعموم دنیا پر غالب آتا ہوں۔ اور کبھی برابر رہتا ہوں۔ غالب نہ مغلوب اور نہیں چاہتا کہ کبھی غالب آجائے اس لئے مُردار کو اپنے سے دور ہٹا دیا ہے اور دل کو بے اطمینانی کے فتنہ سے بچا لیا ہے۔“ (سیرالعارفین)

صاحب خزینۃ الاصفیاء نے اس روایت پر ایک فقرے کا اور اضافہ کیا ہے۔ کہ :-

”ابا کے خزانہ کی حفاظت کے لئے میرے دوسرے بھائی کافی ہیں۔ اگر ساتواں حصہ نہیں رہتا تو نہ رہے!“

جود و سخا کی جب یہ کیفیت ہو۔ تو پھر روپیہ پیسہ کیوں

آپ کا دسترخوان ✓

کرٹیکے۔ اس لئے ہزاروں کی روزانہ فتوحات کے باوجود آپ اکثر مقروض رہتے تھے۔ اس زمانہ میں آپ کا دسترخوان سلاطین کے سفرہ پر بھی نسبت لے گیا تھا۔ شیخ رکن الدین



فردوسی جو بچائے خود شیخ الکل اور مخدوم شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے دادا پر تھے ایک بار خراسان سے دہلی جاتے ملتان سے گزرے۔ تو حضرت عارف باللہ کا نیاز حاصل کرنے کے لئے خانقاہ غوثیہ پر بھی حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ کے ہاں علماء اور مشائخ کی بڑی تعداد جمع تھی۔ شیخ رکن الدین فردوسی\* فرماتے ہیں کہ جب کھانے کا وقت آیا۔ تو ایسا پر تکلف دسترخوان بچھایا گیا۔ کہ بادشاہوں کے ہاں کیا ہوگا خود شیخ الاسلام کے سامنے قسم قسم کے طعام رکھے تھے۔ شیخ رکن الدین ایام بیض کے روزہ سے تھے۔ مگر تبرکاً و تیمناً کھانے میں شریک ہو گئے۔ اور حضرت عارف باللہ کے قریب ہی دسترخوان

\* شیخ رکن الدین فردوسی قدس سرہ پیر شیخ المشائخ شرف الدین منیریؒ باشند کہ در بہار آسودہ است۔ روایت سے کنند کہ در آیامی کہ من از خراسان عزیمت شہر دہلی نمودم چون بملتان رسیدم شیخ الاسلام صدر الملتہ والدین رادریا قتم ایام بیض بود من صائم بودم حضرت شیخ طعام خواستند و غالبہ مردم بخدست ایشان بود چہ از علما و چہ از فقرا چون خوان گستر دند و طعام حاضر آوردند دیدم کہ طعام بسیار بود بتکلف چنانکہ در سفرہ سلاطین باشد و من بحضرت شیخ نزدیکتر از درویشان دیگر بودم۔ پیش حضرت شیخ طبقے کلان پر از مزعفر آورده نہادند و طبقے دیگر پر از حلوائے صابونی حضرت شیخ بجانب من اشارت نمودند، ” بسم اللہ! درویشان خوش باشد“ من اگرچہ صوم داشتم بحکم من اکل مع المغفور فهو مغفور نتوانستم کہ ازین سعادت مقصر گردم تسمیہ گفتم و در شان طعام شروع نمودم دیدم کہ حضرت شیخ بر غبتے طعام سے خورد و بہر جنسے از طعام میل سے نماید در خاطر گذشت کہ اگر افطار صوم بیض از جہت رعایت خاطر میزبان باشد، بارے تقلیل طعام بہتر است بمجرد این خطرہ کہ در دلہم گذشت بر فور روئے مبارک بسوئے من آورد فرمود درویش رکن الدین! ہر کہ بتواند کہ طعام را از حرارت باطن نور گرداند و بحق رساند لازم نیست کہ مقید بتقلیل طعام باشد۔

(سیر العارفین)



پر بیٹھے۔ شیخ رکن الدین نے اپنے محترم میزبان کی خاطر روزہ تو افطار کر لیا مگر سوچنے لگے۔ کہ صرف افطار پر ہی اکتفا کی جائے۔ یا کچھ اور کھا لیا جائے حضرت عارف باللہ نے انکی ذہنی کشمکش کو نورِ باطن سے معلوم کر لیا۔ مسکرا کر فرمایا۔ کہ

”درویش رکن الدین! جو شخص حرارتِ باطن سے طعام کو نور بنا کر حق تک پہنچا سکتا ہے۔ اس کے لئے تغلیلِ غذا کی پابندی ضروری نہیں!“

چونکہ لقمہ مے شود در تو گہر - بالیقین چندانکہ بتوانی بخور!  
جبکہ موتی بن جائے تجھ میں طعام - جتنا جی چاہے تو کھا سالا کلام  
اگرچہ شیخ الاسلام خود کم غذا لیتے تھے۔ لیکن دسترِ خواں سے اس لئے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے کہ ان کو دیکھ کر کہیں سہان نہ ہاتھ روک لیں۔ اور کوئی بھوکا نہ رہ جائے\*۔

حضرت شیخ العالم صدرالدين عارفؒ کا یومیہ انضباط اوقات

شغلِ درس

تقریباً وہی کچھ تھا۔ جس پر حضرت غوث العلمینؒ زندگی بھر عمل پیرا رہے تھے اوراد و اذکار کے بعد مسندِ ارشاد پر بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے۔ بقول مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاریؒ شیخ العارفؒ ہر مبتدی اور منہی کو بلا کسی امتیاز کے تعلیم دیتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی نحو یا صرف پڑھتا تو پڑھاتے۔ تصریفِ جدولی انکی ہی تصنیف ہے\*\*۔

\* بزمِ صوفیہ -

\*\* الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدم صفحہ ۲۸





## بیا جمال ! نصیبِ خویش بگیر !!

سیاحت کے دوران میں جب حضرت غوث العلمین آج تشریف لے گئے۔ تو وہاں آپ نے ایک بچے کو لڑکوں میں کھیلتے دیکھا اُسکی پیشانی سے سعادت اور خوش بختی کے آثار نمایاں تھے اسکا نام اور حال دریافت فرمایا لوگ جو اسوقت حاضر خدمت تھے لپک کر گئے۔ اور اس بخت بیدار کو پکڑ کر لے آئے۔ شیخ الاسلام نے اسکے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور اسکے حق میں دعا فرمائی۔ سالہا سال کے بعد جب حضرت کا سفر آخرت قریب آیا تو حضور نے اپنے فرزند جگر بند الشیخ الامام العارف حضرت صدرالدین محمد کو طلب کر کے فرمایا۔ کہ :-

”بابا صدرالدین ! میرے بعد جمالؒ نام ایک شخص تیرے پاس آئے گا۔ اور ہمارے حلقہٴ ارادت میں داخل ہونے کی خواہش کریگا۔ اُسے سرید کر لینا۔ صادق الاعتقاد اور صاحب کمال مرد بنیگا۔ لیکن بیعت سے پہلے اُسے حجرہ میں تین دن بٹھا کر قرآن مجید کی تلاوت کرانا۔ تاکہ اسکے عشق و محبت اور ذوق و شوق کا بحر سواج سکون میں آجائے۔ اور وہ شعور کے ساتھ آداب صحبت بجالانے کے قابل ہو سکے۔ اسکے بعد اُسے طلب کر کے اپنی ارادت میں داخل کر لینا اور اُسے چار چیزوں سے منع کرنا۔ کیونکہ اللہ جل شانہ کی حکمت اسی میں ہے۔



شیخ العارف نے دست بستہ عرض کی - حضور وہ چار چیزیں کونسی ہیں - حضرت غوث العلمین نے فرمایا - پہلی بات یہ ہے کہ وہ کسی کو اپنا مرید نہ کرے اور اپنا دست ارادت کسی کی طرف نہ بڑھائے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ جو بھنی آس کا مرید ہو گا\* - صاحب سلطنت اور بادشاہ بنے گا۔ زمین میں اس قدر وسعت کہاں ہے - کہ آسکے مریدوں کیلئے ولایتیں اور سلطنتیں مہیا کر سکے اس لئے آس کا مرید کرنا جہاں کے لئے خلل و فساد کا موجب ہے لہذا اسکا کسی کو اپنے حلقہ ارادت میں نہ لینا ہی بہتر ہے -

دوسری بات یہ ہے کہ اسکی خانقاہ گنبد دار تعمیر نہ کی جائے۔ اور اگر بنائی گئی - تو یہ سونے چاندی کی اینٹوں اور صدہا تکلفات سے تعمیر ہوگی تیسری یہ کہ اسکی خانقاہ میں لنگر جاری نہ کیا جائے۔ اور اگر جاری کیا

\* یہ بزرگ شیخ جال خنداں رو تھے - انہوں نے ساری زندگی میں صرف دو آدمیوں کو اپنی مریدی میں لیا تھا - ایک غیاث الدین تغلق تھا - جو آگے چل کر ہندوستان کا شہنشاہ بنا۔ اور دوسرے شیخ فہیم الدین (رح) جن کے لئے اقلیم معرفت کی شہر یاری مقدر ہو چکی تھی - شیخ کا حال نہیں مل سکا - لیکن تغلق شاہ کا ذکر مرآت المناقب میں اس طرح درج ہے کہ " او امیرے از ملازمان سلطان مبارک شاہ والئے دہلی بودہ است - تساط گرفت و لفظ او ایاء بکار آمد و صاحب سلطنت و والی دہلی گردید چنانچہ در کتب تواریخ و شاہنامہ ہائے سلاطین ہند بالتفصیل و شرح مرقوم است " -

دوم آنکہ خانقاہ او را گنبد دار بنا نکنید و اگر سے بود خانقاہ او را بخشش زرین و نقرہ و بتکلفات دیگر بنا سے نہادند - سیوم آنکہ در خانقاہ او لنگر نباشد اگر سے بود لنگر خانقاہ او را طعام ہائے گونا گوں و برنج و حاوہ سے پختند - دریں امر حکمت اللہ آن است کہ از مشاہدہ تکلفات خانقاہ و طعا ہائے گونا گوں لنگر او عقائد مریدان مبتدی از دیگر اولیا اللہ فاسد سے شود - خواہش نفس و سوسہ شیطان بر ایشان مستولی سے گردد - لذات نفسانی را عزیز خواہند داشت و از زہد و تقویٰ و ریاضت و مخالفت نفس باز خواہند ماند - سبیل طریقت بر ایشان مسدود سے شود و در ضلالت خواہند افتاد - لہذا عدم این امور اولی تر است -

(مرآت المناقب)



گیا۔ تو اس میں قسم قسم کے طعام پلاؤ اور حلوہ پکینگے اسکی خانقاہ کے تکلفات اور لنگر خانہ کے مکلف کھانے دیکھ کر مبتدی مریدوں پر خواہش نفسانی اور وسوسہ شیطانی غالب آجائینگا۔ نفس کی لذتوں کو عزیز رکھینگے زہد و تقویٰ اور ریاضت و مخالفت نفس کو چھوڑ بیٹھینگے۔ طریقت کا راستہ اُن پر بند ہو جائینگا۔ اور گمراہی کی فج عمیق میں جا پڑینگے۔ مزید برآں جب دوسرے اہل اللہ کی خانقاہوں پر ایسے اہتمامات نہیں دیکھینگے تو اُن کا دل اُن مشائخ سے منحرف ہو جائینگا۔ اسلئے حکمت الہی اسی میں ہے کہ اِن امور سے پرہیز کیا جائے۔

چوتھی \* یہ کہ اپنی اولاد کو وصیت کر جائے۔ کہ اسکے انتقال کے بعد کسی کو اس کا صاحب سجّادہ نہ بنائیں۔ اس سے غرض یہ ہے کہ اگر کسی کو اس کا قائم مقام یعنی سجّادہ مقرر کیا گیا۔ تو تمام برکات اور فیوض اسی ایک شخصیت میں سمٹ کر جمع ہو جائینگی۔ اور اس کی دوسری اولاد اپنے جد اعلیٰ کی برکات اور فیوض سے محروم اور بے بہرہ رہیگی۔ اور جب ان کا کوئی سجّادہ مقرر نہیں ہوگا۔ تو یہ برکات اور فیوض اسکی جملہ

\* چہارم آنکہ باولاد خود وصیت کند کہ بعد از نقل او سجّادہ نشین قائم مقام او نکنند۔ غرض آنست کہ اگر کسی را کہ قائم مقام او خواهند نمود تمام برکات و فیوضات در ذات ہاں یک کس قرار خواهد گرفت۔ دیگر اولاد او از برکات و فیوضات جد خود محروم و بے بہرہ خواهند ماند۔ و چون قائم مقام ہیچکس نباشد برکات و فیوضات او در ہر مُتَنَفَس از اولاد او برابر خواهد رسید و ہمہ عالم و عامل زاہد و عابد و دانشمند خواهند بود۔ تا قیام قیامت اثر ولایت او منفی نخواهد گردید۔

(مرآت المناقب)



اولاد کو برابر پہنچینگی اور تمام فرزند عالم، عامل، زاہد، عابد، دانشمند اور بااثر درویش ثابت ہونگے۔ قیامت تک ان کے خاندان سے اثر ولایت ختم نہیں ہوگا۔ حضرت شیخ الامام العارف نے غوثِ العلمینؒ کی وصیت کے ایک ایک حرف کو سن کر قبول کیا۔ مولانا جمالیؒ نے ان چار وصیتوں کا ذکر تو نہیں کیا۔ لیکن ان کے بیان میں سہروردیہ تبرکات کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ جسے صاحب مرآت المناقب نظر انداز کر گیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

”بعد ازاں پیش خود بخوانی و ہر چیزے کہ از جنس لباس مابتو رسیدہ باشد غیر از خرقة حضرت شیخ الشیوخ شہاب الملة والدین قدس سرہ، کہ بتو ارزانی باشد نصفے ازاں لباس بدو برسائی و بگوئی نصف لی و نصف لگ“

بھلا وہ شہباز طریقت جس نے لاکھوں کا ترکہ ایک دن میں خدا کے نام پر لٹا دیا تھا۔ پرائی امانت کو کیسے سنبھالے رکھتا۔ والد بزرگوار کے یہ الفاظ ہر وقت انکے ذہن و دماغ پر مستولی رہتے کہ ”وقتے جمال نام شخصے خواہد آمد و بشا پیوند خواہد کرد“۔ کئی سال انتظار میں کٹ گئے۔ انجام کار ایک دن اطلاع ملی۔ کہ آج سے مولانا جمال الدین بغرض بیعت حاضر ہوئے ہیں۔ آپ بڑے خوش ہوئے۔ اور خدام کو حکم دیا۔ کہ انہیں ایک حجرہ دے دو تا کہ یکسوٹی سے قرآن مجید کی تلاوت کر سکیں۔ تین دن کے بعد حضرت آنکے حجرے میں تشریف لے گئے۔ اور



انہیں اپنے حلقہٴ ارادت میں داخل کر کے وہ تمام تبرکات اور نعمتیں عطا کیں۔ جن کا حضرت غوث العلمینؒ حکم دے گئے تھے۔ صاحبِ مرآت المناقب لکھتے ہیں۔

”شیخ صدرالدین محمد وصیت شیخ الاسلام بہ شیخ جمال الدین تلقین کردند، در عمل آورد و کار بہ بست در اندک فرصت بکمال صوری و معنوی رسید“۔

الغرض ظاہری اور باطنی نعمتوں سے مالا مال ہو کر بحکم شیخ طریقت واپس آج تشریف لے گئے۔ اور وہاں ایک عظیم الشان مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ جس کے حضرت خود شیخ الدرس بنے۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری قدس سرہ نے ابتدائی تعلیم آپ سے ہی حاصل کی تھی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

”چند کتب علم فقہ و تفسیر و حدیث از خدمت شیخ جمال الدین ملاحظہ کردم و سند بر گرقم برکت انفس شریفہ حضرت شیخ جمیع علوم ظاہری بسمولیت دراندک زمان منکشف و اشارات و معانی لطیفہ و ارادت عجیبہ رومے نمود،“۔

حضرت مخدوم جہانیاں قدس سرہ کے زمانہ میں آج میں تین \* خانقاہیں مشہور تھیں۔ ایک حضرت کے والد کی، دوسری شیخ جمالؒ کی۔ اور تیسری گزروینوں کی۔



شیخ جمالؒ کی وفات ۲۵ محرم ۵۷۰ھ کو مدرسہ کی چھت گرنے سے واقع ہوئی۔ اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ کی اولاد نرینہ میں شیخ رضی الدین گنج علم بڑے پایہ کے درویش گذرے ہیں۔ والد ماجد کے بعد انہوں نے مدرسہ کے نظام کو سنبھالا۔ اور بقول ذکر کرام بڑی عمر پا کر ۵۷۰ھ\* میں فوت ہوئے۔ مزار نوربار والد ماجد کے پہلو میں واقع ہے۔

شاہ جمالؒ لاہوری | جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں شیخ جمالؒ نے زندگی بھر

میں صرف دو مرید کئے تھے۔ سلطان تغلق جس نے ماہ ربیع الاول ۵۲۵ھ میں بمقام دہلی مکان کے گرنے سے انتقال کیا۔ اور دوسرے شیخ فہیم الدینؒ جن سے جہالی سلسلہ چل نکلا۔ خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں۔ کہ شیخ فہیم الدینؒ کے ایک مرید تھے شیخ خفیف الدینؒ ان کے شاہ معروفؒ ان کے شاہ شرفؒ ان کے ککرا بیگؒ اور ان کے شاہ جمالؒ جن کی خانقاہ لاہور سے ماڈل ٹاؤن کو جاتے ہوئے بائیں جانب آتی ہے۔ اور ان کا پر شوکت مقبرہ درختوں کے جھنڈ سے سر نکالے اپنے ارادتمندوں کو خوش آمدید کہتا دکھائی دیتا ہے۔ ان کے پیران عظام کا جمال نہیں مل سکا۔ لیکن ان کا اپنا تذکرہ مفتی صاحب نے تفصیل سے کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

”شاہ جمال سہروردی شیخے بود جامع کمالات،



ظاہری و باطنی و جمالِ صوری و معنوی، مظہر  
جلال و مصدرِ کمال مریدِ شیخ ککرا بود و سلسلہ  
عالیہ وے بچند واسطہ بشیخ الاسلام صدرالدين  
عارفؒ سے رسد و حضرت وے از سادات کرام  
حسینی بود کہ تا حال اولاد و امجاد وے در  
سیالکوٹ سکونت سے دارد\*۔

مولانا کمالؒ کاشمیری سے ایک دنیا واقف ہے۔ جن کی  
شاگردی پر قطبِ ربانی مجددِ الف ثانی شیخ احمدؒ سرہندی، مولانا  
عبدالحکیمؒ سیالکوٹی اور نواب سعد اللہ خاں (وزیر اعظم شہاب الدین  
شاہجہاں غازی شہنشاہِ ہند) جیسی عظیم شخصیتیں فخر کیا کرتی  
تھیں۔ آپ حضرت شاہ جمالؒ سہروردی کے برادرِ بزرگ ہیں۔  
دونوں نامور بھائی تاج البلاد لاہور میں محو خواب ہیں\*\*۔ اور  
چار سو سال سے اُن آنکھوں سے جن سے ہم محروم ہیں دنیا کے  
انقلابات دیکھ رہے ہیں۔

\* خزینۃ الاصفیاء جلد دوم

\*\* شاہ کمال کا مقبرہ اچھرہ (لاہور) کے قریب بستی راواں میں واقع ہے۔  
عوام بجائے خود رہے لاہور کا علمی حلقہ بھی مولانا کے مدفن سے لاعلم ہے۔  
اور کوئی نہیں جانتا۔ کہ اچھرہ کی خاکِ پاک میں کس مرتبہ کی شخصیت  
آرام فرما ہے۔ مقبرہ حسرت و پیکسی کی زندہ تصویر نظر آتا ہے۔ گویا

بر مزارِ ما غریباں نے چراغ و نے گلے

نے پر پروانہ سوزد نے صدائے قلقلے



## خانقاہ ہفت منازل

جب آپ نے اپنے مرشد سے  
خرقہ خلافت حاصل کر لیا۔ تو

لاہور میں جہاں اب حضرت کا مقبرہ ہے۔ تشریف لا کر مقیم  
ہوئے۔ اور اپنے لئے دمدہ کے طور پر سات منزلوں کی ایک  
خانقاہ تعمیر کرائی۔ کہتے ہیں ان ایام میں شاہی عمارتیں  
دھڑا دھڑ بن رہی تھیں۔ اور راج مزدور ملتے نہیں تھے آپ نے  
اسی مزدوری پر مشعلوں کی روشنی میں رات کو کام شروع کرا  
دیا۔ ایک دن خانقاہ میں تیل موجود نہیں تھا۔ آپ نے حکم دیا  
کہ بجائے تیل کے تالاب کا پانی استعمال کرو۔ قدرت الہی سے تمام  
رات وہ پانی تیل کی طرح جلتا رہا۔

## شہزادی کا اعتراض

جب سات منزلوں کی رفیع القدر  
عمارت بن کر تیار ہو گئی۔ تو

اس کا ہر طرف چرچا ہونے لگا۔ اتفاق سے اکبر اعظم کی  
صاحبزادی سلطان بیگم کا باغ قریب پڑتا تھا۔ اس میں تالاب،  
بارہ دری اور محلات سب کچھ بنے ہوئے تھے۔ قیام لاہور کے  
دوران میں جب شہزادی اس باغ میں آئی۔ تو اس نے شیخ  
کی ہفت منزلہ عمارت پر اعتراض کیا۔ اور کہا بھیجا۔ کہ  
آپ سے دولت شاہی کے دعا گو کو زیب نہیں دیتا کہ ہمارے  
محلات کے مقابلے میں بلند مکان کھڑا کر کے ہماری بے پردگی کا  
موجب بنیں۔ مناسب ہے کہ اس دمدہ کو آپ خود ہی چھوٹا کرا  
دیں ورنہ آپ سے باز پرس ہوگی اور یہ دمدہ سہار کرا دیا



جائے گا\*۔ شاہ جہاںؒ اس پیغام کو سن کر ہنس پڑے اور فرمایا کہ میں آج رات کو ہی یہ دمدسہ پست کر دوں گا۔ لیکن واضح رہے کہ فقیر کا یہ کاشانہ قیامت تک آباد رہے گا۔ لیکن آپ کا باغ اور یہ محلات چند دنوں کے بعد ویران ہو جائیں گے\*\* جب رات ہوئی۔ آپ نے صاحب حال قوالوں کو بلا بھیجا چنانچہ عشاء کے بعد مجلس سماع منعقد ہوئی۔ قوالوں نے ساز کے تاروں کو چھیڑا اور ابھی مضراب کی بے قاعدہ چوٹ باقاعدہ نغمے میں تبدیل نہیں ہوئی تھی۔ کہ قوالوں کی سحر انگیز لہے نے شاہ صاحب کے دل کی کائنات میں تلاطم پیدا کر دیا۔ وہ کیف اور سکر کے عالم میں کھڑے ہو کر وجد کرنے لگے۔ اسی حالت میں خانقاہ کی پانچ منزلیں زمین میں دب گئیں۔ اور دو رہ گئیں جو اب تک زبان بے زبانی سے شاہ جہاںؒ کے جذب و جلال کی داستان دودھراتی دکھائی دیتی ہیں۔

یک ہندو یک مسلمان  
پیدا خواہد شد

شاہ جہاںؒ نہایت مرتعجب  
بزرگ تھے۔ ان سے ہندوؤں کو

بھی بڑی عقیدت تھی۔ ایک بنیا دودھ مل المعروف بہل کھتری

\* شایان ادب نیست کہ شما فقراء کہ دعا گو دولت شاہی اند محل خود از محل ما بلند تر تعمیر سازند و بے ستری ماروا دارند۔ پس اگر بطور خود این دمدسہ را پست کنید بہتر ورنہ ما خود قہر سلطانی خواہند شد و دمدسہ نیز مسامر کردہ خواہد شد۔

\*\* ما دمدسہ خود را ام شب پست خواہیم کرد، اما این خانہ فقیر تا روز قیامت برپاست و باغ شاہی تا چند روز رو بویرانی خواہد آورد۔

خزینۃ الاصفیاء حصہ دوم صفحہ ۹۸



جو کہ لا ولد تھا۔ اکثر اوقات آپ کی خدمت میں دعا طلبی کے لئے حاضر ہو جایا کرتا تھا۔ ایک دن وہ خربوزوں کا ٹوکرا لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے قبول فرمایا۔ ان میں سے دو خربوزے اٹھا کر اس کے حوالے کئے اور خود عصر کی نماز پڑھنے لگے۔ دود مل نے خیال کیا۔ کہ شاید یہ خربوزے حضرت نے چھلکے اتارنے کے لئے دیئے ہیں اور نماز کے بعد شوق فرمائینگے چھری اٹھا کر چھلکا اتارنے لگا جب وہ ایک خربوزے کو چھیل چکا۔ تو حضرت نے نماز سے فاذغ ہو کر فرمایا۔ ”ارے یہ کیا غضب کیا! میں نے تو دو خربوزے اس نیت سے دیئے تھے کہ تو بیوی کے ساتھ مل کر کھائے تاکہ واہب العطا یا تجھے دو فرزند عطا کرے تو نے ایک خربوزہ چھیل دیا ہے۔ خیر اچھا ہوا۔ اب دو لڑکوں میں سے ایک مختون پیدا ہوگا۔ اور وہ مسلمان ہو کر میرا مرید بنے گا!“۔

دودمل حیرت و استعجاب کے ملے جلے جذبات میں دونو خربوزے اٹھا گھر کو روانہ ہو گیا۔ بیوی کے ساتھ مل کر وہ خربوزے کھائے۔ قدرت الہی سے رات کو اس کی بیوی حاملہ ہو گئی۔ نو ماہ کے بعد توام لڑکے پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک مختون تھا اور ایک غیر مختون۔ دودمل مختون لڑکے کو حضرت کی خدمت میں لے آیا۔ آپ نے اسے گود میں لے لیا۔ اور فخرالدين نام رکھا۔ یہ لڑکا جوان ہو کر حضرت کے فیض صحبت سے درجہ کمال کو پہنچا۔ مفتی غلام سرور لاہوری کے زمانہ میں شیخ



سلام الدین اور شیخ نبی بخش نام کے دو آدمی اپنے آپ کو حضرت شیخ فخرالدینؒ کی اولاد سے ظاہر کرتے تھے۔ شاہ جہاں نے فخرالدین کی سکونت کے لئے محلہ جوڑی موری میں ایک مکان خرید کیا تھا۔ وہ بھی مفتی صاحب کے زمانے تک موجود اور شاہ جہاںؒ کے نام سے موسوم تھا \*

اے فخرالدین !  
مکان سے باہر نکل !!

مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ فخرالدین اپنے مکان

میں بیٹھے تھے کہ دفعۃً شاہ جہاں آ پہنچے اور بلند آواز سے پکار کر فرمایا اے فخرالدین ! اپنے بال بچوں اور سامان کو لے کر باہر نکل آ ! فخرالدین گھبرا کر اٹھا۔ اور بال بچوں و سامان کو باہر نکال لایا۔ مکان خالی ہوا ہی تھا کہ دھڑام سے نیچے آگرا۔ فرمایا مجھے کشف سے معلوم ہوا کہ یہ مکان گرا چاہتا ہے۔ میں فوراً تمہاری جان و مال کی حفاظت کے لئے دوڑا۔ الحمد للہ کہ محنت راس آئی اور تم بچ گئے۔

حضرت کا معمول تھا کہ کبھی کبھی اپنے حجرہ میں چلہ کشی

### وفات

کے لئے معتکف ہو جایا کرتے تھے۔ اور چالیس دن تک دروازہ بند رہتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ معمول کے مطابق اعتکاف میں ہو بیٹھے۔ اور دروازہ بند کرا دیا۔ ۳ ربیع الثانی ۱۰۳۹ھ کو زور کی بارش ہوئی۔ اور حجرہ کی ایک دیوار گر پڑی۔ خدام درگاہ



نے چاہا کہ اندر داخل ہو کر شیخ کو نکالیں۔ کہ دفعہ  
حجرہ سے آواز آئی۔

”جو ہونا تھا ہو چکا۔ اس حجرہ کو میرا مدفن  
تصور کرو۔ اور اس پر قبر کا نشان بنا دو\*۔“

چنانچہ حجرہ کو پھر کسی نے نہ چھیڑا۔ اور اس کے اوپر  
قبر کا نشان بنا دیا گیا۔

ترازین جا کفن میسر خواہد شد | حضرت کے وصال کے تیس سال  
بعد عرس کے موقع پر ایک

گستاخ گدا حاضر ہوا۔ فاتحہ کے وقت سجادہ نشین صاحب نے  
دوروٹیاں اسے عنایت کیں۔ وہ دریدہ دھن بول اٹھا۔ کہ ”شاہ  
جال کے مزار کا عجب جال ہے۔ کہ روٹیاں بے کفن ملتی ہیں!۔“\*\*

”سجادہ نشین صاحب نے جواب دیا۔ کہ اگر تیری  
رضا یہی ہے کہ تجھے یہاں کفن دیا جائے۔ تو  
اسی طرح ہوگا“\*\*\*

آپ کا یہ کہنا تھا۔ کہ اس شخص کے اعضاء میں لرزہ  
سا پیدا ہوا۔ اسی وقت زمین پر آگرا اور مر گیا چنانچہ اس

\* حالا ہر چہ شدنی بود شد قبر ما بالائے این حجرہ تعمیر کنید و این حجرہ را

مدفن تصور سازید۔ خزینہ الاصفیاء جلد دوم صفحہ ۱۰۰

\*\* مزار شاہ جال را عجب حالتی است کہ نان بے کفن میسر گردد (یعنی  
بے لازمہ بدست سے آید)۔

\*\*\* اگر رضاے تو درہمین است کہ ترا ازینجا کفن دهند همچنیں خواہد شد۔  
خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۱۰۰



كى قبر شاه جمال كے احاطہ ميں موجود ہے لوگ ديكتہ ميں اور عبرت پكتہ ميں ۔

شيخ حسن كنجدرؒ | شيخ جمالؒ كے خلفاء ميں صرف شيخ حسنؒ كا تذكرہ ملتا ہے

مؤلف تحقيقات چشتي لكتہ ميں كه شيخ حسنؒ ابتداء ميں چوك جهنڈہ ميں بقالي كيا كرتے تھے ۔ اس چوك كے خوجه هائے گندم فروش سے متعلق مشهور ہے كه كم تولتے هيں ۔ اسي طرح ابتداء ميں شيخ حسنؒ بهي كم تولا كرتے تھے ايک دفعه آپ گندم تول رھے تھے ۔ اور دھروائي گن رھے تھے ۔ جب باره دھارني تول چكے تو كسي نے آپ كو آواز دي ۔ شيخ نے ترازو ركھ دي اور اس آدسي سے ملنے چلے گئے ۔ دھروانيوں كا دستور ہے كه تولتے هوئے اگر كسي سے بات بهي كرتے هيں تو اس خدشه كے پيش نظر كه دھارنيوں كا شمار بهول نه جائے بار بار گنتي كو دوهراتے رھتے هيں ۔ انھوں نے شيخ حسنؒ كے آنے تك ”تيران ميں تيران“ كى رٹ لگائے ركھي ۔ شيخ كا ذهن فوراً دوسري طرف منتقل هوا ۔ انهيں ايسا سنائي ديا جيسے كوئي كه رھا هو ۔ ”اے خدایا ميں تيرا هوں ۔“ ان كى حالت متغير هو گئي ۔ اور گندم فروشي چھوڑ دي ۔ ان دنوں شيخ جمالؒ كے فضل و كمال كا بڑا چرچا تھا ۔ ان كى خدمت ميں حاضر هوئے اور عرض كي كه ”دل گھٹا گھٹا سا رھتا ہے مجھے خدا كا راسته بتائيے !“ انھوں نے فرمايا ”ميں حسو ! خدا كام چھوڑنے سے نہيں ملتا ۔ كام برابر جاري ركھو ليكن كم مت تولو، تيرے خدا كا



ہی فرمان ہے - وَزَنُوا بِالْقِسْطِ (پورا تولو) چنانچہ آپ نے آ کر پھر اپنا کاروبار شروع کر دیا - اور اپنا یہ معمول بنا لیا - کہ ترازو اور باٹ خریدار کے حوالے کر دیتے - کہ یہ نرخ ہے گندم تول کر لے جا - جو خریدار طمع کر کے زیادہ تولتا - اس کے گھر میں گندم وزن سے کم آترتی اور جو پورا تول کر لے جاتا اسکی گندم بڑھ جاتی - یہ طریقہ آپ نے مدت تک جاری رکھا - پھر تو خدا کے فضل سے اتنی برکت ہوئی - کہ ترازو اور باٹ سونے کے بنوا لئے - ایک دن طلائی ترازو اور باٹ لے کر شاہ جہاںؒ کی خدمت میں حاضر ہوا - اور عرض کی کہ حضرت کی توجہ سے کشاد کار دنیا اس قدر ہو گئی ہے کہ ترازو اور باٹ سونے کے بنوا لئے ہیں -

فرمایا ”ان سب کو دریا میں ڈال دو!“

شیخ حسنؒ اسی وقت اٹھ کر چلے گئے اور ترازو و باٹ وغیرہ دریا میں پھینک دیئے!

اتفاقاً دو روز کے بعد دیہاتی غلہ فروش شہر کو آنے کے لئے اس گھاٹ سے گذرے - کسی کے پاؤں کو ٹھوکر لگی - اس نے نکال کر دیکھا تو سونے کے باٹ تھے - وہ پہچان کر شیخ حسنؒ کے پاس لے آئے - اور وہ انہیں لے کر شاہ جہاںؒ کے پاس پہنچے اور تمام واقعہ کہ سنایا - آپ نے فرمایا :-

”اے حسن! یہ سچائی کا امتحان تھا جو نبی



تو نے کم تولنا چھوڑ کر سچائی کو اختیار کیا۔ تیرے مال میں برکت ہوئی اور تو نے جو کچھ کسبِ حلال سے پیدا کیا دریا میں پھینکا تو بھی ضائع نہ ہوا اور دوبارہ تیرے ہاتھوں میں آ گیا\*۔

شاہ جہاںؒ سے یہ ارشادات سنتے ہی شیخ حسنؒ کی کایا پلٹ گئی۔ اٹھ کر دکان پر آئے۔ سب مال خدا کی راہ میں لٹا دیا۔ اور پھر حضرت کی خدمت میں آ کر مرید ہو گئے۔ چند سال کی ریاضت کے بعد فقرو ولایت کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکے۔ سبحان اللہ! صوفیاء کس خوبصورتی سے تزکیہ نفس کرتے تھے۔ اگر شاہ جہاںؒ شیخ حسنؒ کو شروع شروع میں مرید کر لیتے تو وہ منازلِ سلوک کو اس سرعت سے طے نہ کر سکتا۔ اور اگر حضرت اس راز کو راز نہ رکھتے۔ تو شیخ حسنؒ کے لئے امتحان میں پورا آترنا مشکل ہو جاتا عارفؒ رومی فرماتے ہیں

عارفاں کہ جامِ حق نوشیدہ اند

رازِ ہا دانستہ و پوشیدہ اند

ہر کرا اسرارِ حق آموختند

سہر کر دند و دہانش دوختند

\* اے حسن! میں امتحانِ راستی بود چون کم وزنی گذاشتی و راستی بیا راستی صاحبِ برکت شدی۔ و آنچه از کسبِ حلال پیدا کردی و بدریا انداختی ضائع نہ شد و باز بدست تو آمد۔ خزینۃ الاصفیاء جلد دوم صفحہ ۹۱



مفتي غلام سرور لاهوري شيخ حسنؒ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے  
ہیں کہ :-

”با استماع سخن شيخ حسن في الحال تارك دنيا شد و  
دوكان خود را براه خدا بتا راج داد و دست ارادت بدامان  
شاه جمالؒ زده، بزهد و رياضت پرداخت در چند سال  
بكمال رسیده از اوليائے وقت شد“ \*

شيخ حسن نے ۱۰۱۲ھ میں انتقال کیا۔ مزار پر انوار لاهور میں  
ہے رحمة الله عليه۔





## تصرفات

مولانا محمد امین صاحب شرق پوری مؤلف "تذکرہ اولیائے نقشبند" تصرفات کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ :-

"تصرف کے لغوی معنی ہیر پھیر کے ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ کے ارشاد اور اذن کے مطابق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے اولیائے کرام شریعت بطہرہ کی حدود میں رہتے ہوئے کائنات اور مخلوق خدا تعالیٰ میں جو تبدیلی رونما کرتے ہیں۔ صوفیائے کرام کی اصطلاح میں آسے تصرف کہتے ہیں۔ اور یہ درحقیقت کرامت ہی کا ایک جزو ہے۔ نفسی، حالی، وجدانی، القائی اور ہئیاتی تصرف کی یہ چند بڑی قسمیں ہیں۔

نفسی - فطری حالت کے بدل جانے کو کہتے ہیں۔

حالی - جس سے حال بدل جائے۔

وجدانی - جس سے جذب و سکر طاری ہو جائے۔

القائی - جس سے اپنی کیفیات دوسرے پر واضح کی جائیں۔ اور

ہئیاتی - جس سے وضع قطع بدل جائے۔ تصرفات کا ظہور "قوت ارادی" پر منحصر ہے۔ جس قدر قوت ارادی کسی ولی اللہ میں زیادہ ہوگی۔ اسی قدر وہ زیادہ تصرفات کا مالک ہوگا۔

حضرت عارف باللہ بے پناہ قوت ارادی رکھنے کے علاوہ ایسے



آئینہ جہاں نما قلب کے مالک تھے - جس میں نور ہی نور تھا - اور وہ اس نور کی بدولت دوسرے قلوب کی کیفیات سے پوری طرح آگاہ ہو جاتے تھے - اسی قلبی معرفت کے سبب ہی وہ 'عارف' کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے -

ان کا با برکت دور سراپا کشف و کرامات کا حامل تھا - مگر چونکہ ایک ایک لمحہ میں ان سے لا تعداد تصرفات ظہور میں آتے تھے - اس لئے انکا با برکت وجود سر تا سر "کرامت" بن کر رہ گیا تھا - لوگ ان اعجازوں کے عادی بن گئے تھے - اس لئے کسی کو انہیں حیظہ تحریر میں لانے کا خیال نہ آیا - تا ہم چند ایک روایتیں جو میسر آسکی ہیں - ہدیہ ناظرین کرام ہیں -

حضرت مخدوم جہانیاں جہان گشت  
بخاری قدس سرہ العزیز فرماتے

مردے کو زندہ کر دیا

ہیں - کہ ایک دفعہ شیخ عارف باللہ صدر الحق والدینؒ اوراد و اذکار میں مصروف تھے - کہ پڑوس سے رونے پینے کی آواز آئی - آپ نے پوچھا "یہ کیا معاملہ ہے؟" -

لوگوں نے عرض کی کہ "ایک بڑھیا کا اکلوتا بیٹا مر گیا ہے اور وہ زار زار رو رہی ہے" - آواز میں اسقدر درد تھا - کہ حضرت ابدیدہ ہو گئے - بے اختیار اٹھے - اور جوتا پہن کر اس بڑھیا کے گھر تشریف لے گئے -

جوان کی لاش ایک چار پائی پر رکھی تھی - بڑھیا اور دوسرے متعلقین کے شور و شیون سے ایک قیامت برپا تھی - حضرت اس نوجوان کے قریب پہنچے - اور بے تحاشا فرمایا -



”یا حیٰ یا قیوم! قم باذن اللہ!“

جوان اٹھ بیٹھا۔ حیرت سے ادھر ادھر نظر دوڑا کر بولا۔  
یہ کیا اسرار ہے! میں تو مر چکا تھا۔ اور میں نے سکرات کی  
تلخی بھی چکھی ہے۔ زندہ کیسے ہو گیا؟

جوان کی بوڑھی ماں نے یہ اعجاز دیکھا۔ تو مہوت ہو کر رہ  
رہ گئی۔ اسے یقین نہیں آتا تھا۔ روتی بھی تھی۔ اور ہنستی بھی  
تھی آنکھوں سے خوشی کے آنسو رواں تھے۔ اور چہرہ مسرت و  
شادمانی سے کھلا جا رہا تھا۔ بچے کے سر آنکھوں پر بوسہ دیا۔  
پھر اسے شیخ کے قدموں میں لا ڈالا۔ اور خود بھی بار بار حضرت  
کی خاک پاؤں کو سرمہ بناتی اور نعلین مبارک کو پیار دیتی تھی۔  
شیخ العارف نے جوان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ارے تو تو  
بیہوش ہو گیا تھا۔ چپ رہ۔ کچھ مت کہہ!!

حضرت مخدوم جہانیاں فرماتے ہیں۔ کہ شیخ العارف کا یہ  
اعجاز ”سر قدر“ اور اس کا تصرف ہے۔ ارشاد کرتے ہیں۔ کہ  
وہ جوان بوڑھا ہوا۔ اور ابھی مرا ہے۔ جب وہ یاروں میں ہوتا۔  
تو ان سے کہتا۔ کہ میں مر گیا تھا۔ اور میں نے سکرات کی  
تلخی بھی چکھی ہے۔ شیخ کی ولایت سے زندہ ہوا\*۔

صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں۔  
کہ شیخ احمد نام ایک سوداگر

شرابی کو ولی بنا دیا

قندھار میں رہتا تھا بہت خوبصورت نوجوان تھا۔ اسے شراب کی



اتنی لٹ پڑ چکی تھی۔ کہ بے پئے ایک لحظہ زندگی بسر کرنا اس کے  
بس کی بات نہ تھی۔

اتفاق سے شیخ احمد اپنا اسباب تجارت ملتان لے آیا۔ اور بازار میں  
ایک شاندار دوکان کرایہ پر لے کر کاروبار شروع کر دیا۔ کام خوب چل  
نکلا۔ شہر بھر میں اسکی شہرت ہو گئی۔ خوب کمایا۔ اور خوب کھایا  
اسکی مے خوارگی کا کسی نے حضرت شیخ العارفؒ سے بھی ذکر کر دیا۔ اور  
عرض کی۔ حضور! شہر کے تمام بے فکرے اسکے ہاں جمع رہتے ہیں۔  
اور دن بھر شراب کا دور چلتا رہتا ہے۔

آپ نے کچھ دیر تامل کے بعد فرمایا۔ ”جب میں بازار سے گذروں۔  
مجھے وہ نوجوان دکھانا۔ بہر حال میرے شہر میں وہ پردیسی ہے۔ اس  
سے الجھنا اور بگڑنا بھی تو مناسب نہیں!“۔

بات رفت گذشت ہو گئی۔ ایک دن اتفاق سے حضور حضرت  
غوث العلمین قدس سرہ العزیز کے مقبرہ کی زیارت\* کو تشریف لئے جاتے  
تھے۔ جب اسکی دوکان سے گذرے۔ تو غلام نے عرض کی۔ حضور یہی وہ  
سوداگر ہے جسکی مے خوارگی کا چرچا حضرت تک پہنچا تھا۔ شیخ نے مڑ  
کر دیکھا۔ تو ایک بانکا، رنگیلا، سچیلا، نوجوان مسند پر بیٹھا پایا۔

\* صاحب سیرالعارفین کے الفاظ یہ ہیں: شیخ احمد در رستہ بازار بہ  
دوکانے نشستہ بود کہ حضرت سلطان العارفین صدرالملة والدین بقصد زیارت مقبرہ  
حضرت ملک المشائخ بہاؤالملة والدین افاض اللہ فی العالمین سے رفتند کہ گوشہ  
چشم مبارک ایشان بر شیخ احمد مذکور افتاد، اس عبارت سے اس خیال کو  
تقویت پہنچتی ہے کہ حضرت صدرالدین عارف کی اہلیہ محترمہ بی بی پاک دامن کی  
رہائش اسی جگہ تھی۔ جہاں اب ان کا مقبرہ ہے۔ حضرت عارف باللہ اس لئے  
شہر سے گذر کر حضرت غوث العلمین کے مقبرہ کی زیارت کو جایا کرتے تھے۔



اسکی جبین سے سعادت کے آثار ظاہر تھے۔ آپ نے خادم سے فرمایا۔ جس طرح بھی ممکن ہو اس نوجوان کو میرے پاس لے آ۔ حضرت زیارت سے فارغ ہی ہوئے تھے۔ کہ خادم نے شیخ احمد کو لا کر پیش کر دیا۔ حضرت آسے اپنے ہمراہ حجرہ شریفہ میں لے آئے گرمی کا موسم تھا خدام نے شربت کا پیالہ پیش کیا۔ آپ نے اس میں سے ایک دو گھونٹ نوش فرمائے اور پھر وہ پیالہ شیخ احمد کی طرف بڑھایا اور فرمایا۔

”بنوش“!

اسکے پیتے ہی نوجوان کا باطن انوار الہی سے جگمگا اٹھا۔ غفلت و بد مستی سے آنکھیں کھل گئیں۔ شیخ کے سراپا پر نظر ڈالی۔ تو کچھ اور ہی کیفیت نظر آئی وہاں شیخ عارف کہاں تھے۔ معرفت الہی کا ایک نور تھا۔ جو زمین سے اٹھ اٹھ کر آسمانی تک باتیں کر رہا تھا۔ شیخ احمد وحدت کے نشہ سے مخمور ہو کر شیخ کے قدموں میں گرے اور بیعت کی التماس کی حضرت نے آسے اٹھا کر گلے سے لگایا۔ اور سمہروردیہ طریقہ کے مطابق اپنے حلقہ بیعت میں شامل کر لیا۔ شیخ احمد خانقاہ غوثیہ سے واپس روانہ ہوا مگر اس حال میں کہ آنکھیں پر آب تھیں اور نظر قدموں سے اٹھنے کا نام نہ لیتی تھی بازار سے گزرے دوکان پر پہنچے۔ تو یاروں کا جمگھٹا لگ رہا تھا۔ انہوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ قسم قسم کے چمکے پھینکے۔ گدگدیاں نکالیں شراب کا پیالہ پیش کیا۔ لیکن یہاں تو کایا ہی پلٹ چکی تھی۔ شیخ احمد نے تحسّر انگیز نظر سے اس مجمع کو دیکھا۔ اور فرمایا



”دوستو! معاف کیجئے۔ میں اب ایسی شراب پی کر آ رہا ہوں۔ جسکا ایک گھونٹ ہمیشہ کے لئے مست بنا دیتا ہے۔ اگر تم بھی ایسے کیف و سرور سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہو۔ تو حضرت شیخ العارفؒ کے قدسوں کی خاک پاک کو سرمہ بصیرت بناؤ۔ اس میخانہ سے کوئی رند بادۃ الست شاکی نہیں۔ جب مجھ سے غریب الوطن پر یہ عنایت ہوئی ہے۔ تو تم جو اس ذات مقدس کے ہم وطن ہو۔ محروم کیسے رہ سکتے ہو!“

مفتی غلام سرور لاہوری مؤلف خزینۃ الاصفیاء فرماتے ہیں۔ کہ شیخ احمدؒ اسی وقت دوکان کا تمام سامان و اسباب گاڑیوں پر لدوا کر خانقاہ معلیٰ پر لے آیا۔ اور فقرا و مساکین میں بانٹ اس طریق سے تجرید اور تفرید کی زندگی شروع کی۔ کہ سات سال صرف ایک تہمد میں گزار دئے۔ جس مست شباب کی پہر پہر کے بعد پوشاک بدلتی تھی۔ اب اس تن نازنین پر سوائے ایک کنہہ چادر کے اور کوئی پارچہ نظر نہیں آتا تھا۔ سات سردیاں اور گرمیاں اسی ایک تہمد میں گذر گئیں۔

حضرت محبوب الہی دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ شیخ احمدؒ پر ہر وقت جذب و سکر کا عالم طاری رہتا تھا۔ اور کمال استغراق کے سبب مشغولی سے آنکھ نہیں کھولتے تھے۔ ایک دفعہ سردی کے موسم میں سخت سرد ہوا چل رہی تھی۔ اور پانی جم کر بچ ہو رہا تھا۔ اسی عالم میں آپ غسل کے لئے دریا پر آئے۔ اور کافی دیر تک پانی میں کھڑے رہے بارگاہ الہی میں عرض کی کہ :-



”اے پروردگار عالم! تو بادشاہ ہے اور اپنے بندوں کی اطاعت سے قطعاً بے نیاز ہے۔ محض اپنی عنایت بے غایت سے بے بضاعت بندوں کو سرفراز کرتا ہے۔ میں اس محبت کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں۔ جو اس ذرہ بے مقدار کو تیری ذات بے ہمتا سے ہے۔ کہ جب تک یہ معلوم نہ کر لوں کہ تیری بارگاہ میں کتنا قرب اور مرتبہ حاصل ہے اس دریا سے قدم باہر نہیں رکھونگا“ \*

ندا آئی۔ کہ

”تیرا مرتبہ ہماری درگاہ میں اتنا ہے کہ قیامت کے دن ایک بڑی مخلوق جو گناہوں سے آلودہ ہوگی تیری سفارش سے آتش دوزخ سے نکال کر بہشت بریں میں داخل کر ونگا“ \*\*

شیخ احمدؒ چل گئے اور بوئے۔

”اے پروردگار! تیری رحمت کا کوئی شمار نہیں اور تیری نعمتوں کا کوئی حساب نہیں۔ میں اس پر اکتفا

\* الہی تو بادشاہی و از طاعت بندگان خود بے نیازی و محض بعنایت بے غایت خود بندگان بے بضاعت را بے نوازی بحق محبت تو کہ تا از قرب و مرتبہ خود کہ مرا بجانب تست آگاہ نہ شوم۔ قدم از آب بیرون ندارم۔ (خا) صفحہ ۵۴

\*\* مرتبہ تو بدرگاہ ما آنست کہ بسیاری از خلایق گنہگار بوسیله جمیلہ تو بروز محشر از آتش دوزخ آزاد کنم و در بہشت رسانم۔ (خا)



نہیں کرونگا“ \*

جواب ملا۔

”اے شیخ احمد ! تمام طالبان حقیقی نے اپنے آپ کو میرا عاشق بنایا ہے۔ لیکن میں تجھے سرفراز کرتا ہوں اور اپنا معشوق بناتا ہوں\*\*“

شیخ احمدؒ نے جب یہ مژدہ فرحت اثر سنا۔ تو فوراً دریا سے باہر نکل آئے۔ اپنا لباس پہنا۔ اور پیر و مرشد کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں جہاں سے گذرتے۔ لوگوں کی زبانی یہ آواز سنائی دیتی۔ کہ شیخ احمد معشوقؒ تشریف لارہے ہیں۔

محمد قاسم مؤلف تاریخ فرشتہ لکھتا ہے کہ شیخ احمدؒ کا جذبہ عشق یہاں تک پہنچا۔ کہ انہیں جہاں اور اہل جہاں کی خبر تک نہ رہی مدہوشی کے عالم میں انہیں ادائیگی فرائض کا احساس تک بھی نہ ہوتا۔ ملتان کے علمائے ظاہر نے انہیں مجبور کیا کہ نماز ادا کریں کیونکہ اگر وہ نماز نہیں پڑھینگے۔ ان پر لفظ مسلمان کا اطلاق نہیں ہو سکے گا۔ آپ نے فرمایا صاحبو! میں معذور ہوں۔ نماز ادا کرنے کی قدرت مجھ میں نہیں ہے۔ لیکن جب ان کا اصرار بڑھ گیا۔ تو فرمایا :-

\* الہی نعمت ترا حمدی و رحمت ترا حصرے ندارد بریں اکتفا نہ کنم۔  
\*\* فرمان شد کہ ہمہ طالبان، خود را عاشق من ساختہ اند۔ من ترا بنواختم و معشوق خود ساختم۔ [خ۱]



”اچھا اگر مجبور کرتے ہو۔ تو تمہاری خاطر نماز پڑھ لیتا ہوں۔ لیکن سورۃ فاتحہ نہیں پڑھونگا“۔

حضرات علماء نے کہا کہ بغیر فاتحہ نماز کیونکر درست ہو سکتی ہے۔ آپ نے فکر مند ہو کر فرمایا اچھا سورۃ فاتحہ بھی پڑھ لیتا ہوں لیکن اَيَّاكَ نَعْبُدُ وَايَّاكَ نَسْتَعِينُ پڑھنے پر اصرار نہ کیجئے علماء نے برہم ہو کر کہا۔

”آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ کیا اس آیہ کریمہ کے بغیر فاتحہ درست ہو سکتی ہے؟ آپ کو فاتحہ بھی پڑھنا ہوگی اور یہ آیت بھی“۔ انجام کار علماء کے اصرار پر آپ مصلیٰ پر نماز پڑھنے کے لئے آکھڑے ہوئے۔ اور نماز شروع کی۔ لیکن جب اَيَّاكَ نَعْبُدُ پر پہنچے۔ ان کے ہر بن سو سے خون جاری ہو گیا۔ یہاں تک کہ آپ کی تمام پوشاک خون سے تر ہو گئی۔ آپ نے نماز توڑ ڈالی۔ اور فرمایا۔ بزرگو! اب میں زن حائضہ کے حکم میں ہوں مجھ پر نماز فرض نہیں رہی“ \*

شيخا باش كه قدم سيد درميان است

شيخ محمد يوسف گردبزی قدس سرہ، العزيز كو دار فانی سے پردہ

کئے تقریباً ڈیڑھ سو برس گذر چکے تھے۔ لیکن اب تک انکی یہ کرامت برابر کار فرما تھی کہ جو شخص مزار نور بار پر جا کر سلام عرض کرتا۔ حضرت اپنا ہاتھ باہر نکال دیتے۔ اس سے

\* فقہائے زمانہ برائے تکلیف شرع اصرار نمودند کہ از بے شعوری و مستی خود را بہوشیاری و حق پرستی سے باید آورد و نماز پنج وقتی ادا سے باید نمود۔ [خا]



لوگوں میں یہ غلط خیال پیدا ہو چلا - کہ شاید جو بزرگ اس قسم کی کرامتیں نہیں دکھاتے ان کا پایہ ان سے کم ہے - اس لئے آپ حضرت کے آستان پر گئے اور سلام پیش کرنے پر جب شیخ کا ہاتھ باہر نکلا تو آپ نے انتہائی نیازمندی سے فرمایا -

”شیخا باش! کہ قدم سید درمیان است“

کہتے ہیں - کہ اسکے بعد حضرت کے ہاتھ کا نکلنا موقوف ہو گیا محمد قاسم فرشتہ کا بیان اس سے مختلف ہے وہ لکھتا ہے کہ سلام عرض کرنے پر جب شیخ کا ہاتھ باہر نکلا - تو حضرت عارف باللہ نے فوراً پانی سنگوا کر وہ ہاتھ دھلا دیا اور فرمایا - کہ شیخ کو شبہ تھا - کہ غسل نے اس ہاتھ کو اچھے طریقہ سے نہیں دھویا - اس لئے وہ بار بار اپنا ہاتھ باہر نکالتے تھے - کہ شاید کوئی مرد خدا اسے دھلوا دے چنانچہ اب یہ ہاتھ باہر نہیں نکلے گا - اس روایت کے صحیح تسلیم کرنے میں تامل اس لئے ہے کہ حضرت کا وصال ۵۳۱ھ میں ہوا ہے - ۵۶۶۱ تک غوث العلمین قدس سرہ العزیز کا سایہ ہا پایہ اس بلدیۃ عظیمہ پر پرتو افگن رہا - اگر محض غسل صحیح نہ ہونے پر شیخ کا دست مبارک بار بار قبر سے برآمد ہوتا - تو حضرت ضرور دھلوا دیتے - تاریخ سے ظاہر ہے کہ شیخ یحییٰؒ گردیزی سجادہ نشین سے حضرت غوث العلمین کے روابط نہایت گہرے تھے - اس لئے میرے نزدیک پہلی روایت زیادہ صحیح ہے والعلم عند اللہ \*

\* تاریخ ملتان بزبان فارسی از شیخ محمد یوسف صاحب گردیزی مرحوم



خاکِ شما در خطہٴ بدایوں | حضرت مولانا حسامالدينؒ  
آسودہ خواہد شد | شيخ الاسلام عارف بالله کے

جليل القدر خليفه تھے - اور سالہا سال حضرت کی صحبت میں بسر کر چکے تھے - فرماتے ہیں - ایک دفعہ میں حضرت خلاصۃ المشائخ صدر الملة والدين کے ہمراہ شيخ الاسلام بہاء الملة والدين قدس سرہ کے روضہ اطہر کی زیارت کو گیا - حضرت عارف بالله جب زیارت سے فارغ ہو کر باہر تشریف لائے میرے دل میں خیال گذرا - کہ اگر ایک ٹکڑا زمین کا اپنی قبر کے لئے مانگ لوں - تو کیا عجب ہے - کہ شيخ کبيرؒ کی ہمسائیگی کے طفیل مجھے عذاب دوزخ سے نجات مل جائے بمجرد اس خیال کے گزرنے کے شيخ المشائخ صدر الملة والدين نے میری طرف دیکھا اور مسکرا کر فرمایا -

”مولانا حسامالدين! زمین از برائے مزار شما دريغ نيست اما حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم زمينے پاک برائے مزار شما در خطہٴ بدایوں اشارت فرمودہ است، البتہ خاکِ شما در آنجا آسودہ خواہد شد“۔

شيخ المشائخ حضرت محبوب الہی دہلوی کا بیان ہے - کہ جب قضا و قدر مولانا حسامالدين کو بدایوں لے گئی - تو ایک رات انہوں نے خواب میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک جگہ بیٹھے وضو فرما رہے ہیں - صبح کو اس مقام پر گئے تو یہ دیکھ کر انکی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ زمین وضو کے پانی سے بھیگی ہوئی ہے - اور



وضو کا نشان ظاہر ہے۔ حضرت مولانا نے وصیت کی۔ کہ مجھے اسی مقام پر دفن کیا جائے۔ چنانچہ بعد وفات وہاں دفن کئے گئے۔ مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں۔ کہ شیخ حسام الدین قاضی جال کے نام سے بھی موسوم کئے جاتے تھے۔ چنانچہ محدث دہلویؒ نے اخبار الاخیار میں آپ کا ذکر قاضی جالؒ کے نام سے ہی کیا ہے۔

مولانا علاؤالدینؒ نام ایک جید عالم آکر حضرت کے مرید

محبوب اللہ شدہ دیگرچہ سے خواہی؟

ہوئے۔ دنیا ان کے فضل و کمال کی معترف تھی۔ بہترین خطیب، عمدہ قاری اور اپنے دور کے مسلمہ محدث اور مفتی تھے۔ شیخ العارفؒ نے ان پر بڑی شفقت کی اپنے حجرہ کے قریب انہیں رہنے کو جگہ دی اور اس محبت سے تربیت فرمائی کہ مولانا تھوڑے سے عرصہ میں درجہ کمال کو پہنچ گئے۔ پیر اور مرید کی یہ آفت روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ حضرت مجلسراے سے باہر تشریف لاتے تو مولانا کی طلبی ہوتی۔ گھڑی دو گھڑی آرام کے لئے حرم میں جانے لگتے۔ تو مولانا کے کندھے پر ہاتھ رکھے مہمان خانہ اور حجرہ نشین درویشوں کی بابت ہدایات دیتے چلے جاتے۔ گویا پہلی اور آخری ملاقات مولانا سے ہی ہوتی تھی۔ یہی کیفیت مولانا کی تھی کہ سارا دن پروانہ وار شیخ پر سے تصدق ہوتے رہتے۔ حضرت مجلسراے میں جاتے تو یہ بے چینی سے ڈیوڑھی شریف سے حجرہ مبارک تک آمد و شد کرتے رہتے۔ شیخ برآمد ہوتے۔ تو اس طرح لپک کر قدموں میں گرتے جیسے مدت سے بچھڑے ہوئے ہوں۔ اس اضطرار اور کثرت کار کے



باوجود مولانا کی زبان ہر وقت مصروف تلاوت رہتی کلام پاک کا ایک ختم دن کو اور ایک رات کو بالالتزام کیا کرتے اور یہی زندگی تک معمول رہا۔ اتنے مرتبہ کے باوجود مولانا کی تشنگی جوں کی توں قائم تھی اور حضرت کو بھی ان کی سچی تڑپ کا شدید احساس تھا۔ ایک رات کڑا کے کی سردی میں حضرت تہجد کے لئے باہر نکلے۔ تو کوئی درویش گٹھری سا بنا قدموں میں آگرا۔ آپ نے پہچانا تو وہ مولانا علاؤالدینؒ تھے۔ سردی سے ان کا بدن کپکپا رہا تھا۔ اور اعضا سن ہو چکے تھے۔ آپ نے انہیں اٹھا کر گلے سے لگایا اور فرمایا :-

”مولانا! محبوب اللہ شدہ دیگرچہ سے خواہی؟“

”یعنی تم خدا کے محبوب تو بن چکے ہو اور کیا چاہتے ہو!“۔ مولانا تو شاید اسی مژدہ کے منتظر تھے۔ شیخ سے یہ بہت بڑا اعزاز پا کر بے خود سے ہو گئے۔ اور فوراً مسرت سے رقص کرنے لگے۔ خدا کی شان صبح کو ہر طرف اس امر کا چرچا ہو گیا اور جو بھی ملتا مولانا کو ”محبوب اللہ“ کہہ کر خطاب کرتا۔

حضرت شیخ العارفؒ بالعموم عصر کے بعد وعظ فرمایا کرتے تھے اور جب کبھی طبیعت حاضر نہ ہوتی مولانا کو وعظ کرنے کا حکم دیتے۔ لیکن منبر پر وہ کیسے چڑھتے۔ ہاں البتہ اسے بوسہ دے کر پہلو میں کھڑے ہو جاتے اور ایسی درد انگیز تقریر کرتے کہ حاضرین کی روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتیں۔ تقریباً چودہ سال اس نہج پر مولانا نے بسر کر دیئے۔ اور جب شیخ کا وصال ہو گیا۔ تو حضرت قطب الاقطابؒ کی غلامی میں اوقات بسری



اختیار کی۔ اور جب وہ بھی پردہ فرما گئے تو پھر مخدوم جہانیاں جہان گشت بخاری قدس سرہ سے نیاز مندی کا رشتہ جوڑا اور ۱۳۰۵ء میں رفیق اعلیٰ کو لبیک کہتے ہوئے دار فانی سے عالم باقی کو کوچ کیا۔ مفتی غلام سرور لاہوری مولانا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :- \*

”شیخ علاؤالدین ملتانی از اعظم خلفائے شیخ صدرالدين عارفؒ بود بغایت عابد، زاہد، متقی، عالم بعلوم ظاہری و باطنی، در کرامت و خوارق مشہور نزد پیر خود عزتے تمام داشت و شیخ العارفؒ او را بخطاب محبوب الله مخاطب فرمودے و وے را باسید جلالالدين مخدوم جہانیاں رابطۂ اتحاد و محبت بکمال بود،“

مولانا جالیؒ فرماتے ہیں کہ \*\* :-

”مولانا علاؤالدین بن محمد در علم و عمل ممتاز و در صدق و صفا محرم راز، موازنہ چہارده سال ملازمت و خدمت حضرت شیخ الاسلام صدرالحق والدين قدس سرہ مقام قرب داشت و حضرت شیخ العارفؒ او را محبوب الله خواندے مولانا اکثر در صحبت آن سلطان الاوتاد بودے و او را در شبانہ روز دو ختم کلام الله لازم بودے،“

\* خزینة الاصفیا جلد دوم صفحہ ۵۶ -

\*\* سیر العارفين صفحہ ۱۰۶ -



ہمچو ذوالفقار علی رضسیف زبان | ایک اور بزرگ شیخ صلاح الدین  
بے نیام دار! | درویشؒ حضرت عارف باللہؒ کی

خدمت میں حاضر ہوئے جو اپنی سیفِ زبانی کے سبب صوفیاء میں خاص  
شہرت رکھتے تھے۔ آپ نے اُسے مرید کیا اور فرمایا اگرچہ ”یہ دور  
صوفیاء کے لئے قطعاً ناسازگار ہے اور ”اعلائے کلمۃ الحق“ میں خطرات  
بہت ہیں، تاہم ہمارے مشائخ اس میدان میں پیش پیش رہے ہیں۔  
آج کل دارالسلطنت دہلی کو تم جیسے مجاہدین کی سخت ضرورت ہے۔  
جاؤ اور ذوالفقار علیؒ کی طرح اپنی زبان کو ہر وقت بے نیام رکھو۔  
خدا کے حی و قیوم کے سوا کسی سے مت ڈرو۔ انشاء اللہ تم ہر  
مصیبت سے محفوظ رہو گے۔“

خادم کو اشارہ فرمایا وہ توشہ خانہ سے خرقة لے آیا آپ  
نے شیخ صلاح الدین کو کھڑا کر کے اپنے دستِ خاص سے  
خرقة مبارک پہنایا۔ اور بغل گیر ہو کر حصانتِ الہی میں  
رخصت کیا۔

شیخ صلاح الدین رجعتِ قہقری کرتے ہوئے رخصت ہوئے  
تو شیخ العارف پر دفعۃً ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ ان کا  
چہرہ آفتاب کی طرح دمک اٹھا اور وہ وجد انگیز طریق سے  
یہ اشعار زیر لب گنگنانے لگے۔

با ازاں محتشائم کہ ساغر گیرند  
نہ ازاں مفلسگان کاں بز لاغر گیرند  
بیکے دستِ مے خالص ایماں نوشند  
بیکے دستِ دگر ”پرچمِ کافر“ \* گیرند

\* شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سنہروردی رضی اللہ عنہ



شیخ صلاح الدین درویش پیر طریقت سے مرخص ہو کر دہلی آئے۔ تو یہاں انہوں نے حضرت نصیرالدین چراغ کی ہمسائیگی میں قیام کیا۔ ان کے ساتھ رابطہ اتنا بڑھا کہ دونو بزرگوار یک جان دو قالب نظر آنے لگے۔ سلطان بلبن کے بعد حکومت کے کل پرزے سست پڑ گئے۔ ہر طرف خرابی کے آثار دکھائی دینے لگے۔ نمک حرام خسرو خاں نے بھی کسر پوری کر دی۔ غیاث الدین تغلق نے سلطنت کی گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالا۔ اور رعایا نے نئے سرے سے اطمینان کا سانس لیا۔ مگر یہ بادشاہ درویشوں کا چنداں معتقد نہ تھا۔ اس سے حضرت قطب الاقطاب رکن الدین عالم اور محبوب الہی نظام الدین اولیاء رضوان اللہ علیہم کو سخت روحانی اذیتیں پہنچیں۔ محمد تغلق کا دور آیا۔ تو تمام مشائخ ناقابل برداشت مصائب میں پھنس گئے۔ اس نے ان کے اثر و نفوذ کو کم کرنے کے لئے انہیں بچ کی خدمتیں سپرد کیں۔ سب سے بڑا وار سلطان نے خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی پر کیا۔ انہیں اپنی جامہ داری یعنی کپڑے پہنانے پر مامور کیا۔ شیخ نے انکار کیا۔ تو ان کو جیل میں ٹھونس\*\*

کے معاصر تھے۔ تاتاری حملے میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ کہتے ہیں شہادت کے وقت انہوں نے تاتاریوں کا جھنڈا پکڑا ہوا تھا۔ دس کافروں نے مل کر زور لگایا مگر جھنڈا شیخ کے ہاتھ سے نہ چھوڑا سکے۔ آخر کار انہوں نے اس کے پھریرہ کو کلٹ لیا۔ اس رباعی میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ - نفعات الانس صفحہ ۴۵۴ -

\*\* سیر الاولیاء و سیر العارفين -



دیا۔ اس طرح شیخ ضیاءالدين سمنانی، مولانا شمسالدين یحییٰ مولانا کمالالدين، مولانا عمادالدين غوری، شیخ قطبالدين منور اور مولانا فخرالدين زراذی رحمہم اللہ علیہم اجمعین جیسے اکابر اولیاء اللہ کو دربار میں طلب کر کے روحانی کفّتیں پہنچائیں۔ یہ تمام اہل اللہ سلطان المشائخ کے مرید تھے۔ اور انکی وصیت کے احترام میں خاموش رہے۔ شیخ شہابالدين حق گو نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے زبان کھولی تو سلطان کی سیاست کا شکار ہو گئے۔ اس ماحول میں کس کو شہنشاہ کے خلاف لب کشائی کی جرأت ہو سکتی تھی۔ لیکن شیخ العارف کے محبوب خلیفہ صلاحالدين درویش نے اس موقع پر اپنے فرض کو پہچانا اور وہ بالعموم

أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ الْحَقِّ عِنْدَ سُلْطَانِ الْجَائِرِ

کی تعمیل میں سلطان کو خلق خدا پر رحم کرنے کی نصیحتیں فرمایا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی سرِ دربار ایسی کھری کھری سناتے کہ امراء دم بخود رہ جاتے۔ اس کے باوجود شیخ ہمیشہ سلطان کے شر سے محفوظ رہے اور وہ باوجود اپنی شہرہ آفاق سخت گیری کے شیخ کا بال بیکا تک نہ کر سکا۔ مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں:۔

”آنچه از جانب سلطان محمد تغلق بمشائخ عظام ایذا

و تکلیف می رسید او (شیخ صلاحالدين درویش) سیاست

سلطان را هیچ بخيال نمی آورد و با سلطان سخنان

سخت می گفت \*



اربابِ دانش سمجھ سکتے ہیں۔ کہ اتنی سیفِ بیانی کے باوجود سلطان کی سیاست سے بچ نکلنا کراست سے خالی نہیں تھا۔ ہمارا یقین ہے کہ ملتان سے چلتے وقت شیخ طریقت نے انہیں جو دعا کی تھی وہ سایہ کی طرح ان کے ساتھ رہی اور ضرورت کے وقت سپر کا کام دیتی رہی۔ کہتے ہیں کہ شیخ صلاح الدین کی نگاہ میں بلا کا اثر تھا اور کوئی ان سے نظر ملا کر بات نہیں کر سکتا تھا اور اگر کسی پر خفگی کی نظر کرتے تو وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک جوان گھوڑے پر سوار چلا جاتا تھا اور وہ گھوڑا بہت خوبصورت اور خوش رفتار تھا۔ دفعۃً اس نے گھوڑا کے چابک مارا۔ شیخ صلاح الدینؒ پاس سے گزر رہے تھے اور انکی نظر گھوڑے پر تھی۔ وہ اسکی خوبصورتی اور سبک رفتاری پر خوش ہو رہے تھے کہ تراخ سے چابک پڑنے کی آواز آئی۔ شیخ اچھل کر ایک جانب کو ہٹ گئے اور سوار پر قہر و غضب کی ایسی نگاہ ڈالی کہ وہ گھوڑے سے گر پڑا اس حادثہ کو دیکھ کر بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جو نشان چابک لگنے سے گھوڑے پر پڑا تھا وہی اسی شکل میں اور اسی جگہ شیخ کے اندام پر موجود تھا \*  
 شیخ کو تا دم زیست حضرت چراغ دہلوی سے عقیدت اور محبت رہی۔

\* جوانے بر اسپ سوار مے رفت و آن اسپ بسیار خوش شکل و خوش رفتار بود ناگہ آن جوان بروے تازیانہ زد شیخ بر آن جوان غضب کرد وے از اسپ بیفتاد و چون نگاہ کردند زخم آن تازیانہ بر اندام شیخ نقش بود۔ اخبار الاخیار صفحہ ۶۶۔



اور آن سے اکتساب فیض بھی کیا۔ بقیہ عمر مل کر بسر کی اور سچ یہ ہے کہ انہیں موت بھی ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکی۔ حضرت محبوب اللہی کے مقبرہ سے تین میل دور دونو دوستوں کے مقبرے پہلو بہ پہلو کھڑے زبان حال سے سہر و وفا کے قصے دوہراتے دکھائی دیتے ہیں۔ ۵۴۰ھ میں آپ راہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ ۲۲ صفر کو آپ کا عرس بڑے اہتمام سے ہوا کرتا تھا \*۔

اگرچہ آج شیخ ہم میں نہیں ہیں تاہم ان کے مرقد کا ہر ذرہ ہزار زبان پکار پکار کر رہا ہے کہ

مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر

شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا

گذر جا بن کے سیلِ عتدرو کوہ و بیاباں سے

گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

نیز محدث دہلوی نے ایک مناجات آپ سے منسوب کی ہے ہم اس کے چند جملے یہاں درج کرتے ہیں۔

و اللہم بحرمت آن وقت و ساعت کہ صلاح درویش را

”قبیل سفید“، خواندی، اللہم بحرمت آن وقت و ساعت

کہ صلاح درویش را در زیر درخت برگد در مقام

امروہہ اللہ تبارک و تعالیٰ یقرئک السلام،، گفتی \*

(الی آخرہ)



سبیاں دل سے چلے

خلفائے غوثیہ اپنی منزلوں کی طرف



## عراقیؒ بعراق رفت

مولانا عراقیؒ کا ذکر حضرت غوث العلمینؒ کی سیرت میں تفصیل سے ہو چکا ہے۔ بقول نفعات الانس پچیس برس اور بقول خزینۃ الاصفیاء بیس برس مولانا عراقی نے شیخ کی خدمت میں بسر کئے۔ شیخ کے وصال کے بعد پھر ان پر کیف و سکر کا عالم طاری ہو گیا۔ اور وہ مغلوب الحال ہو کر اپنے جذبات کا اظہار شعرو شاعری سے کرنے لگے۔ خانقاہ کے درویشوں نے مولانا کی اس صورت حال کو شدت سے محسوس کیا۔ کیونکہ سہروردیہ سلسلے میں ذکر اور مراقبہ کے سوا دوسری کوئی چیز مروج نہ تھی۔ اور ان کی غزل خوانی سے ان کی یکسوئی میں فرق آتا تھا۔ بعض تذکروں میں لکھا ہے۔ کہ یہ شکایت ملتان کے صوبیدار تک پہنچائی گئی۔ جس پر مولانا ملتان سے دل برداشتہ ہو کر حجاز کو روانہ ہو گئے۔ کلیات عراقی میں چند قصائد ایسے ملتے ہیں۔ جو اس عہد کے بلند پایہ واعظ اور عارف شیخ حمیدالدین کے فضائل اور مناقب پر محیط ہیں۔ مولانا کو ان سے بڑی محبت تھی قصائد سے پتہ چلتا ہے۔ کہ وہ بھی ان دنوں ملتان سے جا چکے تھے۔ اور ان کے بغیر ملتان انہیں اچھا نہیں لگتا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

ہمہ جائے ترا خوش است و لیک

بے تو خوش نیست اہل ملتان را

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔



دوستان منتظرِ مقدمِ میمونِ تواند  
 بیش ازین سے نشکیند بیا زود ترے  
 گر عزیمت کنی اے دوست بسوئے ملتان  
 چہ مبارک بود آن عزم و چہ نیکو سفرے

انہی ایام میں انہیں عراق سے شمس الدین نام کسی دوست کا خط  
 ملتا ہے۔ جس پر وطن کی یاد انہیں بے اختیار تڑپا دیتی ہے بے قرار  
 ہو کر پکار اٹھتے ہیں۔

”یا رب این بوئے چنیں خوش زگستاں آید  
 یا ز باغ ارم و روضہ رضواں آید  
 یا صبا بوئے سر زلف نگارم آورد  
 یا خود این بوئے زخاک خوش یکجاں آید  
 شمس دین آنکہ بدو دیدہ من روشن شد  
 نور او در ہمہ آفاق درخشاں آید  
 لطف فرمود فرستاد یکے درج گہر  
 کہ ازاں ہر گہرے نایۂ صد کان آید  
 تا مزا در نظر آمد خط جان پرور او  
 اے بسا آب کہ در دیدہ گریاں آید  
 شکر کردم کہ پس از مدت سی و شش سال  
 یادش از یاد کی از بے سرو ساماں آید  
 اے برادر چہ دہم شرح کہ دور از تو مرا  
 بر دل تنگ چہ غمہائے فراواں آید



یافتم صحبت اوتاد گرم روزے چند  
 این همه سنگ محن بر سر من زان آید  
 بعراق ار نرسد باز عراقی چه عجب  
 کہ نہ هر خار و خسه لائق بستان آید

دانش گاہ لاہور کے کتاب خانہ  
 میں ”کلیات عراقیؒ“ کا ایک

غوث العلمین کا مرثیہ

قدیم ترین نسخہ موجود ہے\* اگرچہ وہ بیحد ضعیف ہے اور اس  
 کے مقدم و مؤخر کے بہت سے اوراق بھی نہیں ہیں۔ تاہم دوسرے  
 نسخوں کے علی الرغم اس کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ اس میں عراقیؒ  
 کا وہ مشہور عالم مرثیہ درج ہے جو اس نے حضرت غوث العلمین  
 قدس سرہ کے وصال پر موزوں کیا تھا۔ اسے عراقیؒ نے ترکیب  
 بند کی صورت میں لکھا ہے۔ اور ہر بند کے آخر میں ٹیپ کا  
 ایسا شعر دیا ہے جو مضمون کے اعتبار سے اگلے بند کو پھلے  
 بند کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔ یہ مرثیہ فنی حیثیت سے  
 فارسی ادب کی جان ہے۔ اس میں عراقیؒ نے حضرت غوث العلمینؒ  
 کی عظمت و جلالت اور ان کے فراق میں اپنے دل کے سوز و گداز  
 کو اس اسلوب سے بیان کیا ہے۔ کہ پڑھنے سے بے اختیار  
 آنسو ٹپک پڑتے ہیں۔ لاریب یہ اشعار عراقیؒ اور ان جیسے لاکھوں  
 سہروردی درویشوں کے دلی کیفیات کی صحیح عکاسی کرتے ہیں۔  
 ایسا معلوم ہے۔ کہ مولانا نے اپنی چیخوں کو اعجازی طور پر

\* اوراق ۹۰ تقطیع ۸ × ۱/۲ انچ سطور ۱۹ خط تعلیق تاریخ کتابت ندارد



اشعار کی صورت دے دی ہے۔ ان کے دیکھنے پڑھنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ عراقیؒ سیدنا بلال رضی کی طرح محبوب کی جدائی کو برداشت نہ کر سکا۔ اور بسینہ بریان و بدیدہ گریاں دیار حبیب سے رخصت ہو گیا۔

اب مرثیہ کا متن مع ترجمہ کے درج کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

عراقی مے گوید

کارم از دست رفت و دست از کار  
دیدہ بے نور ساند و دل بے یار  
افسوس مقصود ہاتھ سے نکل گیا۔ اور ہاتھ مراد سے رہ گیا۔  
آنکھ بے نور اور دل یار سے محروم ہو گیا۔

دل فگارم ، چرا نگریم خون—!

درد مندم ، چرا تنالم زار—!

دل فگار ہوں خون کے آنسو کیوں نہ روؤں ! ، درد مند ہوں  
گریہ کیوں نہ کروں !!

خاک بر فرق سر چرا نکم

چوں تشویم بخون دل رخسار

سر پر مٹی کیوں نہ ڈالوں ؟ اور خون دل سے رخساروں کو  
کیوں نہ دھوؤں ؟

یار غارم زدست رفت دریغ

ساندم افسوس پاٹے بر دم بار

افسوس ! میرا یار غار جاتا رہا۔ اور میری حالت اس شخص  
جیسی ہو گئی جس کا پاؤں سانپ کی دم پر آجائے۔



آفتابم زخانہ پیروں شد

منم امروز و وحشت شب تار

میرا آفتاب گھر سے چلا گیا۔ اب میں ہوں اور اندھیری رات کی  
وحشت ہے۔

چوں ننالہم چرا نگریم زار

چوں نہ جویم چو سے نہ بینم یار

کیوں نالہ نہ کروں اور کیوں زار زار نہ روؤں اور جب دوست  
نظر نہیں آتا تو اسے تلاش کیوں نہ کروں!۔

خود ہمہ خون گریستے برسن

بودے ار چشم بخت من بیدار

اگر میرے بخت کی آنکھ بیدار ہوتی۔ تو مجھ پر خون کے  
آنسو بہاتی۔

روشنائی دیدہ رفت افسوس!

منم امروز و دیدہ خون بار

افسوس! میری آنکھ کی روشنی ختم ہو گئی۔ اور آج میری آنکھیں  
خون بار ہیں

آنچنانم کہ دشمنم چو بدید

زار بگریست بر دل من زار

شیخ الاسلام کے فراق میں میری یہ حالت ہو چکی ہے کہ جب  
دشمن نے مجھے دیکھا تو وہ بھی میرے دل زار پر بے اختیار  
رو پڑا۔

خاطر عاشقے چہ ساں باشد

ہم دل از دست رفتہ ہم دلدار



اس عاشق کی کیا حالت ہوگی کہ جس کا دل بھی ہاتھ سے نکل گیا ہو اور دلدار بھی۔

سوختم ز آتشِ جدائی او  
مرہم نیست جز غم و تیار  
محبوب کی جدائی کی آگ میں جل رہا ہوں اور غم و اندوہ ہی  
میرے مرہم ہیں۔

کارم از گریہ راست مے نشود  
چکم چپست چارہ این کار  
لیکن رونے دھونے سے بھی مقصود حاصل ہوتا دکھائی نہیں دیتا  
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں اور اس کا چارہ کار  
کیا ہے!۔

دلیم از من بسے خراب ترست  
خاطرم از جگر کباب ترست  
دل کی حالت مجھ سے زیادہ خراب ہے۔ اور وہ جگر سے زیادہ  
کباب ہو رہا ہے۔

۴

دوش پر سیدم از دل غمگین  
بے رخ یار چونی اے مسکین  
رات کو میں نے اپنے غمگین دل سے پوچھا کہ اے مسکین!  
دیدار دوست کے بغیر تیرا کیا حال ہے؟  
دل بنالید زار و گفت پرس  
چہ دہم شرح، حال خود سے ہیں



دل نے رو کر کہا کہ کیا حال بتاؤں ، صورت ہیں حالِ میرس  
چوں بود حال ناتواں سورے  
کہ کند قصد کعبہ از در چین  
اس سور ناتواں کا کیا حال ہوگا جو چین سے کعبہ کا قصد  
کرے۔

زیر چنگ آردش دے سیمرغ  
بردش بر تر از سپہر بریں  
اور پھر اسے راستے ہی میں یکدم سیمرغ اپنے چنگل میں لے کر  
آسمان پر اڑ جائے۔

باز سیمرغ بر پرد ہوا  
ماند او اندراں مقام حزین  
پھر وہ سیمرغ ہوا میں اوپر ہی اوپر اڑتا چلا جائے۔ (کچھ دُور جا کر کسی  
مقام پر چیونٹی کو چھوڑ دے) اور وہ بچاری اسی غمگین جگہ میں رہ جائے۔  
منم آن مور آنک آن سیمرغ  
مرغ عرش آشیان سدرہ نشین  
مجھے وہی چیونٹی سمجھو جسے سیمرغ اڑا لے گیا۔ وہ مرغ جس کا  
آشیانہ عرش پر تھا اور جو سدرہ پر بیٹھنے والا تھا۔

آنک کرد از قفس چناں پرواز  
کاشش در نیافت روح امین  
جب اس مرغ نے قفسِ عنصری سے پرواز کی تو جبریل امین کو  
بھی اس کا نشان نہ مل سکا۔

چوں بگردش نمے رسد جبریل  
چہ عجب گر نماندش بز میں



جب جبریل اس کی گرد کو نہیں پہنچ سکا تو بسا ممکن ہے کہ وہ زمین پر ہی نہ رہا ہو۔ !

زیبید ار بشکند قفس سیمرغ  
بے صدف قدر یافت در شمیم

سیمرغ اگر قفس توڑ دے تو زیبا ہے کیونکہ گراں بہا موتی کی قدر اس وقت ہوتی ہے جب وہ سیپ سے نکل آئے۔

چوں نگنجید زیر نہ پردہ  
شد، سرا پردہ زد بعلیین

جب نو پردوں (نو آسمانوں) کے نیچے نہ سا سکا تو اس نے علیین میں اپنا مقام بنا لیا۔

از حدود صفات بیرون شد  
واندر اقطار ذات گشت مکین

صفات کی حدود سے باہر ہو گیا اور اطراف ذات میں مکین ہو گیا۔

او رواں کردہ سوئے رضوان انس  
باز شوقش طپاں چو روح قدس

وہ روضہ رضوان کی طرف چلا گیا اور ہم جبرئیل کی طرح اس کے شوق میں تڑپ رہے ہیں۔

۳

شاید ار شور در جہاں فگنیم

گریہ بر پیر و بر جوان فگنیم

اگر ہم دنیا میں شور ڈال دیں تو جائز ہے۔ اور اگر پیر و جوان کو رلائیں تو بجا ہے۔



رستخیزی زجاں بر انگیزیم  
 غلغلے در ہمہ جہاں فگنیم  
 دل سے ایک شور قیامت اٹھائیں اور سارے جہاں میں غلغلہ  
 ڈال دیں۔

بر فروزیم آتشے ز دروں  
 شررے در جہانیاں فگنیم  
 دل کی آگ بھڑکا کر دنیا میں اسکی ایک چنگاری ڈال دیں۔

سنگ بر سینہ لحظہ لحظہ ز نیم  
 خاک بر سر زماں زماں فگنیم  
 ہر لمحہ سینے پر پتھر ماریں اور ہر لحظہ سر پر مٹی ڈالیں۔

آب حسرت رواں کنیم ز چشم  
 سیلِ خون در حصارِ جاں فگنیم  
 آنکھوں سے اشکِ حسرت بہائیں اور تین و جاں کے اندر خون کا سیلاب  
 لا ڈالیں۔

غرقِ خونیم خیز! تا خود را  
 زیں خطر گاہ بر کراں فگنیم  
 اے مخاطب! ہم خون میں غرق ہیں۔ اٹھ تاکہ اپنے آپ کو اس  
 خطرے کی جگہ سے علیحدہ لے جائیں۔

قدسے بر ہوا نیم مگر  
 خویشتن را بر آساں فگنیم  
 ہوا میں قدم رکھ کر اپنے آپ کو آسمان پر پہنچائیں۔  
 از پے جست و جوی او نظرے  
 در ریاضِ خوش جہاں فگنیم



اور اس دوست کی جستجو میں ایک نظر ریاضِ جہاں پر ڈالیں -  
 ورنہ نیابیم در مکانِ او را  
 خویشتن را بلا مکانِ فگنیم  
 اور اگر وہ مکان میں نہ ملے تو پھر اپنے آپ کو لا مکان میں  
 لے جائیں۔

مر کب عشقِ زیرِ راں آریم  
 رختِ زان سوی کُن فکانِ فگنیم  
 مر کب عشقِ پر سوار ہو کر اپنا ڈیرا ڈنڈا کن فکان سے دوسری  
 طرف لے جائیں۔

پس در آن بارگاہِ عزت و ناز  
 عرضہ داریم از زبانِ نیاز  
 اور اس کے بعد اس عزت و ناز کی بارگاہ میں زبانِ نیاز سے  
 عرض کریں۔

۴

کان تمنائے جان حیراں کو؟  
 آرزوئے دلِ مریداں کو؟  
 کہ وہ میری حیرانِ جان کی تمنا اور مریدوں کے دل کی آرزو  
 کہاں ہے؟

ما ہمہ عاشقیم، دوست کیجا ست؟  
 درد مندیم، جملہ، درماں کیجا ست؟  
 ہم سب عاشق ہیں، محبوب کہاں ہے؟ ہم سب درد مند ہیں،  
 دوا کہاں ہے؟



گرد میدانِ قدس بر گردیم

کاخر آن شہسوارِ میدانِ کو؟

ہم میدانِ قدس کے ارد گرد گھوم رہے ہیں تاکہ معلوم کریں  
کہ وہ سرد میدان کہاں ہے؟

پس ز روجانیاں خبر پرسم

کای \* ندیمانِ خاص، سلطان کو

پھر فرشتوں سے پتہ لیں کہ اے خاص ہم نشینو! سلطان کہاں ہے؟

پیش مرغانِ عرش لایہ کنیم

کاخر این تخت را سلیمان کو؟

مرغانِ عرش کی خوشامد کر کے پوچھیں کہ آخر اس تخت کا سلیمان کہاں ہے؟

شاہبازِ فضائے قرب کیجاست؟

آفتابِ سپہر و عرفان کو؟

فضائے قرب خداوندی کا شاہباز اور آسمانِ عرفان کا آفتاب کہاں ہے؟

پر تو آفتابِ سرِ قدم

در سرائے حدوتِ تابان کو؟

رازِ قدیم کے نیرِ اعظم کا پر تو سرائے حدوت میں کہاں چمک رہا ہے

چند اشاراتِ خود صریح کنیم

غوثِ دین، قطبِ چرخِ ایمان کو؟

اپنے اشارات کی تصریح کریں اور پوچھیں کہ دین کا غوث اور چرخِ

ایمان کا قطب کہاں ہے؟



مطلع نور ذوالجلال کجاست؟  
 مشرب فیض قدس سلیمان کو؟  
 نور ذوالجلال کا مطلع اور خدا کے فیض قدس کا مشرب کہاں ہے؟  
 خاتم اولیاء امام زمان  
 مرشد صد ہزار حیران کو؟  
 خاتم اولیاء، امام زمان اور لاکھوں حیران مریدوں کا مرشد کہاں ہے؟  
 روضہ حق \* بہاء عالم قدس  
 زکریا ندیم رحمان کو؟  
 حق کا چمن، عالم قدس کی رونق، ندیم رحمان حضرت زکریا (غوث العلمین)  
 کہاں ہے؟

چہ عجب گر بگوشِ جان ہمہ  
 آید از غیب سرِ این کلمہ  
 کیا عجب ہے اگر سب لوگوں کے کانوں میں غیب سے یہ بات پہنچے۔

۵

کین دم آن سرور شہا با ماست  
 انک امروز دست او بالا ست  
 اس وقت تمہارا سردار ہمارے پاس ہے جو آج سب سے بالا دست ہے  
 دستگاہش یمینِ لم یزلیست  
 رتبتش بر تر از قیاس شہاست  
 اللہ کا ہاتھ اس کا ہاتھ ہے اور اس کا رتبہ تمہارے قیاس سے اونچا ہے  
 منزلش صحنِ قابِ قوسین است  
 مجلس او بساطِ او ادنیٰ ست

\* کلیات عراقی مطبوعہ صفحہ ۵۲ : صاحب (بجائے روضہ)



قَابِ قَوْسِیْنِ كَا صَحْنِ اَسْكِ نَنْزَلِ اَوْرِ اَوْ اَدْنٰی كِی بَسَاطِ اَسْكِ نَشِیْتِگَآهِ هِے

درِ هَوَاے هُویتشِ جَوْلَانِ

درِ سِرَاے حَقِیْقَتشِ مَآوَاسْتِ

هَوِیْتِ خَاصَهْ كِی مَحَبَّتِ اَسْكِ جَوْلَانِگَآهِ اَوْرِ سِرَاے حَقِیْقَتِ اَسْكِ قِیَامِ گَآهِ هِے

هَر دُو عَالَمِ دَرَوْنِ قَبْضَهْ اَوْسْتِ

بَارِ اَوْ دَرِ دَرَوْنِ صَفَهْ مَآسْتِ

دُونُو جِهَانِ اَسْ كِی قَبْضَهْ مِیْنِ هِیْنِ - اَوْرِ هَمَارے صَفَهْ مِیْنِ اَسْ كَا سَامَانِ هِے

گَرچَهْ دَرِ جَاے نِیْسْتِ لِیْكَ زَلْفِ

هَر كِجَا كَشِ طَلْبِ كُنِیْ اَنْجَاسْتِ

اِگَرچَهْ وَهْ كَسِیْ مَخْصُوصِ جِگَهْ پَرِ نِهْیْنِ لِیْكَنِ اِپْنِیْ لَطَافَتِ كِی

وَجَهْ سَے جِهَانِ كَهْیْنِ اَسَے پَلَاؤْ كَے وَهْیْنِ هُوْگَا

دِیْدَهْ بَآیْدِ كَهْ جَانِ تَوَانْدِ دِیْدِ

وَرنَهْ اَوْ دَرِ هَمَهْ جِهَانِ پِیْدَا سْتِ

رُوحِ كُو دِیْكَهْنِے كَے لَئِے بَهْیْ نَظَرِ چَآهْتِے وَرنَهْ جِهَانِ مِیْنِ وَهْ هَر جِگَهْ مَوْجُودِ هِے

دَرِ جِهَانِ اَفْتَابِ تَا بَا نِسْتِ

عِیْبِ اَز بَوْمِ وَ دِیْدَهْ عَمِیَاسْتِ

اَفْتَابِ عَالَمْتَابِ جِهَانِ مِیْنِ بَرَابَرِ ضِیَا بَارِ هِے - لِیْكَنِ بَوْمِ شُومِ كَے لَئِے اَسْ كَا

هُونَا نَهْ هُونَا بَرَابَرِ هِے - كِیْوَنَكَهْ وَهْ اِپْنِیْ اَنْدَهْیْ اَنْكَهُوْنِ كَے سَبَبِ اَسَے

دِیْكَهْنِے سَے قَاصِرِ هِے -

هَر كَهْ خَوَاهْدِ كَهْ رُوئے اَوْ پِیْنْدِ

گُو، بَیْنِ رُوئے جَانِ اِگَرِ پِیْنَاسْتِ



جو چاہتا ہے کہ اس کا چہرہ دیکھے تو اس سے کہئے کہ اگر دیکھنے  
والی آنکھ رکھتا ہے تو پہلے روح کو دیکھ۔

دیدۂ ”روحِ بی“ بدست آرید  
گر ترا آرزوئے مولانا ست

روح دیکھنے والی آنکھیں پیدا کرو۔ اگر آپ کو ہمارے سردار کے  
دیکھنے کی آرزو ہے۔

آنک اورا میان جاں جوئیم

چوں بیابیم پیش او گوئیم

جس کو ہم روح کے اندر ڈھونڈھ رہے ہیں اگر مل گیا تو اس کے  
سامنے سب باتیں بیان کرینگے۔

۶

کائے گرفتہ ولایت از تو نظام

چوں نبوتِ مصطفیٰ شدہ تام

جیسے نبوتِ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے بعینہ  
ولایت کی تکمیل آپ کی ذات سے ہے۔

دیدۂ مصطفیٰ بتو روشن

شادمان از تو انبیائے کرام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں تجھ سے روشن ہیں۔ انبیائے کرام  
تجھ سے خوش ہیں۔

ہم تو متبوعِ اولیاء بقدم

ہم تو مرغوبِ \* انبیاء بمقام

تو ہمیشہ سے اولیائے کرام کا مخدوم ہے۔ اور تجھے وہ مقام حاصل ہے

\* اصل لفظ مغبوط تھا۔ ہم نے مرغوب بنا دیا ہے۔ وجہ ظاہر ہے۔



کہ انبیاء علیہم السلام بھی اسے رغبت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

دل ابدال چاکر تو زجاں

جان اوتادت از دو دیدہ غلام

ابدال کے دل تیرے غلام اور اوتاد کی جان تیری رہین ہے۔

بے تو ما بے مراد ماندہ و تو

یافتہ از مراد خود ہمہ کام

ہم تیرے بغیر بے مراد ہو کر رہ گئے۔ اور تو اپنی مراد پا کر شاد کام ہے۔

ھیچ باشد کہ از فراموشی

یاد آری دراں خجستہ مقام

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اس مبارک مقام پر آپ ہم فراموش شدہ لوگوں کو بھی یاد فرمائیں۔

چہ شود گر کند دراں حضرت

نا قصے را عنایت تو تمام

اگر آپ کی عنایت اس بارگاہ میں ایک ناقص کو کامل بنا دے تو کیا ہو جائے گا۔!

چہ کم آید کہ از شفاعت تو

کار بے چارہ شود بنظام

اگر آپ کی سفارش سے ایک بے چارے کا کام بن جائے تو اس میں آپ کا کیا ہرج ہے!

اے رخت تاب آفتاب ازل

روشن از تو قصور دارالسلام



اے وہ کہ تیرا چہرہ آفتابِ ازل کا عکس ہے۔ تجھ سے بہشت کے  
محلات روشن ہیں۔

ذره بے تاب مہر چون باشد

ہمچنانیم بے رخت و سلام

جس طرح ذرہ سورج کے نور سے محروم رہ جائے آپ کے عارضِ تاباں کے بغیر  
ہماری یہی کیفیت ہے۔

گرچہ سہلست این، بیا بنیوش!

مہری، از لطفِ عیبِ ذرہ پیوش

(حضور والا کے نزدیک) یہ ایک نہایت آسان سی بات ہے (خدا کے لئے)

ہماری فریاد کو پہنچئے۔ اور آفتاب کی طرح ذرے کے عیب پر اپنے کرم

سے پردہ ڈالیئے۔

۶

بر تو انوارِ حق مقرر باد!

حسن او در تو ہر دم اظہر باد!

آپ پر اللہ تعالیٰ کے انوارِ تجلی فرما ہوں اور اس کا حسن آپ میں

ظہور پذیر ہو۔

بتجلی ذات طلعت تو

چوں دلت لحظہ لحظہ انور باد!

اسکی ذات پاک کی تجلی سے آپ کا چہرہ آپ کے دل کی طرح منور ہو۔

در طرب خانہ وصال قدیم

ہر زنانت سرور دیگر باد!

وصال قدیم کے مسرت خانے میں آپ کو لحظہ بہ لحظہ الگ سرور

میسر ہو۔



ز انعکاس صفائے آب رخت

منظر قدسیاں سنور باد !

آپ کی آبرو کے پرتو سے فرشتوں کا منظر سنور ہو۔

در نسیم ریاض انفاست

جان روحانیاں معطر باد !

آپ کے انفاس پاک کے بوستانوں کی نسیم سے روحانیوں کی جان معطر ہو۔

بجالت کہ جمع حسنیت

دیدہ جان ما سنور باد !

آپ کے جمال سے جو جمع حسن ہے ہماری جان کی آنکھیں روشن ہوں۔

دوحہ روضہ سنور تو

رشک گلزار خلد ازہر باد !

آپ کے روضہ اقدس کا صحن نور بار بہشت کے گلزار کا رشک ہو۔

ہر سعادت کہ حاصلت ترا

دوستان ترا میسر باد !

جو سعادت آپ کو حاصل ہے۔ خدا کرے آپ کے دوستوں کو بھی حاصل ہو۔

ہر دو فرزند تو کہ اوتادند

ہر یکے غوث ہفت کشور باد !

آپ کے دونوں فرزند ارجمند جو اوتاد زمانہ ہیں۔ خدا انہیں ہفت اقلیم کا غوث بنائے۔

قطب شان صدر صفہ ملکوت

کہ مقامش ز عرش برتر باد !



ان کا قطب وہ ہے جو صفۂ ملکوت کا صدر ہے۔ اس کا مقام عرش سے  
بھی برتر ہو۔

بر سرِ کوٹے ہر یکے گردوں  
چوں عراقیؒ کمینہ چاکر باد!

ہر ایک کے کوچے میں عراقیؒ کی طرح آسمان ادنیٰ سا نو کر ہو۔

عصر جدید کے مؤرخین جن میں  
”میخانہ“ اور بزم صوفیہ کے

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مؤلفین بھی شامل ہیں، نے ”خرقہ خلافت“ کو ”خلافت مطلق“  
تصور کر کے اس پر ایسے حاشیے چڑھائے ہیں۔ کہ نفسِ مضمون  
میں ایک عجیب قسم کا تضاد واقع ہو گیا ہے۔ بزم صوفیہ کی  
عبارت ملاحظہ ہو۔

”حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے وصال کے  
وقت شیخ فخرالدین عراقی ہی کو اپنا خلیفہ اور  
جانشین بنایا تھا۔ مگر شیخ فخرالدین عراقیؒ  
نے مرشد کی دیرینہ روایات کی پابندی نہ کی۔  
وہ مغلوب الحال ہو کر اپنے جذبات کا اظہار  
شعر و شاعری سے کیا کرتے تھے۔ جسکو حضرت  
بہاء الدین زکریاؒ کے دوسرے مرید اپنے مرشد  
کے طریقے اور مسلک کے خلاف سمجھتے تھے شیخ  
فخرالدین نے یہ محسوس کیا۔ تو اس منصب سے  
علیحدہ ہو کر عدن کی طرف روانہ ہو گئے۔“



## مولانا جامی کا بیان

تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اس روایت کے پہلے راوی مولانا

عبد الرحمن جامی مؤلف نفعات الانس ہیں اور انہوں نے جس طریقے سے اپنی کتاب کا مواد جمع کیا ہے وہ انکی زبان سے سنئے - فرماتے ہیں -

”عاجز گمنام عبدالرحمن جامی کہتا ہے کہ شیخ عارف محمد بن حسین سلمی نیشا پوری نے مشائخ طریقت کے حالات میں ایک کتاب لکھی تھی - جس کا نام ’طبقات الصوفیہ‘ تھا شیخ الاسلام ابواسمعیل عبداللہ بن محمد انصاری ہروی اس کتاب کو جلسوں اور وعظ کی محفلوں میں پڑھ کر سنایا کرتے تھے - اور بعض مشائخ کی اور باتیں جو اس کتاب میں مذکور نہ تھیں - نیز ذوق اور وجد کی باتیں اپنی طرف سے زائد بیان کرتے تھے جن کو ان کا ایک محب و سرید جمع کرتا اور کتاب کی صورت میں لکھتا رہا - واقعی وہ ایک لطیف کتاب ہے - اور قابل قدر مجموعہ ہے - جو کہ صوفیائے کرام کے حقائق و معارف اور دقائق و لطائف کا ذخیرہ ہے - چونکہ وہ قدیمی ہروی زبان میں ہے جو کہ اسوقت مروج تھی - دیگر یہ کہ کاتبوں کی تحریف اور رد و بدل سے عبارت کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ اکثر مقامات میں مطلب آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا - اور یہ بھی ہے کہ اس میں صرف متقدمین مشائخ کا ذکر ہے - لیکن دوسرے مشائخ اور خود حضرت شیخ الاسلام اور



آن کے معاصرین اور متأخرین مشائخ کے ذکر سے خالی ہے۔ اس لئے بارہا فقیر کے دل میں یہ بات آتی تھی کہ اپنی طاقت اور حوصلہ کے مطابق ان کی تحریر و تقریر میں سعی کروں اور جو کچھ سمجھ میں آجائے اسے آجکل کی زبان میں قلمبند کروں اور جو سمجھ میں نہ آئے اسے چھوڑ دوں الی آخرہ۔“

مولانا کا بیان ظاہر کرتا ہے۔ کہ انہوں نے جو کچھ اپنی کتاب میں جمع کیا ہے اس کے اکثر حصص کے بارہ میں ان کی اپنی تشفی بھی نہیں ہو سکی۔ اس لئے مولانا عراقیؒ کے معاملہ میں بھی ان سے یقیناً سہو ہوا ہے۔ اور پھر جن حضرات نے ان کی کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ انہوں نے تحقیق کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ مولانا تو ملتان سے بہت دور بیٹھے تھے۔ اس زمانہ کے ذرائع آمدورفت آج کی طرح سہل نہ تھے۔ اطلاعات کی توثیق و تصدیق کا بھی کوئی ذریعہ نہ تھا۔ لیکن پاک و ہند کے مؤرخین کے لئے تحقیق حال کوئی مشکل امر نہ تھا سہروردیہ سلسلے کی جو تاریخیں فارسی اور اردو زبانوں میں ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک بھی ایسی نہیں ہے جس میں مولانا عراقیؒ کی بابت یہ امر درج ہو۔ کہ شیخ نے انہیں سجادہ بنانا چاہا تھا۔ جبکہ سیرت کی کتابوں میں جو کچھ ملتا ہے اس سے اس دعویٰ کی تردید ہوتی ہے۔

مولانا جمالیؒ مولانا جامیؒ کے ہم عصر ہیں۔ یہ ان



سے ہرات میں ملے بھی ہیں۔ اگر یہ اس قسم کی روایت بیان کرتے۔ تو اسے اپنی کتاب سیرالعارفین میں ضرور درج کرتے۔ لیکن انہوں نے اپنی کتاب میں مولانا عراقیؒ کی بابت جو کچھ لکھا ہے اس سے مولانا جامی کے بیان کو تقویت نہیں پہنچتی مثلاً:-

✓  
”حضرت شیخ فخرالدین درملازمت

سیرالعارفین کے اقتباسات

حضرت شیخ الاسلام بہاءالدین زکریا

بود۔ و دختر حضرت ایشاں کہ در حبالہ او بود۔ وفات نمود بعد از چند گاہ حضرت سلطان المشائخ شیخ الاسلام بہاءالحق خواست کہ دختر دیگر کہ کہتر از خواہر بود بحبالہ او در آورد بحضرت شیخ صدرالدین عارفؒ مشورت این معنی فرمود۔ کہ بابا صدرالدین مصلحت درین کار چیست؟

شیخ صدرالدین قدس سرہ فرمودند۔ کہ من شیخ فخرالدین را روزے بر سابط خانقاہ ایستادہ دیدم کہ پیراھن برداشتہ ہوا مے کرد و از نسیم صبا محظوظ مے گشت۔ کسے را کہ این قدر حظ نفس باشد، دختر شما در حبالہ او حیفاست۔\*

شرفِ دامادی اپنی جگہ بہت بڑا اعزاز تھا۔ لیکن کیا منصب سجادگی اس سے زیادہ اہم نہیں تھا؟ جب حضرت غوث العلمینؒ انہیں دوبارہ دامادی میں لینے کے لئے تیار نہ ہو سکے۔ سجادگی کا اہم منصب انہیں کیسے عنایت کر سکتے تھے!

\* ترجمہ کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ ۳۳؟



یہ تو مولانا جاسمی بھی تسلیم کر چکے ہیں۔ کہ مولانا عراقیؒ کا مسلک درویشی شیخ کے طریقہ سے یکسر جدا تھا۔ جیسا کہ نفحات الانس اردو کے صفحہ ۶۲۸ پر درج ہے۔ لکھتے ہیں:-

جب شیخ نے ان کو خلوت میں بٹھلایا۔ ان کے چلہ میں دس دن گزارے تو ان کو ایک بڑا وجد ہوا۔ ان پر حال کا غلبہ ہو گیا۔ اور یہ غزل پڑھی۔

نخستین بادہ کا ندر جام کردند زچشم مست ساقی دام کردند

اس شعر کو بلند آواز سے پڑھتے تھے اور روتے تھے۔ جب اہل خانقاہ نے یہ آواز سنی۔ تو اس کو شیخ کے طریقہ کے خلاف سمجھا۔ کیونکہ ان کے ہاں ذکر اور مراقبہ کے سوا اور کوئی طریقہ مروج نہ تھا۔ انہوں نے شیخ کی خدمت میں شکایۃ ذکر کیا۔ جس پر حضرت نے فرمایا کہ

”یہ چیزیں تمہیں منع ہیں آسے نہیں“۔

گویا انہیں مغلوب الحال خیال کر کے خانقاہ کی پابندیوں سے مستثنیٰ کر رکھا تھا۔ یہی کیفیت حضرت لال شہباز قلندرؒ کی تھی۔ ایسے مغلوب الحال بزرگ کو جس پر آٹھوں پہر کیف و سُکر کا عالم طاری رہتا ہو۔ اور اس کی طبع اور دوسرے درویشوں کی طبائع میں زمین و آسمان کا فرق ہو۔ کیا آسے منصب سجادگی تفویض کیا جا سکتا تھا؟

اس کے علی الرغم ہم دیکھتے ہیں۔ کہ حضرت شیخ صدرالدين



عارف کو آخريں لمحات ميں وصيت کی جاتی ہے، کہ شيخ جمال خنداں روئے ميرے بعد تيرے پاس آئيگا۔ سوائے خرقة شيخ الشيوخ کے باقی تمام تبرکات بخصه برابر بانٹ دينا۔ اور ہاں خرقة شيخ الشيوخ تيرا مال ہے۔ اسے اپنے پاس رکھنا\*۔

ارباب دانش جانتے ہیں۔ کہ ایسی وصيتیں صاحب سجاده کو ہی کی جاتی ہیں۔ اگر مولانا عراقی ؒ کو سجاده بنانا مطلوب ہوتا تو یہ وصيت انہیں کی جاتی۔

شيخ العارف اور عراقی کے باہمی تعلقات پر اک نظر اور سنئے۔ اگر مولانا عراقی ؒ سے منصب سجادی غصب

کیا جاتا۔ تو یقیناً آن کے دل میں رنج پیدا ہوتا۔ اور وہ حضرت عارف ؒ سے کبیدہ خاطر ہو کر جاتے۔ لیکن مولانا جمالی ؒ کا یہ بیان قابل غور ہے۔ کہ ملتان سے ء جانے کے بعد مولانا عراقی ؒ اور حضرت عارف ؒ بالذات کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ لکھتے ہیں۔

”از ملتان عزیمت بہ بیت اللہ نمود و از انجام بروم رسید و در شہر قونیہ در آمد و آنجا شيخ صدرالدين قونوی خلیفہ شيخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ بود چند گاہ در صحبت ایشان گزرانید و نسخہ لمعات مذکور در قونیہ تصنیف کرد۔ و از

\* سیرالعارفین از مولانا جالی رحمة الله عليه۔



انجا کتابتے متضمن بر کلمات و نکات عرفان جانب  
حضرت سلطان العارفین شیخ صدرالدین عارف پسر  
بزرگوار حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نوشت  
کہ مارا الآن بصوفی صحبت افتاده است کہ کلماتش  
این است۔“

علاوہ ازیں عراقیؒ نے شیخ کی مدح میں جو قصیدہ لکھا  
ہے اس سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ ان کی نگاہ میں شیخ  
الاسلام کا کیا مرتبہ تھا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

عرش شاہے کہ مرغِ ہمت او - بر تر از عرشِ آشیاں دارد  
رہنائے کہ پرتوِ نورش - روشن اطرافِ کن فکان دارد  
زاں سوء کائنات صحرائیست - او دران لامکان مکان دارد  
شمہ از نسیمِ اخلاقش - روضہ دلکشِ جنان دارد  
سبقِ آم الكتاب سے گیرد - لوح محفوظِ خود رواں دارد  
ذرہ از فروغِ انوارش - آفتابِ شررِ فشان دارد  
بوئے خلقِ محمدہ او بوید - کہ درونِ روضہ رواں دارد  
سرفراز آن کسے بود کہ چرخ - بر درش سربر آستان دارد  
خاکِ درگاہ او کسے بوید - کز فلکِ ہفت نردبان دارد  
پیش او سہر اگر زمیں بوسد - زبید ار سر بر آسماں دارد  
ریزہ چین است از سرِ خوانش - آسماں اگرچہ ہفت خوان دارد  
بس کہ از خوان او نوالہ برد - در بغل یکدو تائے ناں دارد



- چاشنی گیر او بود رضوان - قدسیاں را چو میہاں دارد  
 گردِ خاکِ درش نگرود ہیچ - زان کہ جبرائیل پاسباں دارد  
 بگریزد ز سایہ اش شیطان - زانکہ از نور سایہ بان دارد  
 نہر اسد ز بیمِ گرگِ عدو - رمہ کو چو تو شبان دارد  
 بر سر آمد ز جملہ عالمیاں - بس کہ او علم بیکراں دارد  
 فتح گردد ز فضلِ بر در او - گر جہاں روی سوئے آن دارد  
 منعا ذکرِ شکرِ تو پیوست - خاطر م بر سر زباں دارد  
 لیکن اظہار شرط عاشق نیست - مگر از شوق دل طپاں دارد  
 زندہ کردی شکستہ را 'سہ بیت' - کز دم عیسوی نشان دارد  
 حرزِ جاں ساختم 'سہ بیت' \* ترا - کہ دو صد فتنہ در اماں دارد  
 خستہ چون خواند نظم 'نور عرب' - پائے بر فرق فرقداں دارد  
 خواستم تا جواب گویم عقل - گفت کہ طاقت و توان دارد  
 عاجز آید زدست مدح و ثناش - ہر کہہ پاء در زہ بیان دارد  
 در مدح تو چون زخم کہ ز عجز - خاطر م قفل بردہاں دارد

باد ز انوار تو جہاں روشن

تا جہاں نورِ چون چنان دارد

بہر حال یہ امر روز روشن کی طرح

ظاہر ہے - کہ مولانا عراقیؒ،

حرفِ آخر

مخدوم سید جلال بخاریؒ، لال شہباز قلندرؒ، حسن افغانؒ نواب

\* افسوس کہ 'سہ بیت' اور نظم 'نور عرب' جن پر عراقی (رح) سا قادر الکلام شاعر عیش ہے اور اس کے فہم و ادراک اور عقل و خرد نے اس پایہ کا کلام موزوں کرنے سے تہی دانی کا اعتراف کیا ہے۔ اس وقت نایاب ہیں باوجود تجسس تمام ہم اس 'گنج شاہیگان' کے حصول میں ناکام رہے ہیں۔



موسىؑ اور شيخ عبدالستارؒ کی طرح حضرت غوث العلمينؒ کے خليفہ ضرور تھے۔ لیکن صاحب سجادہ نہیں۔ اپنے شيخ سے تو ہر خليفہ ”خرقہ خلافت“ حاصل کرتا ہے۔ ہم جب کبھی کسی با کمال درویش کا حال پڑھتے ہیں۔ اس میں یہ دو فقرات ضرور ہوتے ہیں۔

از اعظم خلفائے شيخ۔ است در کار خود تکمیل رسانیده  
خرقہ خلافت یافت

سجادگی کے لئے اہم ثبوت حضرت شيخ الشيوخ کا خرقہ ہے۔ وہ حضرت عارف باللہ کو مرحمت کیا گیا تھا۔ اور وہی حضرت غوث العلمين کے خليفہ مطلق اور صاحب سجادہ ہیں۔ مولانا عراقی کی سجادگی کا معاملہ سر تا سر غلط ہے حضرت صدرالدين عارفؒ قطع نظر اس کے کہ وہ غوث العلمين کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ اپنے عہد کے بلند پایہ درویش بھی تھے۔ اور تمام اہل اللہ ان کی سیادت اور برتری کا سکھ مانتے تھے۔ مولانا جالیؒ جو حضرت کا قریب العہد مورخ ہے۔ سیرالعارفين میں ان کی بابت یہ بے لاگ رائے درج کرتا ہے۔

سلطان المشائخ شيخ صدرالدين عارف قدس سرہ العزیز در مشائخ کبار مستثنا و ممتاز بود۔ در خطائر انوار بوحدت دساز، دراصل وفرع معمور در زهد و ورع مشہور در سیر و وحدت صاحب معراج و در علم معرفت بحر موج و اورا شيخ عارف ازاں گویند ہر بار



کہ کلام اللہ خواندے سمندِ فکرت بیشتر راندے - و ہر وقتے در تلاوت بودے - اورا معانی دیگر روئے نمودے عجب ہمت عالی داشتے - کہ ہیچ اسباب دنیاوی بگرد خود نگذاشتے - (صفحہ ۱۵۱)

اخبارالاکھیار اور خزینةالاصفیاء میں بھی اسی طرح کی تحریریں موجود ہیں - جن سے ظاہر ہوتا ہے - کہ حضرت عارف باللہ ہی شیخ الاسلام زکریاؒ کے جائز سجادہ نشین اور خلیفہ مطلق تھے - ان کی موجودگی میں اور کوئی درویش اس منصب کا مستحق ہی نہیں تھا -

### عراقی کا عزم حجاز

مولانا عراقیؒ کا شیخ الاسلام کی صاحبزادی سے ایک فرزند تولد

ہوا تھا جس کا نام خود غوث العلمینؒ نے کبیر الدین رکھا تھا اس نوجوان نے حضرت کی آغوشِ شفقت میں ہی تربیت پائی تھی نانا بزرگوار کے نہ صرف مرید ہوئے بلکہ خرقہٴ خلافت حاصل کیا۔ مولانا اپنی دنیا کے آپ بادشاہ تھے - جب وہ ملتان سے روانہ ہونے لگے - تو انہیں یہ علم نہیں تھا - کہ کہاں کہاں کا پانی پیئینگے اسلئے فرزند کو ساتھ لے جانا مناسب نہ سمجھا بلکہ حضرت صدرالدین عارفؒ کے ہاں چھوڑ کر ارض حجاز کو چل دیئے -

### مولانا عراقی عدن میں

عدن کا تاجدار مولانا کی شہرت سن چکا تھا - جب آپ عدن کے

قریب پہنچے تو وہ علماء و صلحاء کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ



استقبال کو نکلا - اور قصرِ شاہی میں لے گیا - بڑی خاطر تواضع کی - حج کا موسم آیا - تو شیخ نے مکہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا - سلطان انکا اسقدر گرویدہ ہو چکا تھا - کہ ان کا فراق گوارا نہ کر سکا - اور خود ہمراہ چلنے کو تیار ہو گیا - لیکن شیخ شاہانہ ٹھاٹ کے ساتھ بیت اللہ میں حاضری دینا پسند نہ کرتے تھے - اس لئے ایک دن چادر کندھے پر ڈالے بغیر اطلاعِ ارضِ پاک کو چل دیئے - سلطان کو خبر ہوئی تو وہ ماہی بے آب کی طرح بے تاب ہو کر آپ کے تعاقب میں روانہ ہوا - مگر ملک کے سیاسی حالات کے ناموافق ہونے کے سبب راستے سے لوٹ آیا - بے انتہا مال و زر - شیخ کی خدمت میں بھجوا یا - اور تاکید کی کہ اگر شیخ قبول نہ کریں - تو انکے خدام اور مریدوں میں تقسیم کر دیا جائے -

ابھی عراقی وادی یلملم میں ہی تھے - کہ ان پر روحانی کیفیات

حج

طاری ہو گئیں - احرام باندھتے وقت ان جذبات نے اشعار کی صورت اختیار کر لی - ایک طویل قصیدہ سوزوں ہو گیا جس کا مطلع یہ تھا -

اے جلالت فرش عزت جاوداں انداختہ  
گوئے در میدان وحدت کامراں انداختہ

اور جب أم القرى میں پہنچے - اور نظر اشرف کعبۃ اللہ کے پردہ جلال پر پڑی - تو اس کے انوار و تجلیات سے مسحور ہو کر



جھوم اٹھے - ایک اور قصیدہ زبان پر آ گیا اس کے دو اشعار  
آپ بھی سن لیں -

تعالیٰ من توحّد بالکمال      تقدّس من تفرد بالجلال  
حبذا صفة بہشت مثال      کہ بود آمانش صفِ نعال

حج کے بعد دیار حبیب (صلی اللہ  
علیہ وسلم) میں حاضری دی -

مدینہ منورہ میں

شاعر کے قلب و دماغ کی عجیب کیفیت تھی - رات بھر کیف و  
سرور کا عالم طاری رہا - اور پانچ قصیدے موزوں ہو گئے - جنکے  
مطلع یہ ہیں -

(۱) عاشقان چوں بر در دل حلقہ سودا زند

آتشِ سودائے جاناں در دل شیدا زند

(۲) شہبازم و چو صید جہاں نیست در خورم

ناگہ بود کہ از کف ایام بر پر م

(۳) اے رخت مجمع خیال شدہ

مطلع نور ذوالجلال شدہ

(۴) راہ باریک است و شب تاریک و مرکب لنگ و پیر

اے سعادت رخ نمائے و اے عنایت دستگیر

(۵) دل ترا دوست تر زجاں دارد

جاں زہر تو درمیاں دارد \*

\* میخانہ عبدالنبی -



## لمعات کی تدوین

مدینہ منورہ سے مولانا قونیہ پہنچے

یہاں شیخ محی الدین ابن العربی کے

خلیفہ اور صاحب سجادہ شیخ صدرالدين قونوی سے ملاقات ہوئی۔ ان کی صحبت میں مولانا کو خاص لطف آیا۔ اور کچھ عرصہ کے لئے یہاں ٹھہر گئے یہیں سے اپنے مرشد زادہ حضرت صدرالدين عارفؒ کو خطوط لکھے جن کا ذکر مولانا جہالی کے الفاظ میں ہو چکا ہے۔ اسی جگہ مولانا نے شیخ صدرالدين قونوی کی صحبت میں فصوصالحکم کا مطالعہ کیا۔ اس کے بعد اپنی شہرہ آفاق کتاب ”لمعات“ تصنیف کی۔ جسے پڑھ کر حضرت قونوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

اے فخرالدين عراقیؒ! سر سخن مردان آشکارا کردی\*!!

مولانا جہالی لکھتے ہیں۔ کہ

جب شیخ عراقیؒ قونیہ پہنچے

## مولانا جہالی کی تصریحات

تو سب سے پہلے ان کی ملاقات شیخ نورالدين جندی سے ہوئی۔ یہ ابن عربی کے نامور مرید تھے۔ ان کی وساطت سے شیخ صدرالدينؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان کی صحبت میں رہ کر فصوص کا مطالعہ کیا۔ اس کتاب کا رنگ اور اسلوب اس قدر پسند آیا۔ کہ اسی نہج پر لمعات کے نام سے ایک معرکہ الارا کتاب لکھ ڈالی۔ اور فصوص کی طرح اسے بھی ۲۸ ابواب پر مرتب کیا۔ خاوری جس نے لمعات کی شرح ترتیب دی ہے۔



اپنی کتاب میں لکھتا ہے - کہ شیخ فخرالدین عراقی کی لمعات  
شیخ صدرالدین قونوی کے فیضِ صحبت کا نتیجہ ہے - چنانچہ اُس  
نے اپنی شرح میں یہ شعر درج کیا ہے -

چوں در سنبل چرد آہوئے تاتار  
نسیمش نافۂ مشک آورد بار

مولانا جامیؒ فرماتے ہیں - کہ اگرچہ خاوری نے لمعات کو  
حضرت قونوی کے فیضِ صحبت سے نسبت دینے کی کوشش کی ہے  
لیکن اربابِ بصیرت جانتے ہیں - کہ

”لمعات ایک قطرۂ سحابِ فیض کا ہے - جو شیخ  
بہاؤالدین زکریا قدس سرہ العزیز کے دریائے معرفت  
سے فخرالدین کی زبان پر ٹپکا - اُس نے آسمانِ  
حقیقت کے قطب الاقطاب کی تعریف میں جو قصائد  
اور اشعار لکھے ہیں - وہ اس امر کا بین ثبوت  
ہیں۔“ (آزاد ترجمہ سیر العارفین)

### مولانا جامی کا خواب

مولانا جامی لکھتے ہیں - کہ

اثنائے سیر و سیاحت میں جب

میرا گذر ہرات میں ہوا - تو منجملہ دوسرے مشائخ کے یہاں میری  
ملاقات مولانا نورالدین عبدالرحمن جامی سے بھی ہوئی انہیں مل کر میں  
بہت خوش ہوا ایک دن میں انکے حجرہ خاص میں بیٹھا تھا - اور



کتاب لمعات انکے اور میرے درمیان رکھی تھی - مولانا جامی نے اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا - کہ دیکھئے شیخ محی الدین عربی کا فیض۔! \*

میں نے کہا - کہ ہر شخص کا مرتبہ جس ذریعے سے اسے عطا ہوا ہے - اللہ تبارک و تعالیٰ کے دربار میں مخفی نہیں ہے - میرے خیال میں یہ فیض کسی اور بزرگ کا ہے -

یہ بات اس وقت رفت گذشت ہو گئی - دوسرے دن صبح کو جب مولانا جامی بیدار ہوئے - تو انہوں نے مجھے آواز دے کر بلایا - اور فرمایا :-

”دوست ! ذرا رات کا خواب سن لو۔۔۔!“

کہنے لگے :-

”خواب میں کیا دیکھتا ہوں - کہ حضرت صدرالدين عارف بالله فرزند دلبند حضرت شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا قدس اللہ اسرارہم اپنے درویشوں کی جماعت میں بیٹھے ہیں - اور مولانا عراقیؒ آپکی نعلین اٹھائے ادب سے ایستادہ ہیں - اور مجھے اشارہ کرتے ہیں - کہ تم بھی اس مجلس میں آ جاؤ - چنانچہ میں آگے بڑھا اور شیخ صدرالدين کی دست بوسی سے مشرف ہوا۔“

پھر مولانا جامی نے میری طرف رخ کیا - اور فرمایا -



اے جہالی! اس وقت آپ نے کہا۔ کیوں صاحب!

شیخ صدرالدين کا مرتبہ دیکھا۔!

میں نے جواب دیا کہ بے شک آپ سچ کہتے ہیں۔

قونیہ کے قیام کے زمانہ میں امیر  
معین الدین پروانہ مولانا کا اتنا

روم کے حکمران کی عقیدت

معتقد ہوا کہ اس نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کر لی۔  
ہر روز بلا ناغہ حاضر ہو کر استفاضہ کرتا تھا۔ اس نے عرض  
کی۔ کہ حضور اپنے لئے کوئی جگہ انتخاب فرمائیں۔ تا کہ خانقاہ  
تعمیر کی جائے پہلے تو شیخ نے پسند نہ کیا بالآخر رضامند ہو  
گئے اور توقات میں خانقاہ بنوا لی۔ ایک دن امیر معین الدین کچھ  
نقد رقم لے کر حاضر ہوا۔ مگر شیخ نے قبول کرنے سے انکار کر  
دیا۔ امیر نے بڑی عاجزی سے کہا۔ کہ آپ نہ تو مجھ سے  
کوئی خدمت لیتے ہیں اور نہ ہی توجہ فرماتے ہیں۔ شیخ ہنس  
پڑے اور فرمایا۔

”اے امیر! تم ہمیں مال و دولت سے فریفتہ نہیں  
کر سکتے۔ اگر تم کوئی خدمت بجا لانا چاہتے  
ہو۔ تو حسن قوال کو ہمارے پاس بھیجوا دو۔!“

یہ قوال مصورِ فطرت کا حسین و جمیل شاہکار تھا۔ اور ساتھ ہی  
اس نے گلا بھی غضب کا پایا تھا۔ ایک دنیا اسکے عشق میں  
دیوانی ہو رہی تھی۔ جب امیر نے آپ کی دلی تمنا یہ دیکھی۔  
تو اسی وقت خاص آدمی بھیج کر اسے طلب کیا جو اسے بڑی



مشکل کے ساتھ عشاق کے ہجوم سے نکال لایا۔ شیخ نے امیر اور دیگر اکابر کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ جب حسن قریب پہنچا۔ تو شیخ نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ اور اسے بغل میں لیکر خوب بھینچا۔ پھر شربت منگوا یا۔ اور اسے یاروں سمیت اپنے ہاتھ سے پلایا۔ شیخ اسے اپنی خانقاہ تک لے آئے۔ اور مجلسِ سماع منعقد کی۔ اس مست شباب نے ساز کے تار کو چھیڑا۔ نغمے بیتاب ہو کر نکلنے لگے وہ گاتا تھا اور مسکراتا تھا۔ مسکراتا تھا اور گاتا تھا۔ شیخ تو ان مردانِ خدا سے تھے۔ جن کا ذوق وجد و حال صرف ایک سماع پر منحصر نہیں ہوتا۔ بلکہ پھولوں کی مہک، پروانوں کا سوز۔ شمع کا گداز، تاروں کی چمک، چاند اور سورج کی دمک دریا کی روانی، موجوں کا اضطراب، پہاڑوں کا سکون۔ شاخوں کا رقص غرض کائنات کے ہر ذرہ کا مشاہدہ ان کے نزدیک محبوب ازل کے جہاں بے مثال کی ایک صحیح جھلک ہوا کرتی ہے۔ لیکن یہاں حسن و خوبی کا ایک ایسا پیکر اپنے فنی کمالات کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ جس کا مثیل کم از کم اس ملک میں تو نہیں تھا۔ اس وقت شاعر کی طبیعت انتہائی روانی پر تھی۔ چنانچہ بے تحاشا کئی غزلیں موزوں ہو گئیں ایک کا مطلع یہ ہے۔

سازِ طربِ عشق چہ دانی کہ چہ ساز است

کز زخمہ او نہ فلک اندر تگ و تاز است

اس کے بعد حسن قوال نے اجازت طلب کی۔ اور اپنے مکان کو لوٹ گیا۔



## طبیعت کی وارفتگی

مولانا عراقی کی طبیعت میں  
وارفتگی کا جذبہ کم و بیش

موجود تھا۔ اور وہ کبھی کبھی اپنی طبیعت سے مجبور ہو کر  
ایسی حرکتیں کر بیٹھتے تھے۔ جو ارباب ظاہر کے نزدیک سخت  
قابل اعتراض ہوتی تھیں۔ اور کئی ارادتمند بے اعتقاد ہو کر  
عقیدت کا دامن چھوڑ دیتے تھے، لیکن ان میں بے شمار ایسے بھی  
تھے۔ جو ان حرکات کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ بلکہ ان کی  
عقیدت میں اور پختگی پیدا ہوتی تھی۔ ایک روز امیر معین الدین  
ان سے ملنے آیا۔ خیر سے حضور اپنی قیام گاہ میں موجود نہیں تھے  
وہ ان کی تلاش میں چل نکلا۔ کیا دیکھتا ہے۔ کہ میدان میں چند  
لڑکے ان کے گلے میں رسی ڈالے ادھر ادھر دوڑا رہے ہیں۔ بعض  
لوگوں نے شیخ کی اس حرکت پر طنز بھی کیا۔ لیکن امیر نے  
ان کی باتوں پر توجہ تک نہ کی۔ لڑکوں کو آنکھیں دکھائیں  
وہ بھاگ گئے اور شیخ کو ہمراہ لے آیا۔

اسی طرح ایک روز خبر ملی۔ کہ شیخ پہاڑ کے دامن میں  
مقیم ہیں۔ امیر معین الدین رفیقوں کو جلو میں لئے پہنچا۔  
وہاں عجیب حالت دیکھنے میں آئی۔ شیخ برف کے تودوں پر ننگے  
پاؤں اور ننگے سر رقص میں مصروف تھے ان کا بدن پسینہ سے  
شرابور ہو رہا تھا۔ جذب کے اسی عالم میں شعر کہے جاتے تھے  
ان میں سے ایک شعر یہ ہے۔



در جامِ جہاں نمائے اول  
شد نقشِ ہمہ جہاں مثل

امیر ادب سے بیٹھ گیا - جب شیخ عالمِ صحو میں آئے - تو انہیں  
منت ساجت کر کے شہر میں لے آیا

تھوڑے سے عرصہ کے بعد امیر  
خواجہ شمس الدین سے ملاقات  
معین الدین کی قسمت کے مطلع

پر ادبار کی گھٹا چھا گئی - امرائے سلطنت اس سے منحرف ہو گئے -  
اور حکومت نے اس کی تمام املاک ضبط کر لیں - یہاں تک کہ  
آسے اپنی جان بھی خطرے میں نظر آنے لگی - ایک رات کو وہ  
سہا ہوا شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا - اور جواہرات کی گٹھڑی  
پیش کر کے عرض کی - کہ جس طرح چاہیں - انہیں خرچ کریں  
میں جا رہا ہوں ممکن ہے پھر ملاقات نصیب نہ ہو - میرا لڑکا  
مصر میں قید ہے اگر ہو سکے تو آسے آزاد کرائیں اپنی صحبت  
میں رکھیں - خرچہ عنایت کریں - اور ایک لمحہ کے لئے اپنے سے  
جدا نہ کریں - میری یہی آخری خواہش ہے " اس وقت امیر کے  
بدن پر لرزہ سا طاری تھا - آنکھیں پر نم تھیں - اور الفاظ زبان  
سے اٹک اٹک کر نکل رہے تھے - خود شیخ پر بھی گریہ طاری  
تھا - کچھ دیر تک مرید اور مراد دونوں پر یہ کیفیت طاری رہی  
اسکے بعد امیر منبہل کر آگے بڑھا اور شیخ کے پاؤں پر بوسہ  
دے کر رخصت ہو گیا - جواہرات کو شیخ نے امانت کے طور  
پر اپنے ہاں رکھ لیا -



امير معين الدين کے بعد اس علاقے کی حکومت خواجہ شمس الدين کے سپرد ہوئی آن کی معیت میں مولانا امين الدين بھی تشریف لائے۔ جو اس دور کے بہت بڑے درویش اور عالم تھے توقات پہنچ کر شيخ فخرالدين عراقی سے ملنے آئے۔ دونو ایک دوسرے کو بڑے تپاک سے ملے۔ اور جب سیر و سلوک گفتگو ہوئی۔ تو ایسے محو ہوئے۔ کہ رات ڈھل گئی۔ مگر پھر بھی دونوں کی تشنگی باقی رہی۔ تین دن متواتر ”ذکر حبيب“ میں گذر گئے۔ مگر ان بزرگوں کو وقت کا احساس تک نہ ہوا۔ چوتھے دن مولانا امين الدين خواجہ شمس الدين کے ہاں گئے وہ رنج سے بھرے بیٹھے تھے۔ پوچھا۔

آپ تین دن کہاں رہے؟

”مولانا نے فرمایا۔ میں نے یہ تین دن شيخ فخرالدين عراقیؒ کی خدمت میں گزارے ہیں۔ اور ان سے ایسی باتیں سنی ہیں۔ جو اپنی زندگی میں پہلے کسی سے نہیں سنی۔ یہ تو تین دن ہیں۔ اگر تین سال اس مردِ عارف کی صحبت میں رہتا یا تمام زندگی ان کی خدمت میں بسر کرنے کا موقع مل جاتا۔ پھر بھی ان کی جدائی گوارا نہ کرتا۔!“

مولانا امين الدين کی عقیدت دیکھ کر خواجہ شمس الدين کو بھی مولانا عراقیؒ سے ملنے کا بڑا شوق پیدا ہوا اور انہیں لانے کیلئے خلعتِ فاخرہ کے ساتھ ایک اونٹ روانہ کیا۔ مولانا عراقیؒ جب قریب پہنچے۔ تو خواجہ شمس الدين معزز لوگوں کو جلو میں لئے



ان کے استقبال کو بڑھا۔ مولانا امین الدین بھی ان کے ہمراہ تھے۔ شیخ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا۔ ”اِنَّ هِيَ اِلَّا فِتْنَةٌ“، یعنی مجھے ”یہاں بلا بھیجنے میں تیری ہی شرارت ہے۔“ خواجہ شمس الدین ان سے بڑی نیازمندی سے پیش آیا۔ اور جب سلوک پر گفتگو ہوئی تو اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسوؤں کی دھارا بہ نکلی۔

بد قسمتی سے یہاں بھی مولانا عراقیؒ کے حاسد پیدا ہو گئے اور

مولانا عراقیؒ مصر میں

انہوں نے ارباب حکومت سے چغلی کھائی۔ کہ امیر معین الدین کا سارا خزانہ مولانا کے ہاں جمع ہے۔ لیکن گرفتاری سے پہلے خواجہ شمس الدین نے انہیں اتنی مہلت دی۔ کہ مولانا عراقیؒ امیر معین الدین کی دولت لے کر دو آدمیوں کے ہمراہ مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ اور وہاں سے مصر پہنچے۔ خانقاہ صالحیہ میں قیام ہوا۔ یہاں آنے کا اولین مقصد امیر معین الدین کے بیٹے کو آزاد کرانا تھا بے شمار جتن کئے، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ایک دن کچھ سوچ کر قصر شاہی تک جا پہنچے۔ دربانوں نے پہلے تو روکا۔ مگر پھر ان کے نورانی چہرے سے متاثر ہو کر اندر جانے کی اجازت دے دی۔

سلطان کا دربار لگا ہوا تھا۔ شیخ بڑھتے چلے گئے۔ تخت شاہی کے قریب پہنچ کر سلطان کو سلام کیا اور جواہرات کی گٹھری ان کے سامنے رکھ کر ادب سے کھڑے ہو گئے۔



سلطان نے ان کے باعظمت چہرے کو دیکھ کر محسوس کیا ۔  
 کہ یہ ”پیکر نور“ کوئی اہم شخصیت ہے ۔ سرو قد کھڑا  
 ہو گیا ۔ اور انہیں تخت کے قریب بیٹھنے کو جگہ دی ۔ گٹھری کی  
 طرف دیکھ کر کہا ”حضرت ! یہ کیا چیز ہے ؟“  
 فرمایا ”یہ امانت ہے“ ۔

سلطان نے اس کے کھولنے کا حکم دیا ۔ جواہرات کی چمک  
 دمک سے دربار شاہی جگمگا اٹھا ۔ سلطان بڑا متعجب ہوا ۔ اور  
 مزید تفصیل پوچھی ۔ شیخ نے تمام ماجرا عرض کر دیا ۔ سلطان  
 حیرت سے مولانا عراقیؒ کے پر سکون چہرے کو دیکھنے لگا ۔  
 کہ یہ شخص انسان ہے یا کوئی فرشتہ ! جس نے اتنے بیش قیمت  
 جواہرات میرے سامنے لا کر رکھ دیئے ہیں اور انہیں اپنے لئے پسند  
 نہیں کیا شیخ کو نورِ باطن سے سلطان کے دل کا تردد معلوم  
 ہو گیا ۔ اسی وقت قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت فرمائی ۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ ۖ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر اس فصاحت و بلاغت سے بیان کی ۔  
 کہ سلطان تخت شاہی سے نیچے اتر آیا اور شیخ کے سامنے دو زانو  
 ہو بیٹھا ۔ ان کی تقریر سنتا تھا ۔ اور بات بات پر روتا تھا ۔ کہتے ہیں  
 کہ یہ پہلا موقع تھا ۔ کہ سلطان نے زندگی بھر میں اتنا گریہ  
 کیا \* ۔



اسی روز امیر معین الدین کا لڑکا قید سے رہا کر دیا گیا۔ سلطان اس سے بڑی مروت سے پیش آیا اور مولانا عراقیؒ سے عقیدت اتنی بڑھی۔ کہ انہیں مصر کا شیخ الشیوخ بنا دیا۔ اس تقریب میں سلطنت کے تمام اکابر علماء اور مشائخ مدعو ہوئے امرائے دولت کے علاوہ دربار میں چھ ہزار تو صرف صوفیاء حاضر تھے۔ بڑی عزت اور تکریم کے ساتھ شیخ کی دستار بندی کرائی گئی۔ اور خلعت فاخرہ عطا فرمائی۔ اس کے بعد ایک عظیم الشان جلوس ترتیب دیا گیا۔ اس میں صرف مولانا عراقیؒ گھوڑے پر سوار تھے۔ باقی تمام علماء مشائخ اور اکابرین سلطنت ان کے رکاب میں پا پیادہ چل رہے تھے۔ شیخ نے اپنی یہ عزت اور سر بلندی دیکھی۔ تو انہوں نے دل میں نفس کا استیلا اور غلبہ محسوس کیا۔ اضطراب کے اس عالم میں طیلسان اور دستار کو اتار کر گھوڑے کی زین کے آگے رکھ لیا۔ کچھ دیر رکابوں پر زور دے کر کھڑے رہے اور پھر بیٹھ کر دستار سر پر رکھ لی۔ لوگوں نے دیکھا۔ تو ہنس پڑے اور کہنے لگے۔ کہ ایسا دیوانہ اور مسخرہ آدمی "شیخ الشیوخ" کے منصب کے لئے کیونکر موزوں ہو سکتا ہے!

وزیر نے قریب ہو کر پوچھا۔

ایہا الشیخ! لم! فعلت ہذا؟

(اے شیخ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟)



فرمایا -

وَأَنْتَ مَا تَعْرِفُ الْحَالَ !

(آپ کو حال سے واقفیت نہیں)

اڑتی اڑتی یہ خبر سلطان کے کانوں تک بھی جا پہنچی - اس نے شیخ کو بلا کر پوچھا - یہ واقعہ کیونکر ہے؟ شیخ نے فرمایا -

”نفس برمن مستولی شدہ بود اگر چنین نہ کردے

خلاصی نیا فتمے بلکه در عقوبت بماندے!“\*

اس جواب سے سلطان کا اعتقاد اور پختہ ہوا - اور شیخ کے روزینہ میں مزید اضافہ کر دیا -

اتنے بڑے منصب پر فائز ہونے کے باوجود شیخ کی آشفته حالی اور طبیعت کی وارفتگی میں کھوئی کمی نہ ہوئی - وہ حسب دستور بازاروں، سڑکوں اور گلیوں میں آزادانہ وار پھرتے دکھائی دیتے تھے - ایک دن موچیوں کے بازار میں پھر رہے تھے - کہ دفعۃً ایک قبول صورت لڑکے پر نظر پڑ گئی پس دل دے بیٹھے - اس کے پاس پہنچے اور کہا - اَلْسَّلَامُ عَلَیْکُمْ -

موچی سے پوچھا ”یہ کس کا لڑکا ہے؟“

اس نے عرض کی ”حضور یہ میرا بچہ ہے“

شیخ نے اس کے لبوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا -

\* نفس مجھ پر غالب آچکا تھا - اگر میں ایسا نہ کرتا - تو چھٹکارا نہ پاتا - بلکہ کسی مصیبت میں پھنس جاتا -



کیا یہ لب اور دانت گدھے کے چمڑے سے بس ہونے کے لائق ہیں۔؟

موچی بولا - حضور ! ہم غریب آدمی ہیں - اور ہمارا یہی پیشہ ہے - اگر یہ لڑکا گدھے کے چمڑے کو دانتوں سے نہ پکڑے تو روٹی کہاں سے کھائے؟“

شیخ بولا - یہ نورالعین روزانہ کس قدر کام کرتا ہے؟  
عرض کی - چار درم! - شیخ نے فرمایا - اگر تم اس سے یہ کام نہ لو تو میں پانچ درم ہر روز ادا کر دوں گا - چنانچہ شیخ ہر روز اپنے دوستوں کے ساتھ اس کی دوکان پر جاتے اور جی بھر کر اسے دیکھتے - شعر پڑھتے اور روتے - مخالفوں نے یہ خبر سلطان تک پہنچائی - اس نے سوال کیا - کہ کیا وہ کسی وقت اس لڑکے کو ہمراہ لے جاتے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا - نہیں۔۔۔ پھر پوچھا - کیا کبھی شیخ نے دوکان میں لڑکے سے تنہائی میں باتیں کی ہیں۔؟“ کہا نہیں۔۔۔ سلطان نے اسی وقت دوات قلم منگوائی اور لکھا - کہ شیخ فخرالدين عراقیؒ کے روزینہ میں پانچ درم کا اضافہ کر دیا جائے۔“

دوسرے دن جب شیخ سے ملاقات ہوئی تو سلطان نے کہا - میں نے سنا ہے کہ شیخ کی ایک موچی کے لڑکے پر نظر پڑی ہے اس لئے ہم نے شیخ کے روزینہ میں پانچ درم کا اضافہ کر دیا ہے - اگر شیخ چاہیں تو اس لڑکے کو خانقاہ میں لے جا سکتے ہیں - شیخ نے کہا - ہمیں اس کا فرمانبردار رہنا چاہئے اس پر حکم چلانا مناسب نہیں -



پہنچی وہاں پہ خاک  
جہاں کا خمیر تھا

سلطان نے حکم دے رکھا تھا۔

کہ شیخ جس وقت تشریف لانا

چاہیں۔ انہیں بلا روک ٹوک آنے دیا جائے۔ چنانچہ اگر سلطان حرم سرا یا خوابگاہ میں بھی ہوتا۔ تو فوراً قدمبوسی کے لئے حاضر ہو جاتا۔ کچھ عرصہ کے بعد شیخ کی طبیعت مصر سے بھی آکتا گئی۔ اور انہوں نے دمشق جانے کا ارادہ کیا۔ سلطان نے روکنا چاہا۔ مگر کیا وہ کسی سے رُک سکتے تھے؟

ایک دن بلا اطلاع ملک شام کو چل پڑے۔ سلطان کو خبر ملی۔ تو اس۔۔۔ شام کے ملک الامراء کو لکھا۔ کہ شریعت اور طریقت کا آفتاب تمہاری طرف متوجہ ہے۔ تمام علماء مشائخ اور ارکان دولت کے ساتھ ان کا استقبال کرو۔ چنانچہ ملک الامراء بہت بڑے اجتماع کے ساتھ ان کے استقبال کو نکلا۔ ملک الامراء کا ایک لڑکا بہت خوبصورت تھا۔ وہ بھی ان کے ہمراہ تھا۔ جب شیخ کی نظر پڑی۔ تو اس نے بے اختیار اپنا سر اس بچے کے قدموں میں رکھ دیا۔ ملک الامراء اور اس کے بچے پر بھی اضطراب کا عالم طاری ہو گیا۔ دونوں شیخ کے قدموں میں جھک گئے اور مسکیاں بھر کر رونے لگے۔

اہل دمشق کے دل میں شیخ کی اس حرکت سے ایک قسم کی کراہت پیدا ہوئی۔ مگر رعب سلطانی سے کوئی دم نہ مار سکا۔ شیخ نے دمشق میں قیام کیا۔ چھ ماہ کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ کبیرالدين بھی ملتان سے تشریف لے آئے۔ اس وقت شیخ



اپنی زندگی کی اٹھاسی منزلیں طے کر چکے تھے۔ بڑھاپے کے اثرات شدت سے ظاہر ہو رہے تھے۔ روز بروز ضعف اور نقاہت کا غلبہ ہوتا جا رہا تھا۔ ایسے عالم میں فرزند جگر بند سے مل کر انہیں جو خوشی ہوئی ہوگی اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ جن کا ایک ہی بچہ ہو۔ اور مدت مدید کے بعد ضعیفی کے عالم میں ان سے آکر ملا ہو۔ بہر حال دفعۃً یوسف کے آنے سے یعقوب کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اور سپرِ طریقت کے یہ دونو بدرِ منیر خوش خوش رہنے لگے۔

ابھی شیخ کبیرالدين کو آٹے چند دن ہی گزرے تھے۔ کہ فخرالدين عراقیؒ بیمار پڑ گئے۔ چہرے پر دموی ورم ظاہر ہوا۔ جس سے وہ پانچ روز تک سو نہ سکے۔ یہی عارضہ ان کے لئے مرض الموت ثابت ہوا۔ وفات کے دن فرزند جگر بند کو طلب کر کے وصیت کی اور یہ آیت پڑھی۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ  
وَبَنِيهِ لِكُلِّ امْرِيٍّ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَانٌ يُغْنِيهِ

جس روز آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے۔  
اپنے باپ سے۔ اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے  
بھاگے گا۔ ان میں سے ہر شخص کو ایسا مشغلہ  
ہوگا جو اُس کو اور طرف متوجہ نہ ہونے دیگا۔  
(عبس)



پھر یہ رباعی کہی -

در سابقہ چون قرار عالم دادند مانا کہ نہ بر مراد آدم دادند  
زاں قاعدہ قرار کان روز افتاد نہ پیش بکس قسمت و نہ کم دادند  
اس کے بعد کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے عالم جاودانی کو رخصت ہوئے  
تاریخ وفات بقول نجات الانس ۸ ذی قعدہ ۶۸۸ ھ ہے مزار پر انوار  
کی بابت مولانا جاسیؒ لکھتے ہیں کہ -

قبر وے در قفائے مرقد محی الدین بن العربی است  
(قدس سرہ العزیز) در صالحیہ دمشق و قبر فرزند وے  
کبیر الدین در پہلوے قبر وے (رحمہم اللہ تعالیٰ)

مولانا جمالیؒ نے دمشق پہنچ کر شیخ کے مزار پر حاضری دی  
ہے وہ فرماتے ہیں -

قبر او در پہلوے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی  
واقع است چنانچہ ابن حقیر در صالحیہ دمشق کہ  
محلہ مشہور است - بزیارت این بزرگان مشرف  
گشتہ، چنانچہ زائران آن دیار بدین عبارت اشارت  
کنند -

هَذَا بَحْرُ الْعَرَبِ وَ هَذَا بَحْرُ الْعَجْمِ

قبر شریف شیخ اوحدا الدین کرمانی نیز ہمدران بقعہ  
است \* (سیر العارفین)

\* ان کی قبر شیخ محی الدین عربی کے پہلو میں ہے - چنانچہ یہ فقیر جالی  
بھی دمشق کے محلہ صالحیہ میں جا کر انکی زیارت سے فیضیاب ہوا ہے - اس  
علاقہ کے زائر دونو مزارات کا تعارف اس طرح کراتے ہیں - یہ عرب کا سمندر  
ہے - (ابن عربی) اور یہ عجم کا سمندر (عراقی) ہے - شیخ اوحدا الدین کرمانی کی  
قبر بھی اسی با برکت جگہ میں واقع ہے -



## تصانیف

مرلانا عراقیؒ کی تصانیف حسب  
ذیل ہیں : (۱) لمعات - (۲) کاشف

الإسرار (مثنوی) - (۳) دیوان - عبدالنّبی نے مثنوی کا نام نہیں  
لکھا لیکن اس کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے -

”مثنوی بطرز حدیقہ برشتہ نظم در آورده دران میان

غزل گوئی فرموده“

چند اشعار ملاحظہ ہوں -

از عراقی سلام بر عشاق - آن جگر خستگان تیر فراق  
محرمان سراچہ قدسی - لوح خوانان سر نہ کرسی  
سالکان طریقہ علیاء - راه داران جادہ سفلی  
زندہ جانان مردہ در غم یار - مست حالان و جان و دل ہشیار  
بادشاہان تخت روحانی - غوطہ خوران بحر نورانی  
شاہ بازاں در قفس ماندہ - پیش بینان باز پس ماندہ  
از حدود وجود گم گشتہ - وز عقول و نفوس بگذشتہ  
یار خود دیدہ در پس پردہ - تن بجاں ماندہ جاں فدا کردہ  
مے نخوردہ شدہ بیوئے مست - دوست نادیدہ دل بدادہ ز دست  
برہ یار منتظر ماندہ - نمک شوق بر دل افشانده  
یار محنت کشیدہ چون ایوبؑ - زہر فرقت چشیدہ چون یعقوبؑ  
کردہ از جاں بسوئے کویش او - لیس فی جیبی سوی اللہ گو

جان انا الحق زنان و تن بردار

فارغ از جنت و گذشتہ ز نار



## دیوان

اس میں قصائد اور غزلیات  
کے ہزاروں اشعار ہیں۔ اور ہر

زمانہ میں پسند کئے گئے ہیں۔ چند قصائد جو مولانا نے اپنے  
مشائخ کرام کی تعریف میں لکھے ہیں۔ وہ اس کتاب کے آغاز  
میں درج ہو چکے ہیں۔ غزلیات کے کچھ اشعار اور چند رباعیات  
یہاں ملاحظہ فرمائیں:۔

در کوئے خرابات کسے را کہ نیاز است  
ہشیاری و مستیش ہمہ عین نماز است

از من پذیرید صلاح و ورع و زهد  
آنچه از تو پذیرند دران کوئے نیاز است

اسرار خرابات بجز مست نداند  
ہشیار چہ داند کہ دران کوئے چہ راز است

تا مستی رندان خرابات بدیدم  
دیدم بحقیقت کہ جزاں کار مجاز است

خواہی کہ درون حرم عشق خرامی  
در مے کدہ بنشیں کہ رہ کعبہ دراز است

ہاں تانہی پائے بیازی تو دریں راہ  
زیرا کہ دریں راہ بسے شیب و فراز است

از مے کدہ ہا نالہ دل سوز بر آمد  
در زمرہ عشاق ندانم کہ چہ راز است



زاں روئے کہ از روئے بتان شعلہ برا فروخت

جانِ ہمہ مشتاق چہ در سوز و گداز است

در زلفِ بتان تابِ فریب است کہ پیوست

محمودِ پریشان ز سر زلفِ ایاز است

چون بر درِ مے خانہ مرا بارندادند

رقمِ بدرِ صومعہ دیدم کہ فراز است

آوازہ ز مے خانہ بر آمد کہ عراقیؒ

درباز تو خود را کہ درِ میکدہ باز است

ولہ

بشرارہ قلندر بزن ار حریفِ مائی

کہ نماند پیشِ مارا سرِ زہد و پارسائی

قدحِ مے مغانہ بمن آر تا بنوشم

کہ دگر نماند مارا سرِ توبہٴ ریائی

مے ناب اگر نباشد بمن آر دردِ تیرہ

کہ ز دردِ تیرہ یا بد دل و دیدہ روشنائی

کم خانقہ گرفتہ سرِ مصلحت ندارم

قدحِ شرابِ پر کن بمن آر چند پائی



نه زرو نه سیم دارم نه دل و نه دین دنیا  
منم و حریف کنجی و نوائے بینوائی

نیم اهل زهد و تقویٰ بمن آر ساغر سے  
کہ بصدق توبہ کردم ز عبادت ریائی

تو مرا شراب در ده کہ ز توبہ توبہ کردم  
ز صلاح خود بدیدم همه لاف خود نمائی

چو زیادہ مست گشتم چہ کیسا و چہ کعبہ  
چو بترک خود گرفتم چہ وصال و چہ جدائی

بہ قمار خانہ رقم همه پاک باز دیدم  
چو بصومعه گذشتم همه یاقم و غائی

چو شکست توبہ من بشکن تو عهد بارے  
بمن شکسته دل گو کہ چگونہ کیجائی

بزمین چو سجدہ کردم ز زمین ندا بر آمد  
کہ مرا خراب کردی تو بسجدہ ریائی

بطواف کعبہ رقم بحرم رهم ندادند  
کہ بیرون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

در دیر سے زدم سر ز درون ندا برآمد  
کہ بیا بیا عراقی تو ز خاصگان مائی



## رباعیات

اے منزل دوست خوش ہوائے داری  
پیدا است کہ بوئے آشنائے داری

خاک کف تو چو سرمہ در دیدہ کشم  
زیرا کہ نشان از کف پائے داری

ولہ

ہاں راز دل خستہ ما فاش مکن .. با یار عزیز خویش پر خاش مکن  
آن دل کہ بہر دو کون سر درنارد اکنوں کہ اسیر تست رسواش مکن

ولہ

اے دوست بیا کہ بے تو آرام نیست  
در بزمِ طرب بے تو مے و جام نیست

کام دل و آرزوئے من دیدن تست  
جز دیدن روئے تو دگر کام نیست





## شيخ كبيرالدين عراقىؒ باپ كى تلاش ميں

يہ مولانا فخرالدين عراقى كے صاحبزادے اور حضرت غوث العلمينؒ كے نواسے تھے۔ قطب الاقطاب ركن عالم قدس سرہ العزیز سے تقريباً چھ برس پہلے تولد ہوئے اب تك حضرت غوث العلمينؒ كے صاحبزادوں كے ہاں كوئى اولاد نہيں ہوئی تھی۔ اس لئے تمام گھرانے ميں گھي كے چراغ جلائے گئے۔ نام بھی شايد اس رعايت سے كبيرالدين تجويز ہوا۔ باپ تو ايک مغلوب الحال شخص تھا۔ ہر وقت اس پر ايک نئی كيفيت طارى رہتی تھی۔ خدا بہتر جانتا ہے۔ کہ مولود مسعود كى تربيت اور غور پر داخت ميں اس نے كيا حصہ ليا ہوگا۔ ليكن یہ حقيقت ہے کہ غوث العلمينؒ نے اس نور چشم كو اپنی گود ميں لے كر پالا۔ پوسا اور جوان كيا۔ نہ صرف علوم متداولہ ميں طاق كيا۔ بلکہ اپنی ارادت ميں لے كر نگاہ فيض سے كندن بنا ديا۔ ۵۶۶۱ ميں جب آفتاب غوثيت غروب ہونے كو آیا۔ تو اسے خلعت خلافت سے سرفراز كر كے سيد السادات جلال بخارىؒ، مير حسینیؒ لال شهباز قلندرؒ اور حسن افغانؒ اور مولانا عراقىؒ جيسے مردانِ كامل كى صف ميں بٹھا ديا۔ گویا باپ كو سالہا سال كى رياضتوں كے بعد جو مقام نصيب ہوا تھا۔ بيٹا اپنے جد مادری كے گوشہ چشم كى برکت سے بيك جنبش پلك اس سے بھی آگے بڑھ گیا۔ جيسا کہ مولانا عراقىؒ كے تذکرہ ميں ہم بتا چكے ہيں۔ حضرت غوث العلمينؒ كے وصال كے تھوڑا عرصہ بعد وہ اپنے وطن



کو روانہ ہو گئے تھے۔ لیکن چونکہ انہیں اپنی تلون مزاجی کا پورا اندازہ تھا۔ اور وہ بخوبی سمجھتے تھے۔ کہ طبیعت کی افتاد انہیں کسی ایک جگہ پر قدم نہیں جمانے دیگی۔ اس لئے فرزند جگر بند کو ہمراہ لے جانا مناسب خیال نہ کیا۔ اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ شیخ کبیرالدین کا ننھیال سے انس اور پیار دیکھ کر ساتھ لے جانا پسند نہ کیا ہو۔ یا ہو سکتا ہے۔ کہ شیخ الاسلام صدرالدین عارف نے ہی انہیں روک لیا ہو، پھر حال پندرہ سولہ برس تک شیخ کبیرالدین اپنے والد بزرگوار کے بعد ملتان میں رہے۔ ۵۶۸۷ میں جبکہ مولانا عراقیؒ مصر کی شیخ الاسلامی کو طلاق دے کر دمشق پہنچ چکے تھے۔ انہیں حضرت والد ماجد کی طرف سے ایک قلمی کتاب موصول ہوئی۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ یہ نسخہ کیا تھا لمعات، کلیات یا دیوان میں سے کوئی تازہ تصنیف ہوگی جسے حرمان نصیب باپ نے یادگار کے طور پر اپنے نورِ نظر کو کسی خاص آدمی کی وساطت سے بھجوا دی ہو گی۔ شیخ کبیرالدین کو جب باپ کا یہ گراں قدر تحفہ ملا۔ تو اس نے ادب سے سر آنکھوں پر رکھا۔ کھولا۔ تو پہلے صفحہ پر یہ اشعار نظر پڑے۔

فرزند عزیز قرۃ العین کبیر۔ بادات خدا درہمہ احوال نصیر  
بپذیر بیادگار این نسخہ من۔ سے کن نظرے خطرے دردل باز مگیر

مے خواست پدر کہ باتو باشد ہمہ عمر

اما چہ تو ان کرد چنیں بر تقدیر

ان اشعار نے سمند شوق پر مہمیز کا کام کیا۔ اور جذبات کی



تند و تیز موجیں انہیں باپ کی تلاش میں لے آڑیں۔ اور شیخ کبیرالدین ہزاروں میل کی مسافت طے کرنے کے بعد اعجازی طور پر دمشق جا پہنچے۔ مولانا عراقی ان دنوں بے حد ضعیف ہو چکے تھے۔ اس عالم میں سعادت مند فرزند کو دیکھ کر نہال ہو گئے افسوس! کہ ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور اسلام کا وہ بلند پایہ صوفی جس کا دماغ حریم ربّانی کے جلوؤں سے مدھوش اور جس کا قلب تجلیات الہی سے منور رہتا تھا۔ دسوی امراض کے بہانہ سے خاکدان عالم سے بلند ہوتا ہوا اعلیٰ علیین کی طرف صعود کر گیا۔ ان کے بعد شیخ کبیرالدین نے تقریباً بارہ برس تک مسند ارشاد کو زینت دی اور بقول خزینۃ الاصفیاء۔ "ہے میں "صدائے ارجعی" کو لیک کہتے ہوئے اعلیٰ علیین کو رخصت ہوئے۔ جسند اطہر آغوش پدر میں سپرد خاک ہوا۔ باپ بیٹے کی قبریں شیخ محی الدین بن العربی قدس سرہ کے جوار میں پہلو بہ پہلو واقع ہیں۔ تاریخ وفات "نور دمشق" سے بر آمد ہوتی ہے۔

شیخ کبیرالدین ایک باکمال عارف اور وجدانی شاعر کے نامور فرزند، غوث العلمین بہاؤ الدین زکریاؒ جیسے شہباز طریقت کے نواسے شیخ الاسلام صدرالدین عارفؒ کے بھانجے قطب الاقطاب رکن الدین ابو الفتح کی پھوپھی کے بیٹے ہونے کے ساتھ خود بلند پایہ درویش، لاجواب خطیب اور بے مثال شاعر تھے۔ ان کا کلام یقیناً محفوظ ہوگا۔ مگر شام میں ہی اس کا سراغ مل سکتا ہے ہمیں باوجود تجسس تمام اب تک کوئی اتہ پتہ نہیں مل سکا۔



## اولادِ امجاد

ملا نادرؒ نے جو ملتان کے قاضی القضاة تھے انہوں نے اپنی منظوم تاریخ میں خواجہ فخرالدين عراقیؒ کی اولاد کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ان کا ماخذ مولانا عبادالدين خراسانیؒ کی مشہور کتاب، تذکرۃ الانساب ہے۔ چنانچہ وہ اپنے مرشد طریقت حضرت حافظ علی محمد صاحبؒ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

در خراسان بود مولانا عباد      تذکرہ انساب را نقشے نہاد  
ابتدا از حضرت صدیق کرد      تاباين حضرت ہمہ تصدیق کرد

من از آنجا خوانده ام آورده ام

دست در دامن ایشان برده ام

ہم نے شیخ کبیرالدينؒ کی تاریخ وفات مفتی غلام سرور لاہوری کے حوالہ سے ۵۰۰ھ درج کی ہے۔ لیکن مولانا عبادالدين خراسانیؒ کا دعویٰ ہے کہ حضرت کا وصال ۵۳۶ھ میں ہوا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

”شیخ کبیرالدينؒ کا ۵۳۶ھ میں انتقال ہوا۔

خواجہ قطب الدين جامؒ نے تیارداری کی اور

نماز جنازہ پڑھائی۔ عمر شریف ۹۰ سال تھی۔“

اگر عمر ۹۰ سال صحیح ہے تو پھر تاریخ وفات بھی ۵۳۶ھ تسلیم کرنی پڑے گی۔ کیونکہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ حضرت کبیرالدين حضرت قطب الاقطاب رکن الدين عالمؒ سے تقریباً چھ برس پہلے تولد ہوئے تھے۔ حضرت قطب الاقطاب کی تاریخ ولادت



۹ رمضان ۵۶۴۹ ھے۔ اس لحاظ سے مولانا عابدالدین خراسانی کی تحقیق زیادہ قرین قیاس ھے۔\*

### شیخ ابراہیمؒ عراقی

آپ شیخ کبیرالدینؒ کے صاحبزادے تھے۔ ۵۶۷۱ ھ میں بمقام ملتان پیدا ہوئے اور ۵۶۸۷ ھ میں والد ماجد کے ہمراہ ملتان سے دمشق پہنچے قبلہ گاہ کے انتقال کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور زندگی کے بقیہ لیل و نهار قبہ خضرا کے سایہ میں بسر کر کے ۵۷۷۲ ھ میں دار فانی سے عالم باقی کو رخصت ہوئے۔ مزار پر انوار بقیع میں ھے۔ عمر شریف ۱۰۱ سال۔

### شیخ حمیدالدینؒ عراقی

آپ نے خراسان میں علم حاصل کیا تھا۔ والد ماجد کے انتقال کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے اور ۹۳ سال کی عمر پا کر فوت ہوئے۔ قبر شریف بقیع میں ھے۔

آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ شیخ کمال الدین اور شیخ بدرالدین۔ شیخ کمال الدینؒ والدہ کے اصزار پر خراسان تشریف لے آئے اور ۵۸۴۶ ھ میں فوت ہو کر یہیں سپرد خاک ہوئے۔ لیکن شیخ بدرالدینؒ مدینہ عالیہ میں رہے۔ انکی تمام زندگی جوار رسول میں بسر ہوئی اور فوت ہو کر وہیں بقیع میں دفن ہوئے۔

### شیخ حسام الدینؒ عراقی

آپ نے اپنے والد ماجد شیخ کمال الدینؒ سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم اور زاہد مرتاض تھے۔ ۵۹۰۱ ھ میں ۸۰ سال کی عمر پا کر فوت ہوئے۔ مزار پر انوار خراسان میں ھے۔

\* حضرت فخرالدین عراقی رح کے صرف ایک صاحبزادے تھے۔ بعض قصوں میں حضرت مخلوم بوعلی قلندر قدس سرہ العزیز کو بھی آپ کا فرزند ظاہر کیا گیا ھے۔ یہ داعیہ قطعاً غلط اور بے اصل ھے۔ [فریدی]



شيخ معين الدينؒ عراقى

آپ شيخ حسام الدين کے صاحبزادے تھے۔ ۵۹۳۹ھ میں رہگرائے عالم

جاودانی ہوئے۔ قبر شريف خراسان میں مرجع خواص و عوام ہے۔

شيخ وجيهه الدينؒ عراقى

آپ شيخ معين الدين عراقىؒ کے فرزند جگر بند اور علوم متداولہ میں

يكتائے روزگار تھے۔ حضرت غوث العلمين قدس سرہ العزیز کے مزار پر انوار کی کشش آپ کو ملتان کھینچ لائی۔ آپ کی آمد سے اہل ملتان باغ باغ ہو گئے اور خواجہ فخرالدين عراقىؒ کی یاد ایک دفعہ پھر تازہ ہو گئی علامہ کاشانی کی ”یونیورسٹی“ ابھی تک کافی رونق پر تھی۔ آپ اس درسگاہ کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ آپ نے یہاں درس دیا اور قال اللہ و قال الرسول سے ملتان کے درودیوار کو گرما دیا۔ آپ کا یہاں مستقل طور پر رہنے کا ارادہ تھا۔ چنانچہ آپ نے قریشی خاندان کی ایک عارفہ سے شادی بھی کر لی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ ارغون کے حملہ نے ملتان کا نقشہ تک بدل دیا۔ علم و ادب اور شریعت و طریقت کی مجلسیں سونی پڑ گئیں۔ قلعہ معلیٰ میں لنگاہوں کے قتل و غارت سے ایک قیامت برپا تھی اور شرفائے شہر سر چھپانے کے لئے سامن تلاش کرتے پھرتے تھے۔ چنانچہ مولانا وجيهه الدين بڑی مع اہل و عیال واپس خراسان تشریف لے گئے۔ وہیں شيخ عبدالکریم اور شيخ عبدالرحیم ان کے دو صاحبزادے تولد ہوئے اور دونو سے اس خانوادے کی نسل خوب پھیلی۔ لیکن اس کے باوجود ملتان کی یاد آپ کے دل میں رہ رہ کر چٹکیاں لیتی تھی۔ ممکن ہے کہ آپ کی اہلیہ نے خویش و اقارب کو ملنے کے لئے دوبارہ ملتان کے سفر پر آمادہ کیا ہو۔ بہر حال عالم پیری میں آپ نے دوبارہ ملتان کا رخ کیا اور اپنی قدیم جگہ میں سکونت اختیار فرمائی۔ علامہ کاشانی کی درس گاہ



میں بدستور سابق درس دینا شروع کیا اور یہ سلسلہ زندگی کے  
آخری مرحلے تک قائم رہا۔ ۱۹۷۱ء میں آپ کا انتقال ہو گیا۔  
معتقدین نے اس تعلق خاطر کے سبب جو حضرت کو علامہ کاشانی  
اور انکی درس گاہ سے تھا۔ آپ کو علامہ کے پہلو میں دفن کر دیا۔  
ملا نادر آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بود آن علامہ دور زماں بحر فیض علم زو گشتہ رواں  
درس گفت و عالی شد فیض یاب خود نظیر خویش بد عالیجناب  
بعد ازاں آورد رو در مولتاں بود درس قاضی قطب الدین رواں  
اندر اں بنہاد رخت و شد مقیم عالمے را داد او فیض عمیم  
عارفہ بود از قریشی خاندان شیخ اندر عقد خود آورد آن  
ارغون کے حملہ آور ہونے پر:۔۔

پس ز ملتان کرد رو سوئے وطن صاحب اولاد شد شیخ ز من  
اولیں فرزنداد او عبدالکریم بود دوئم حضرت عبدالرحیم  
هریکے شان صاحب اولاد شد هر یکے از زمره اوتاد شد  
پس وجیہ الدین چون شد پیر سال باز آمد سوئے ملتان با کہل  
گشت نازل در ہاں جائے قدیم هر یکے کردیش تعظیم عظیم  
آخر اندر نہ صد و ہفتاد و یک جان پا کش برد در جنت ملک  
سوئے مشرق در مدرسہ جائے او متصل قاضی قطب مساوائے او  
علم و عمل کے ان مہر و ماہ کا مقبرہ نہایت پر شوکت اور قابل دید تھا۔  
آٹھوں پھر زائرین کا تانتا لگا رہتا تھا۔ اس کے پاس ہی حسین خان کا مقبرہ ،  
جامع مسجد اور علامہ کاشانی کی یونیورسٹی تھی۔ ۱۹۰۵ء میں انگریزوں نے  
جب ملتان پر حملہ کیا تو دیوان مول راج نے جامع مسجد میں بارود رکھوا  
دیا۔ اس کا خیال تھا کہ مسجد کے احترام کے سبب بارود دشمن کی زد سے  
بچ جائے گا۔ لیکن انگریز توپچی نے شاہ شمس کی مور چال سے ایسا



گولہ پھینکا۔ کہ سیدھا مسجد پر آگرا۔ ایک خوفناک دھماکہ سے بارود پھٹا اور یہ تمام مقامات بھک سے آڑ گئے۔ تذکرہ ملتان کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں:-

روز چہار شنبہ ۱۵ ماہ صفر انگلیسیان محاصرہ قلعہ و شہر پناہ نمودند و بروز شنبہ کہ روز چہارم از محاصرہ بود بسبب گولہ توپ سرکار عالی کہ از مورچال متصل خانقاہ شاہ شمس اوریزی و محاذی جامع مسجد بود آتش در باروت کہ بتخمین ہفتدہ ہزار من دز مسجد مذکور نہادہ شدہ بود افتاد۔ تمام عمارت مسجد مذکور و دیوار ہائے آن و دیگر سائر عمارات نواب مظفر خان و سرافراز خان کہ قریب بودہ و دیگر مکانات قریب جوار مسجد مذکورہ مثل قبہ قطب کاشانی و قبہ خواجہ حسین خان وغیرہ مکانات از اساس آن برکندیدہ و ہوائے شدند کہ اثرنے از آثار آنها باقی نماندہ۔ (صفحہ ۱۰۰ غیر مطبوعہ)

چنانچہ اس وقت سوائے علامہ کاشانی اور مولانا وجیہ الدین کی مزارات کے کسی عمارت کا نشان تک نہیں ملتا۔ نہ جامع مسجد کا پتہ ہے اور نہ خواجہ حسین خان کے مقبرہ کا میرے خیال میں غالباً یہ سلطان حسین خان لنگاہ کا مقبرہ ہوگا۔ جسے مخدوم صاحب نے خواجہ حسین خان لکھا ہے۔ علامہ کاشانی اور مولانا وجیہ الدین کے مزارات مثالی درس گاہ کے قریب قلعہ پر موجود ہیں اور حسین آگاہی سے باسانی نظر آسکتے ہیں۔

مولانا وجیہ الدین کے دونوں صاحبزادے خراسان میں تھے۔ چونکہ

شيخ عبدالکریم عراقی

شيخ عبدالکریم کے داخل نسب ہیں۔ ملا نادر نے صرف ان کا ہی



ذکر کیا ہے۔ آپ کا ۱۰۳۶ھ میں انتقال ہوا اور خراسان میں دفن ہوئے۔

شیخ محمود بن شیخ عبدالکریمؒ انہوں نے ۱۳۰ سال عمر پائی

تھی۔ صحت اچھی تھی۔ ۱۰۹۴ھ

میں فوت ہو کر خراسان میں دفن ہوئے۔ ان کے صاحبزادے شیخ عبداللہؒ جو حاجی موسیٰ کے نام سے زیادہ مشہور تھے وہ بھی خراسان میں رہے اور ۱۱۲۸ھ میں فوت ہو کر اپنے بزرگوں کے جوار میں آسودہ ہوئے۔ ان کے فرزند حافظ علی محمد صاحبؒ تھے۔ جن کے فضل و کمال کا ذکر کرتے ہوئے ملا نادر لکھتا ہے۔

گرچہ من عالم بسے گردیدہ ام

این چنین مرد خدا کم دیدہ ام

آپ کا ۱۱۷۴ھ میں انتقال ہوا۔ مزار پر انوار خراسان میں ہے۔

سلطان الاولیاء حضرت حافظ محمدؒ آپ حضرت حافظ علی محمد صاحبؒ

کے فرزند ارجمند تھے۔ علوم

متداولہ کے بے پناہ عالم، قرآن حکیم کے حافظ اور قاری تھے۔ والد ماجد کے وصال پر عروس البلاد ملتان کی یاد نے چٹکی لی اور مختصر سامان ہمراہ لے چل دئے۔ نواب شجاع خان سدوزیؒ کا دور حکومت تھا۔ انہیں اپنے صاحبزادے مظفر خاںؒ کی تعلیم و تربیت کے لئے قابل اتالیق کی ضرورت تھی۔ حضرت مولانا کی تشریف آوری سے بڑے خوش ہوئے۔ رہنے کے لئے ایک شاندار مکان مرحمت کیا اور شہزادہ انکی تحویل میں دے دیا۔ لیکن آپ کا فیض عام تھا۔ مظفر خاں کے پہلو بہ پہلو ملتان کا ایک اور ذہین طالب علم بھی تعلیم پاتا تھا۔ جو آگے چل کر محبوب الہی مولانا خدا بخشؒ خیر پوری کے نام سے مشہور ہوا۔ ساتھ ہی دوسرے طالبان علم و ادب بھی جو اس ”چشمہ شیریں“ کی شہرت سن کر جمع ہو گئے



تھے اپنی تشنگی بجھاتے تھے۔ نواب صاحب کی طرف سے روزانہ پانچ روپے کی نذر پیش ہوتی تھی۔ اسی پر اس خاندان کا گزارہ ہوتا تھا۔ نواب مظفر خان نے بھی اس معمول کو جاری رکھا۔ ملا نادر نے آپ کے درس اور گزر اوقات کا نقشہ کتنی خوبصورتی سے کھینچا ہے۔ لکھتا ہے:

آن خدا بخشؒ کہ بد قطب زماں  
وہاں مظفر خانؒ نواب مولتاں  
ہر دوشاں بودند شاگردان او  
دیگراں بس زیر بار احسان او  
پنج روپیہ از مظفر خان نواب  
از برائے خاندان ایس جناب  
شد مقرر تا بہر روزے رسد  
خادم آوردے کز و نذرے نہد  
حضرت علامہ کا ۱۲۰۹ھ میں انتقال ہوا۔ وفات کے وقت عمر شریف  
۹۱ برس تھی۔

حضرت مولانا محمد حیاتؒ کے بعد  
ان کے فرزند ارجمند حضرت مولانا  
محمد موسیٰؒ مسند ارشاد کے مالک

حضرت مولانا خواجہ  
محمد موسیٰ پاکؒ

بنے۔ مظفر خانی دور کے یہ باکمال درویش جو حافظ قرآن بھی تھے۔ اور واقف اسرار طریقت بھی۔ جب بیعت کے لئے حافظ محمد جہاں اللہ قدس سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو وہ فرط طرب سے اچھل پڑے اور حاضرین سے فرمایا ”بھائیو! آج مجھے مبارک دو۔“ اور پھر اپنے دست حق پرست سے شیرینی تقسیم فرمائی۔ لوگوں نے عرض کی کہ یہ کیا ”ماجرا ہے؟“ حضور نے مولانا خیر پوریؒ کو حلقہ ارادت میں لینے

پر بھی اسی مسرت کا اظہار فرمایا تھا۔ کیا یہ بھی ویسے ہیں؟“  
ارشاد ہوا ”بلے! این ہم غوث وقت و قطب دوران است۔“  
الغرض مرشد کامل کے فیض صحبت سے مالا مال ہو کر درجہ چہارم پر خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اور قال اللہ و قال الرسول سے مسلمانوں



کے قلب و دماغ کو جلا کرنے لگے۔ درس کی یہ کیفیت تھی کہ ہر وقت ستر (۷۰) اسی (۸۰) طلباء آپ کی خدمت میں موجود رہتے تھے۔ اور جو کچھ پڑھاتے۔ وہ حلق اور زبان سے ادا نہ ہوتا۔ بلکہ ہر لفظ دل کی عمیق گہرائیوں سے نکلتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات آپ پر وجد کی حالت طاری ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ جبکہ آپ تفسیر کا درس دے رہے تھے۔ کسی آیت کریمہ پر آپ کو وجد آ گیا تمام طلباء ادب سے خاموش ہو گئے اسی اثنا میں حضرت خواجہ محمد سلیمان صاحب تونسوی ملاقات کو تشریف لے آئے۔ کافی دیر انتظار کی۔ مگر افاقہ نہ ہوا۔ تو مجبوراً طلباء کو سلام پہنچانے کا ارشاد کیا اور رخصت ہو گئے۔ کچھ دیر بعد جب حضرت مولانا کو سکون ہوا۔ تو طلباء نے حضرت تونسوی علیہ الرحمۃ کا سلام عرض کیا۔ آپ فوراً سر و قد کھڑے ہو گئے اور کچھ سوچ کر ساڑھی سیٹل کی جانب چل دئے۔ مقام مذکور پر پہنچ کر شرف نیاز حاصل کیا۔ اور معذرت پیش کی۔

مولانا کا دوسرا شغل عزیز کتب کی تصنیف و تالیف تھا۔ بے شمار کتب اپنے ہاتھ سے تحریر فرمائیں۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ تمام علمی خزانہ سکھوں کی لڑائی میں نذر آتش ہو گیا۔ شیخ محمد یوسف صاحب گردیزی تذکرہ ملتان میں حضرت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اعلم العلماء، افضل الفضلاء، استاذی الشریف مسمیٰ کیم اللہ  
اعنی مولوی محمد موسیٰ در علوم ظاہر نظیرے  
نداشت و در باطنی بے عدیل۔ از تدریس صوری  
خلائق کثیر بتحصیل انواع علوم بدرجہ فضیلت رسید  
واز توجہ معنوی ایشان الوف اناس بفیوض و نعم  
رسیدند۔ (صفحہ ۱۱۴ غیر مطبوعہ)

حضرت مولانا کے ایک بھائی حافظ محمد عثمان تھے۔ زہد و ورع میں ان کا پایہ بھی کافی بلند تھا۔ ملا نادر اس خاندان سے



بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی مثنوی میں اس خاندان جلیلہ کا ذکر بڑے پر شوکت انداز میں کیا ہے۔ اور جب وہ حضرت مولانا محمد موسیٰ قدس سرہ العزیز تک پہنچے ہیں۔ ان کا قلم وجد میں آگیا ہے۔ ہر شعر انکی عقیدت و ارادت کی صحیح عکسی کرتا ہے۔ مولانا محمد حیات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں

بعد ازاں مانند فرزندان او مولوی موسیٰ و عثمان نیک خو  
آن یکے بینم بعلم اندر فرید و ان دگر را حافظ قرآن مجید  
مولوں از سر حق آگاہ شد تا لقب او را کلیم اللہ شد  
از جناب حضرت غوث زمانہ این چراغے گشتہ روشن این زمان  
تا کنوں روشن مگر چنداں نبود زہد و ورع و ارتقا این ساں نبود  
عالمے هست این حقیقت آشنا داند این بحر طریقت را شننا  
من بچشم خویشتن بینم ورا حاشا اللہ گویم از غیر خدا  
ور خدا گویم نمے باشد روا مقتضی انصاف این است اے فتا  
در میان خلق و حق او برزخے است صفحہ تحریر را چون دو رخے است  
از یکے سو سوئے رب العلمین وز دگر سو رو بخلق است اے امین  
هان نمے میرد چراغ مقبلان تند ببادے گروزد اندر جہاں  
بالیقین دانم کزین روشن چراغ نور گیرد ہر زمانے باغ و راغ

بندۂ نادر نیماز آگندہ شد

بندہ اش را سگ، سگش را بندہ شد

چاکران شیخ را چاکر منم بندگانش را غلام کمترم  
یا الہی ظل آن عالی مقام بر سر ما دار از فضلت سدّام  
من چہ گویم وصف آن بندہ نواز جامع راز و نیاز و سوز و ساز  
فاش مے گویم کہ آن راز خداست ذات پاک او ز آب و گل جداست  
ز آب و گل ہرگز نیاید ہیچ کار آب و گل مشہار او را ہوشدار  
ہرچہ مے خواہی ازو خواہ اے فتا نیست اندر جبہ اش إلا خدا



احقرم سن بردرش افتادہ ام دست بستہ پیش او استادہ ام  
دو زدہ رفت از ربیع اولیں نظم شد از ہیچ کم از ہیچ این  
یک ہزار و دو صد و پنجاہ و شش سال ہجری ہست اے نیکومنش

چوں بخوانی بندہ نادر یاد آر

رحمۃ اللہ گوئی اے والا تبار

گویا ملا نادر نے یہ مثنوی ۱۲ ربیع الاول ۱۲۵۶ھ میں ختم  
کی ہے۔ اس وقت حضرت مولانا کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر  
پوری تابانی سے جگمگا رہا تھا۔ ۱۱ ماہ رجب ۱۲۶۱ھ کو طریقت  
و معرفت کا یہ بدر منیر سیخاب فنا کی اوٹ میں آ گیا۔ ایک عقیدتمند  
نے آپ کی تاریخ وفات اس طرح سے موزوں کی ہے

سروش غیب بمسکین برائے تاریخش  
بگفت ”مولوی آمد بطور قرب خدا“

۱۲۶۱ھ

محبوب الہی ثانی حضرت  
خواجہ خدا بخش ملتانیؒ

حضرت مولانا محمد موسیٰؒ نے  
اپنے اس جگر گوشہ کا نام ”امام بخش“  
رکھا تھا۔ لیکن جب انہیں بیعت

کرانے کے لئے مولانا خیر پوری کی خدمت میں لے گئے۔ تو ارشاد  
ہوا۔ کہ میں بے اولاد شخص ہوں۔ آج سے یہ میرے معنوی فرزند  
ہیں۔ آئندہ انہیں امام بخش کی بجائے خدا بخش سے پکارا کریں۔  
یہ میری مانند ہونگے۔ اور صاحب اولاد ہونگے۔ چنانچہ اس روز  
سے آپ خواص و عام میں خدا بخش کے نام سے پکارے جانے لگے۔  
فضل و کمال کے ساتھ زہد و اتقا کا یہ عالم تھا۔ کہ نذر و نیاز سے  
گہن آنے لگی تھی۔ ایک دفعہ اللہ داد خان صاحب ڈسٹرکٹ جج  
نے عرض کی کہ عید گاہ کے قریب میرے دو چاہات ہیں۔ حضور



انہیں لنگر خانے کے لئے منظور فرمائیں۔“ آپ نے فرمایا ”بابا فقیر کو خدا کافی ہے“ دوبارہ گذارش کی۔ ”قبلہ! حضور کے لئے کون کمبخت کہتا ہے درویش جو آستانہ عالیہ پر پڑے ہیں ان کے لئے ہی لے لیں۔“ حضور نے کچھ گرم ہو کر فرمایا۔

”ہم سب کا روزی رساں ایک ہے اس کے غیروں

سے منظور نہیں۔“

۲۵ جمادی الاول ۱۳۱۱ھ بروز سہ شنبہ داعی اجل کو لبیک کہہ کر اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے تاریخ وفات کے طور پر آپ کے فرزند دلہند حضرت مولانا محمد نظام بخش کا یہ قطعہ مشہور چلا آتا ہے

باش نظام بسوز و گدازی کیست کہ باوے حال بسازی  
حال ز سخت افسوس دلی گو سال وصالش نیز ازیں جو

۱۳۱۱ھ

آپ بھی والد ماجد کی طرح یکتائے  
روزگار تھے تفسیر، حدیث اور فقہ کا

حضرت مولانا محمد نظام بخش

درس دیا کرتے تھے۔ معاصرین میں بڑا مرتبہ تھا۔ مؤلف انیس المساکین  
تحریر فرماتے ہیں کہ:-

”حضرت ولی نعمی ذات، ملکی صفات، قدسی درجات،  
مظہرالجمال والکمال، مولانا ملجانا حضرت مولوی  
نظام بخش صاحب خلف الرشید حضرت خواجہ خدا بخش  
صاحب ملتانی محبوب اللہ ثانی کہ ثمر بوستان خلافت  
جمال اللہ و محبوب اللہ است وما متعطلشان بادۃ توحید را  
صلائے ”وہموا واشربوا انتم جنودی“ دردادہ و ساغر  
بر ساغر مرستان رندان بے خود را از آب بقا پر



کرده دوام بخشیده - الہی ہمیشہ این بوستان را  
از باد مخالف دوران محفوظ داری وما جرعه نوشان  
این مے خانہ را و میوه چینان این گلزار را از تازگی و  
سرسبزی این فردوس خوش نصیب داری - آمین ثم آمین

۸ ذی الحج ۱۳۲۶ ہ بروز جمعرات آپ کے طاثر روح نے  
جسد عنصری سے پرواز کیا اور گلستان موسوی کا یہ بلبل ہزار داستان  
ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔

آپ ملتان میں خواجہ فیخر الدین  
عراقیؒ کے خاندان کے واحد سرپرست  
اور درگاہ موسوی کے خدا یاد

مولانا خواجہ  
محمد حسین بخش مدظلہ

مجادد نشین ہیں آپ کا اکثر وقت اوراد و اذکار اور تسبیح و تہلیل  
میں گذرتا ہے۔ اس وقت عروس البلاد ملتان میں آپ سے زیادہ عبادت  
گذار اور کوئی درویش نہیں ہے۔ بلاشبہ آپ کو نہ اہل دنیا  
کی پرواہ ہے اور نہ دنیا کی دولت سے کچھ سروکار۔ نہ انسانوں  
کے رد و قبول اور جہان کی تحسین و آفرین کے محتاج ہیں اور نہ  
لومۃ لائم سے خائف، محض اپنی دنیا کے آپ بادشاہ ہیں۔ رات اگر  
قیام میں گذرتی ہے تو دن روزہ میں بسر ہوتا ہے نہ دوستوں سے  
طمع ہے نہ امرائے دولت سے کچھ غرض، بقول حضرت اقبالؒ

تیری بندہ پروری سے میرے دن گذر رہے ہیں  
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایت زمانہ

کچھ عرصہ سے آپ نے اذان میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم  
کے اسم شریف سے پہلے لفظ ”سیدنا“ کا اضافہ کر دیا ہے اور  
رمضان کا مہینہ بھی آپ کے گھرانے میں باقی دنیا سے ایک دن پہلے آتا اور



ایک دن پہلے رخصت ہو جاتا ہے۔ سواد اعظم حضرت مولانا کے اس اجتہاد کو شدت سے محسوس کر رہا ہے۔ رمضان کے آخری دن جبکہ ملتان کا سارا شہر روزے سے ہوتا ہے۔ آپ اور آپ کے دو تین سو متعلقین بے تکلفی سے کھاتے پیتے اور احباب کو سوئیاں بھجواتے ہیں۔ اس وقت یوں محسوس ہوتا ہے۔ گویا مسلمانوں کا یہ کوئی نیا فرقہ ہے جسکی اپنی فقہ ہے۔ اس دن حضرت مولانا اور ان کا خلقہ اثر مرزائیوں، نجدیوں، شیعوں اور چکڑالیوں سے بھی زیادہ دور چلا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کے اور ہمارے عقائد میں ہزار اختلاف سہی لیکن عید منانے میں تو سواد اعظم کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ ایک دن میں حضرت سے ملنے گیا۔ مغرب کا وقت ہو رہا تھا۔ حضرت نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور مجھے اذان دینے کا اشارہ کیا۔ میں ماذنہ کی طرف بڑھا۔ اذان دینا شروع کی۔ لیکن جب تشہد پر آیا تو عالم خیال تیرہ سو برس پیچھے لے گیا۔ مدینہ طیبہ کی مسجد میں ماذنہ پر بلال رض اور سامنے صحابہ کا جم غفیر اور پھر مالک لولاک لما کا عکس جمیل نظروں میں پھر گیا۔ حضرت مولانا کا احترام متقاضی تھا۔ کہ تشہد میں سیدنا کا لفظ بڑھاؤں مگر زبان نے یاوری نہ کی۔ اور اسی طرح تشہد کے کلمات دوہرائے، جس طرح بلال رض جیسے عاشق رسول نے دوہرائے تھے۔ جیسے اکابر صحابہ اور دوسرے کروڑوں بزرگان ملت نے دہرائے۔ ہمیں سواد اعظم کے ساتھ دینے کا حکم ہے چنانچہ میں نے اسی پر عمل کیا۔ اس کے باوجود حضرت مولانا نے نہ برا متایا اور نہ ٹوکا۔ چنانچہ اسی طرح میں نے تکبیر کہی اور نماز شروع ہو گئی۔ نماز کے بعد حضرت مولانا اوراد و اذکار میں مصروف ہو گئے۔ اور میں رخصت ہو آیا۔ حضرت مولانا کے تین فرزند ہیں۔ مولانا شاہ بخش، مولانا حافظ دلدار بخش اور مولانا حافظ بشیر احمد۔ تینوں صاحب اولاد ہیں اور شکل و صورت، وضع قطع اور طور طریقے میں آپ کی زندگی کا صحیح مرقع ہیں۔



## نواب الاولياء بسندھ مي رود

نواب الاولياء شيخ موسى قریشی سہروردی غوث العلمینؒ کے چچا زاد بھائی اور مخدوم احمد غوثؒ کے فرزند جگر بند تھے۔ ان کا نسب نامہ سیرت غوث العلمین قدس سرہ کے صفحہ ۸۹ پر دیکھا جا سکتا ہے جب حضور نے سلوک کی تمام منزلیں طے کر لیں۔ تو حضرت غوثؒ نے خرقة خلافت مرحمت کیا اور فرمایا ”ولایت سندھ بتوا بخشیدم“ آپ کا یہ ارشاد کرنا تھا۔ کہ ہر طرف آپ کی نوابی کا چرچا ہونے لگا۔ جہاں سے آپ گذرتے لوگ کہتے موسیٰ نوابؒ جا رہے ہیں۔

الغرض نواب الاولياء مرشد طریقت کے حکم کی تعمیل میں سندھ کو روانہ ہوئے۔ سہروردی سلسلے کا یہ مرد مجاہد تسبیح و تہلیل سے لوگوں کے دلوں کو گرماتا اور تصوف و معرفت کے درر ہائے آبدار بکھیرتا چلا جاتا تھا۔ کہ سندھ کے کنارے ایک با عظمت اور پر شکوہ قلعہ نظر آیا۔ جسکی فصیل کے کنگرے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ اس کا گرد و پیش اس قدر سر سبز تھا۔ کہ دیکھنے والوں کو اس پر بہشت بریں کا دھوکا ہوتا تھا۔ حد نگاہ تک لہلہاتے کھیتوں کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ اور ان کے درمیان میں سندھ اٹھکھیلیاں کرتا بہہ رہا تھا۔ یہ سیوراهی کا قلعہ تھا۔ جو آج اور بکھر کے درمیان ایک اہم مقام خیال کیا جاتا تھا۔ نواب الاولياء نے اس کے بلند و پست پر ایک نظر ڈالی اور پھر ایک درخت کے نیچے سامان رکھوا کر بیٹھ گئے۔ لوگوں میں آپ کی تشریف آوری کی خبر سرعت سے پھیل گئی۔ سعادت مند روہیں جوق در جوق زیارت کے لئے حاضر ہونے لگیں۔ روزانہ بے شمار لوگ آپ کو دیکھنے کی غرض سے آتے۔ مگر جس پر نظر پڑتی وہ صدق دل سے مسلمان ہو جاتا۔ اسی طرح تھوڑے



سے عرصہ میں ہی سرواہی کا کفرستان نیر اسلام کی تابانیوں سے جگمگا اٹھا۔

### غوث العالمینؒ کی آمد

حضرت غوث العلمینؒ قدس سرہ کی خدمت میں جب نواب الاولياءؒ کی تبلیغی

سرگرمیوں کی اطلاعات پہنچیں۔ تو حضور بڑے خوش ہوئے۔ اور آپ کی ساعی جمیلہ کا جائزہ لینے کے لئے اپنے یاران بے ریا کی رفاقت میں تشریف لے آئے۔ نواب الاولياءؒ کی مسرت اور شادمانی کا کیا ٹھکانا تھا۔ وہ پروانہ وار مرشد پر سے تصدق ہو رہے تھے۔ مشتاقانِ جہال کا جمگھٹ لگ رہا تھا۔ دُور دور سے بخت بیدار آتے اور نائب رسول سے اپنا نصیبہ لے خوش خوش واپس لوٹ جاتے۔ جہاں حضرت اپنے رفیقوں سمیت مصروف عبادت رہے تھے۔ وہاں اب مسجد بنی ہوئی ہے۔ اور چار یاروں کی مسجد کہلاتی ہے۔ پاس ہی جند کا ایک درخت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے آپ کا گھوڑا باندھا گیا تھا۔ الغرض یہاں سے حضرت غوثؒ ٹھٹھ کو روانہ ہو گئے۔ \*

\* نواب الاولياءؒ قدس سرہ کے چند خوش اعتقاد متوسلین نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ حضرت اہل کی نگری [ضلع حیدرآباد سندھ] میں تشریف لے گئے تھے۔ ساگرا ندی کے کنارے جو مقبرہ ہے وہ بھی آپ ہی کا ہے اور آپ اعجازی طور پر دونو مقبروں میں دفن ہیں۔ خاکسار مؤلف نے برفاقت خانصاحب مجدد یعقوب خان رند (میر پور خاص) حاجی علی گل صاحب مری (میر پور خاص) اور میر عبدالکریم خان صاحب سعدی مدیر مسئول ہفت روزہ الہلال (ٹنڈوالہ یار) شیخ موسیٰ کے مقبرہ پر جا کر حاضری دی اور اہل جوڈڑو اور اس کے گردو پیش کے قبرستان کا اچھی طرح سے جائزہ لیا بقول تحفة الکرام یہ بزرگوار علاؤالدین خلجی کے زمانہ میں ہندوستان سے تشریف لائے تھے۔ حاجی جوگی شاہ خرامان۔ سیٹھ لیلا بھٹی ان کے ہی ساتھی تھے۔ راجہ اہل کی راجکاری بی بی خوندی مسلمان ہو گئی تھی۔ اور اس نے حضرت کی غلامی میں ہی زندگی بسر کر دی۔ چنانچہ اس کی قبر بھی مقبرہ کے مشرق پہلو میں موجود ہے۔ ان تمام واقعات کا نواب الاولياءؒ کی ذات پاک سے کچھ بھی واسطہ نہیں مقامی روایت یہ ہے کہ یہ بزرگ بھی حضرت غوث العلمینؒ کے خلیفہ تھے۔ ایک سہم پر دہلی بھیجے گئے تھے۔ یہ لوگ آپ کے کشف و کرامات سے



## ڈاکو مسلمان ہو گئے

نواب الاولياء بالعموم روزانہ دریا کے کنارے تشریف لے جاتے اور

دیر تک مصروف عبادت رہتے تھے۔ ایک دن حسب معمول مصلیٰ بچھائے اللہ اللہ کر رہے تھے۔ کہ دفعۃً چند ڈاکو تیرتے ہوئے دریا سے نکلے۔ اور آپ کے قدموں میں گر گئے۔ عرض کی ”حضور ہم لوگ ڈاکو ہیں۔ دشمن ہمارے تعاقب میں ہے۔ اگر آپ نے کرم نہ فرمایا۔ تو ہم سب لوگ قتل ہو جائیں گے۔ خدا کے لئے ہمیں اپنی پناہ میں لے لیجئے۔ آپ نے اپنی چادر ان پر ڈال دی اور فرمایا ”خدا کی پناہ میں آرام سے بیٹھ جاؤ!“ خود پھر ذکر الہی میں مشغول ہو گئے۔ اتنے میں تعاقب کنندگان کی کشتی بھی آپہنچی۔ انہوں نے پوچھا ”میاں درویش! یہاں سے ڈاکوؤں کا گروہ گذرا ہے؟“ فرمایا ”تم بھی دیکھ رہے ہو۔ میں بھی دیکھ رہا ہوں،“ انہوں نے سمجھا کہ شاید انہیں کوئی خبر نہیں چنانچہ وہ لنگر اٹھا کر چلے۔ ڈاکو حضرت کی اس کرامت سے بیحد متاثر ہوئے۔ عرض کی کہ اگر پناہ دی ہے۔ تو پھر دونو جہان کا ذمہ اٹھائیے۔ اور اپنے قدموں سے جدا نہ فرمائیے۔ حضور نے انہیں اسلام کی تلقین کی اور وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

انہی دنوں میں بہارہ قبائل نے آ کر اسلام قبول کیا۔ یہ لوگ بھاٹیہ

## بہارہ قبائل

راجپوت تھے اور ڈیر اور کے چولستانی علاقے میں رہتے تھے۔ خشک سالی کے سبب اپنے مال مویشی لے کر اس طرف آ گئے۔ سرواہی کے مضافات میں نواب الاولياء کا چرچا ہو رہا تھا۔ یہ بھی زیارت کی غرض سے

بقیہ صفحہ ۱۵۳

متاثر ہو کر وہیں آپ کے مرید ہو گئے اور آپ کے ساتھ چلے آئے اس علاقے میں بھی انہیں حضرت غوث العلمین نے مامور فرمایا تھا۔ شاہ عنایت رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین مخدوم بھورل شاہ صاحب اور ان کے معمر چچا حاجی نبی بخش شاہ صاحب نے بھی اس روایت کی تصدیق کی۔ ہماری تحقیق جاری ہے اگر مزید کچھ انکشاف ہوا۔ تو اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں درج کر سکیں گے۔

قریدی



چلے آئے۔ اور جب آنکھیں چار ہوئیں۔ تو انہیں ان میں خدا پرستی کی ایسی جھلک نظر آئی۔ کہ بے اختیار حضرت کے قدموں میں گر گئے۔ اور اسلام تلقین کرنے کی درخواست کی۔ حضرت نے ان سب کو مسلمان کیا۔ اور ان کے زناں جمع کر کے توشہ خانے میں رکھوا دئے۔ سلطان مبارک بہارہ انہی فرخندہ ایام کی یادگار ہیں۔ چونکہ طبیعت مقابلهً زیادہ لطیف تھی۔ اس لئے نواب الاولیاء کی سرکار سے اسی عرصہ میں اتنا کچھ حاصل کر لیا۔ کہ اپنے وقت کے شیخ المشائخ کہلائے۔

### نواب الاولیاء کا سفر جیسلمیر

حضرت نواب الاولیاء کا دستور تھا۔ کہ ماگھ، پہاگن اور چیت کے تین مہینے سندھ کے مرغزاروں میں بسر فرماتے تھے۔ اور ساون بہادوں میں جبکہ ہر بلند و پست پر ”ہر ہر ہٹیری ڈسم کوہ طور“ کا جلوہ نظر آتا تھا۔ راجستھان میں تشریف لے جاتے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ اپنے درویشوں کے ساتھ دورہ کرتے راجپوتانہ کے ایسے علاقہ میں جا پہنچے۔ جہاں ”انڈھر“ قبیلہ آباد تھا۔ آپ نے ایک سایہ دار درخت کے نیچے ڈیرہ لگا دیا۔ اور مراقبہ میں مشغول ہو گئے۔ کچھ دیر بعد جب آپ نے آنکھ کھولی۔ لوگوں کا ایک جم غفیر آپ کے گرد جمع ہو چکا تھا۔

میاں جياؒ انڈھر

میاں جياؒ اس قبیلہ کے سردار تھے۔

اور اہل اللہ سے دلی عقیدت رکھتے تھے۔ انہیں جونہی معلوم ہوا۔ کہ کوئی صاحب کمال انکی جاگیر میں تشریف لے آیا ہے۔ تو وہ بڑے اشتیاق سے حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ ایک بزرگ درخت سے سہارا لگائے خلق خدا کو نیکی کا راستہ دکھانے میں مصروف ہیں۔ انکی زبان میں اتنی حلاوت اور تقریر میں اتنی کشش ہے کہ جو ایک دفعہ سن لیتا ہے۔ اٹھنے کا نام نہیں لیتا۔ میاں جيا بھی

\* یعنی انوار و تجلیات کی یہ کثرت ہے کہ مجھے ہر تودہ کوہ طور دکھائی دیتا ہے۔ [فرید ثانی رحمۃ اللہ علیہ کوٹ مٹھن شریف]



ادب و احترام سے ایک طرف بیٹھ گئے۔ اور بڑی توجہ سے حضرت کے ارشادات سنتے رہے۔ حضرت بھی تقریر کے دوران میں کبھی کبھی میاں جیاءؒ کو دیکھ لیتے تھے اور اس انداز میں کہ گویا عرصہ سے ایک دوسرے سے متعارف ہیں۔ تقریر ختم ہوئی۔ تو میاں جیاءؒ قدمبوس ہونے کے لئے آگے بڑھے۔ شیخ کی نظر پڑی تو وہ بھی کھڑے ہو گئے۔ اور دونو ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے۔ خدا شناس نگاہوں سے خوشی کے آنسو ٹپک رہے تھے اور زیر لب فرما رہے تھے

آمد آں یارے کہ ما سے خواستیم

حضرت نے درویشوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ یاران! جس شہباز ولایت کی ہمیں تلاش تھی وہ مل گیا۔ اس پر رازداران معرفت نے باری باری سے میاں جیاءؒ سے مصافحہ کیا۔ اور سب کے سب ہالہ کی صورت میں حضرت کے گرد بیٹھ گئے۔ میاں جیاءؒ کی یہ کیفیت تھی۔ کہ مارے خوشی کے پھولے نہیں ساتے تھے۔ دنیا مرشد کی تلاش میں پہاڑوں اور صحراؤں میں بھٹکا کرتی ہے۔ لیکن ان کا مرشد خود انکی تلاش میں یہاں آپہنچا تھا۔ سرائیکی کے کسی شاعر نے شاید اسی صورت حال کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا ہے

”آؤنی سینگیو سہیلیو سیو! رل ڈیوو مبارک یار میں گھر آیا،“\*

الغرض میاں جیاءؒ خود بھی اسی مجلس میں حضرت کے دست حق پرست پر بیعت کر کے سلسلہ سہروردیہ میں داخل ہوئے اور اپنے چھوٹے بھائی میاں احمدؒ اور خاندان کے دوسرے افراد کو بھی حضرت کا مرید کرایا۔ اس وقت انکی تمام محبت سمٹ سمٹا کر مرشد کے پیکر نور میں جمع ہو چکی تھی۔ اور سوائے اس نائب رسول کے کوئی چیز عزیز نظر نہیں آتی تھی۔ محلات، جنکی تعمیر پر سالہا سال صرف ہوئے تھے۔ لہلہاتے ہوئے کھیت

\* اے سہیلیو ہم جولیو! سب مل کر مجھے مبارک دو۔ کہ میرا محبوب میرے گھر میں آ گیا ہے۔



خویش و اقارب اب تمام غیر دکھائی دیتے تھے۔ چنانچہ چند دنوں کے بعد جب حضرت نے سیرواہی کا عزم فرمایا۔ تو میاں جیاءؒ بھی اپنے افرادِ خاندان کو ہمراہ لے ساتھ چل پڑے۔ اور مال و متاع جو کچھ تھا۔ سب لنگر میں داخل کرا دیا۔ حضرت نے میاں جیاءؒ کا یہ ایثار دیکھ کر فرمایا۔ کہ ”میاں جیاءؒ میں صدیقی شان کار فرما ہے۔ جیسے وہ سرکار نبوت کے بعد اسلامی دنیا کے حاکم قرار پائے تھے۔ اسی طرح میاں جیاءؒ اور اس کا خاندان بھی سرواہی کے مضافات پر حکومت کرے گا۔“

المختصر سرواہی پہنچ کر میاں جیاءؒ نے تو فقراء کی خدمت اپنے ذمہ لی۔ اور آپ کے خاندان نے دریا کے کنارے چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں بنا کر اپنی الگ آبادی قائم کر لی۔ سرائیکی میں جھونپڑی کو بھونگری کہتے ہیں۔ اسی آبادی نے بعد میں ایک اچھے خاصے قصبے کی شکل اختیار کر لی۔ اور اس کا نام بھونگری سے بھونگ ہو کر رہ گیا۔

حضرت نواب الاولیاءؒ جو غرض و غایت لے کر سرواہی میں آئے تھے

نواب الاولیاءؒ کا وصال

وہ پوری ہو چکی تھی۔ کفرستان سرواہی کے در و دیوار تسبیح و تہلیل اور اوراد و اذکار سے گونج رہے تھے۔ سندھ اور راجپوتانے کے رہ گزاروں اور بھکر و ٹھٹھ کے گلزاروں تک ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں ان کے خلفاء اور ازادتمند موجود تھے۔ جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی بجا آوری میں پوری سرگرمی سے کوشاں تھے۔ اس لئے حضرت اب ہر وقت صدائے ”ارجعی“ کے منتظر رہنے لگے تھے۔ چنانچہ ۲۵ ذی الحج ۶۶۷ھ شب جمعہ کو دفعۃً یہ وحشتناک خبر سنی گئی۔ کہ حضرت غوث العلمین زکریا ملتانی کے خلیفہ مجاز اور سندھ کے والی شیخ موسیٰ نوابؒ رفیق اعلیٰ کولبیک کہہ گئے۔ ہزاروں آدمیوں نے نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد شریعت اور طریقت کے اس بہت بڑے علمبردار کو ہمیشہ کے لئے سرواہی کی خاک پاک میں دفن کر دیا۔ انا لله و انا الیہ راجعون۔



## نواب الاولياء کے خلفاء

حضرت نواب الاولياء کی اولاد نرينہ  
نہیں تھی۔ لیکن انہوں نے اپنے بعد

ایسے با کمال خلفاء چھوڑے کہ جن کی تبلیغی سرگرمیوں سے حضرت کا  
چار دانگ عالم میں نام روشن ہو گیا۔ ان میں میاں جیالؒ کا نام زیادہ  
مشہور ہے۔ جب حضرت کا وصال ہونے لگا۔ تو آپ نے میاں جیالؒ کے لئے  
خاص طور پر دعا فرمائی۔ اور ارشاد کیا کہ اگر تم نے لنگر جاری رکھا۔  
تو ہمیشہ آسودہ حال رہو گے۔ چنانچہ حضرت نواب الاولياء کے وصال کے  
تھوڑا عرصہ بعد سندھ کی حکومت نے آپ کو جیسلمیر کی جاگیر کے عوض  
سرواھی کے مضافات میں بہت بڑی جاگیر مرحمت کی۔ یہ دیہات اب  
بھونگ اور راجن پور کے نام سے شہرت رکھتے ہیں۔ اور اس وقت  
میاں جیالؒ کی اولاد کے قبضہ اور تصرف میں ہیں۔

حضرت نواب الاولياء کے دوسرے خلیفہ حضرت شیخ احمدؒ تھے۔

یہ میاں جیالؒ کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کی اولاد میں بڑے بڑے علماء اور  
مشائخ پیدا ہوئے یعنی حضرت خضر سلطانؒ، ہوندہ سلطانؒ،  
دائم سلطانؒ۔ ان کے مزارات چیچڑا شریف عرف بگا شیر میں واقع ہیں۔  
انکی اولاد میں حضرت محمد حسین صاحب شہید کا بڑا مرتبہ ہے۔ آپ  
”حضور ہی“ تھے۔ اور حضور سرور کائنات فخر موجودات کے ساتھ آپ کا  
براہ راست باطنی رابطہ قائم تھا۔

حضرت شہید علیہ الرحمۃ کی ذریات میں میاں محمد مستقیمؒ خاص  
مقام رکھتے ہیں۔ بگا شیر آپ کا ہی لقب ہے۔ جس گاؤں میں آپ  
موجود ہیں وہ بھی بگا شیر کہلاتا ہے۔

انڈھروں میں حضرت مولانا محمد جامیؒ بہت بڑی عظمت کے مالک  
تھے۔ ایک دفعہ مریدوں میں تبلیغی دورہ کر رہے تھے۔ کہ انہیں یہ  
اطلاع پہنچی کہ حضرت نواب الاولياء کا چوبی کٹھرہ چراغ کی لو لگنے سے



جل گیا ہے۔ اسی حالت میں سرواہی کو روانہ ہوئے۔ یہاں آ کر مقبرہ اور کٹھرہ کی حالت دیکھی تو فوراً غم سے آنسو نکل آئے۔ فرمایا۔  
 ”میرے مرشد کو یہ بے زیب کٹھرہ اور مقبرہ پسند نہیں تھا۔ اس لئے جلال نظر نے اسے خاکستر بنا دیا۔ سگ در ”جاسی“ کو نوازنا مقصود تھا۔ کہ چراغ کی لو ایک بہانہ بن گئی۔ ورنہ آگ کو کیا مقدور ہے کہ شیخ کے کٹھرہ کو زخم تک پہنچا سکے۔“

یہ کہہ کر اٹھے۔ اور اپنے ہمراہی مریدوں کی مدد سے روضہ کی تعمیر کا کام شروع کر دیا۔ سندھ کے نامور کاریگروں اور معماروں کو بلایا گیا۔ اور اس قدر احترام و ادب کے ساتھ کام جاری ہوا۔ کہ ایک ایک اینٹ کے ساتھ صلوٰۃ و سلام کا نعرہ بلند ہوتا تھا۔ اور مصالحوہ میں پانی کی جگہ دہی ڈالی گئی چھ ماہ تک برابر یہ کام جاری رہا۔ اور مولانا جاسیؒ خود مزدوروں کے ساتھ مل کر پتھر اور گارا اٹھاتے رہے۔ جب روضہ بن گیا۔ تو رات کو خواب میں حضرت نواب الاولياءؒ نے فرمایا ”اے جاسی! تو نے ہمارے لئے روضہ تعمیر کرایا ہے۔ ہم نے تیرے نام کا ”قبہ“ منظور کیا۔“ چنانچہ آج تک ضلع سکھر میں ”قبہ جاسیؒ“ کے نام سے نہ صرف مولانا کا مقبرہ موجود ہے۔ بلکہ گاؤں بھی ”قبہ جاسیؒ“ کہلاتا ہے۔ مولانا جاسیؒ کے خلفاء میں استاذ العلماء مولانا محمد ابراہیمؒ صاحب سرحدی، میاں محکم الدینؒ صاحب سیرانی میاں محمد جمال الدینؒ صاحب، مولانا شمس الدین صاحبؒ اور مولانا محمد ابو بکرؒ صاحب خاص شہرت رکھتے ہیں۔ مؤخر الذکر اپنے زمانہ کے بایزیدؒ تھے۔ تبحر علمی کا یہ عالم تھا۔ کہ بڑے بڑے علماء اور مشائخ آپکے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے میں سعادت دارین تصور کرتے تھے۔ آپ کی زندگی اخیر تک زاہدانہ رہی۔ اس طرح مولانا شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ







اسوہ او رهنائے مصلحان  
رونق بازار عرفان تیز ازو  
وآن مبارک بهارہ بحر العلوم  
کاروان سالار تبليغ و ہدی  
مستقیم و محکم و جامی سندھ  
خانہ شان مرکز عرفان بد  
اہل عرفان چہ کہین و چہ مہین  
رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

رئيس غازى محمد خان صاحب  
انڈھر

اسی کتاب کے گذشتہ اوراق میں  
میاں جیال کا حال درج ہو چکا ہے  
لیکن ابھی ان کی اولاد کا ذکر کرنا  
باقی ہے۔ میاں جیال حضرت نواب الاولیاء کے پیارے مرید اور خلیفہ تھے  
ان کی اولاد میں رئیس محمد خوشحال صاحب رئیس برخوردار صاحب -  
رئيس غلام محمد صاحب - رئیس هوت صاحب - رئیس ولی محمد صاحب اور  
رئيس سردار محمد صاحب زیادہ مشہور ہیں۔ انہوں نے اپنے اپنے زمانے  
میں لنگر جاری رکھا۔ اور حضرت نواب الاولیاء کی غلامی پر فخر کرتے  
رہے۔ انڈھر قوم کے موجودہ سردار رئیس غازى محمد خان صاحب ہیں۔  
ان کی عمر اس وقت تقریباً ۶۰ برس ہے۔ انہیں قدرت کی طرف سے تعمیراتی  
ذوق بڑی فیاضی سے نصیب ہوا ہے انہیں بالعموم مساجد بنانے کا زیادہ  
شوق ہے۔ حال ہی میں آپ نے قطب الاقطاب رکن الدین والعالم  
قدس سرہ کے آستان پر عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی ہے۔ صادق آباد اور  
بہاول پور کے علاوہ بھونگ میں بھی آپ نے چالیس ہزار روپے کے مصارف  
سے روغنی ٹائیلوں کی حسین و جمیل مسجد تعمیر کرائی تھی لیکن اب  
اسے گرا کر دوبارہ بنوا رہے ہیں۔ تقریباً تین لاکھ روپے خرچ آچکے ہیں  
چار لاکھ ابھی اور صرف ہونگے۔ اگر یہ مسجد رئیس صاحب کی زندگی  
میں تیار ہو گئی۔ تو اپنی نفاست اور خوبصورتی کے لحاظ سے پورے



پاکستان میں لاجواب خیال کی جائے گی۔ اسکی چہت پر شیشہ بندی ہو چکی ہے۔ حاشیہ سفید سنگ مرمر کا ہے۔ محراب کے بازو سبز پتھر کے ہیں۔ دیواروں پر روغنی ٹائیلوں کا کام ہو رہا ہے۔ مسجد کی کرسی کافی اونچی ہے۔ ماذنہ خوبصورت اور بلند ہے۔ اور اس پر ملتانی روغنی اینٹوں کا کام ہوا ہے۔ وضو کا تالاب مسقف ہے۔ طلباء اور مسافروں کے لئے کھلے ہوا دار کمرے بنے ہوئے ہیں۔ دیہات میں ہونے کے باوجود مسجد میں بجلی سے روشنی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے ایک لاکھ روپیہ حضرت نواب الاولیاء کے مقبرہ پر صرف کر دیا ہے۔ مقبرہ کے اندرونی حصہ میں ولایتی روغنی ٹائیلیں لگی ہیں۔ کٹہرہ سنگ مرمر کا ہے۔ اس کے مرغول بہت خوبصورت ہیں۔ اسی طرح لاکھوں روپے اس سلسلے میں خرچ ہوتے رہتے ہیں۔ اور میرا یقین ہے۔ کہ جب تک یہ رئیس زندہ ہے۔ تعمیرات کی مد میں اسی طرح روپیہ پیسہ خرچ ہوتا رہے گا۔

رئیس غازی محمد خان صاحب کی طرح انکی اولاد بھی اولیائے کرام سے گہری عقیدت رکھتی ہے۔ ۶ اگست ۱۹۵۷ء کو جب کراچی میں مجھے رئیس صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا، ان کے دو بڑے صاحبزادے الحاج رئیس شبیر احمد خان صاحب اور الحاج رئیس وزیر احمد خان صاحب بھی اس وقت ان کے پاس موجود تھے۔ اس کتاب کے چند مطبوعہ اجزا میرے ساتھ تھے۔ دونوں صاحبزادوں نے بڑے اشتیاق سے اس کے جستہ جستہ مقامات دیکھے اور پڑھے اور جب میں روانہ ہونے لگا۔ تو اخلاص و ارادت سے اس درویش کو سڑک تک چھوڑنے آئے۔ واہب العطایانے ان بچوں کو فہم و فراست سے بہرہ وافر عطا کیا ہے انہوں نے اپنے نامور باپ کے تمام کاروبار کو نہایت عمدگی سے سنبھال رکھا ہے۔ بھونگ اسٹیٹ کے علاوہ متعدد کارخانے، کاٹن ایکسپورٹ امپورٹ کے تمام امور ان کے تدبیر اور



کاروباری تجربہ کے رہین منت ہیں۔ رئیس غازى محمد خان صاحب کی دعوت پر ۱۷ فروری ۱۹۵۸ء کو جب میں بھونگ گیا۔ تو معراج شریف کی تقریب تھی۔ نو تعمیر جامع مسجد دلہن کی طرح آراستہ اور متلاشیان حق سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ اس دفعہ خاکسار کو رئیس غازى محمد خان صاحب اور ان کے صاحبزادے رئیس شبیر احمد خان صاحب کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ سب سے زیادہ مجھے ان باپ بیٹوں کی جس چیز نے متاثر کیا وہ انکی غیر معمولی سادگی ہے۔ اس درویش کو نہایت عالی شان اور پر تکلف بنگلے میں ٹھہرایا گیا۔ رئیس شبیر احمد خان صاحب میزبانی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ کھانے کے کمرے میں، مجلس وعظ میں، برابر ہمارے ساتھ رہے۔ ان کے ساتھ رئیس صاحب کے پختہ کار اور صوفی مذاق مینیجر حاجی عبدالواحد صاحب بھی سرگرم کار تھے۔ جب تک مضافات سے آئے ہوئے مہمانوں اور درویشوں کو کھانا تقسیم نہ ہو گیا۔ انہوں نے اپنے منہ میں لقمہ نہ ڈالا۔

- رئیس غازى محمد خان صاحب کے چھ صاحبزادے ہیں۔ رئیس بشیر احمد خان صاحب جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ رئیس پیر محمد خان صاحب، رئیس وزیر احمد خان صاحب یہ دونوں بھائی پیرسٹری کی تعلیم کے لئے ولایت گئے ہوئے ہیں۔ رئیس حبیب احمد خان صاحب، رئیس محبوب احمد خان صاحب، رئیس مطلوب احمد خان صاحب، یہ ابھی کمسن ہیں اور ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ دعا ہے کہ نواب الاولیاء کے ارادتمندوں کا یہ گھرانہ سدا بہار پھول کی طرح ہمیشہ شگفتہ اور آباد ہے۔

یا رب نگاہ بد سے چمن کو بچائیو!

بلبل بہت ہے دیکھ کے پھولوں کو باغ باع



## سید الساداتؒ آج کو چلے

سید السادات جلال بخاریؒ حضرت غوث العلمینؒ کے خلیفہ اعظم اور معتقد علیہ تھے۔ تیس برس کامل انہوں نے شیخ کی صحبت میں بسر کئے اور جب مرشد رفیق اعلیٰ کو لبیک کہ گئے تو پھر بھی آستان غوثیہ کو نہ چھوڑا\*۔ مسجد کے قریب ایک حجرہ میں معتکف ہو کر اللہ اللہ کرتے رہے۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ فرماتے ہیں۔ کہ ”میرے دادا کے ہاں لکڑی کا ایک پیالہ تھا۔ جب حضرت مخدوم حجرے کے اندر ذکر میں مصروف ہوتے تو وہ پیالہ بھی آپ کے ساتھ ذکر کرتا ایک دفعہ کسی شخص نے شیخ الاسلام عارفؒ باللہؒ سے پوچھا۔ کہ حجرے میں سید کے سوا اور کوئی نہیں۔ لیکن آواز سے یوں معلوم ہوتا ہے۔ گویا دو آدمی ذکر کر رہے ہیں۔“

آپ نے فرمایا پیالہ ان کی موافقت کرتا ہے اس کے بعد حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے متبسم ہو کر فرمایا۔ کہ ”یہ پیالہ اب تک بطور تبرک ہمارے پاس محفوظ چلا آتا ہے۔“

\* حضرت غوث العلمین (رح) کی سیرت مرتب کرتے وقت ملفوظ المخدوم کی روایت مجھ تک نہیں پہنچی تھی صحیح یہ ہے جو حضرت مخدوم (رح) نے بیان فرمایا ہے ارشاد کرتے ہیں کہ سید جلال کو حضرت غوث العلمین نے تیس برس اپنی صحبت میں رکھا۔ بعد وفات شیخ کے حضرت عارف باللہ نے بھی کچھ عرصہ اپنے پاس رکھا پھر آج جانے کی اجازت دی۔ (ملفوظ المخدوم صفحہ ۷۶۸)



مظہر جلالی میں اس سے بھی دلچسپ روایت ملتی ہے لکھا ہے۔ کہ

”ایک دن سید جلال بخاریؒ حجرہ میں تشریف فرما نہیں تھے۔ دروازہ باہر سے بند تھا مسجد غوثیہ نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ دفعۃً حجرہ سے نفی اثبات کے ذکر کی آواز سنائی دینے لگی۔ حاضرین نے شیخ العارف سے سوال کیا۔ کہ حضرت! سید کی عدم موجودگی میں حجرہ کے اندر ذکر کرنے والا اور کون شخص ہو سکتا ہے!“

شیخ العارف نے فرمایا۔

یہ سیدالسادات کے پانی پینے کا پیالہ ہے، جو ہمیشہ ذکر میں مصروف رہتا ہے“\*

جس صاحب کمال کے برتنوں کی بابت بھی لوگوں کا یہ عقیدہ ہو کہ وہ ذکر کرتے ہیں۔ ان کے اپنے علوئے مرتبہ کا کیا کہنا! اس زمانے میں آج کا خطہ بڑی اہمیت رکھتا تھا۔

\* روزے سید جلال الدین بخاری رونق افزائے حجرہ شریف نبود و در حجرہ مسدود بود۔ لیکن از اندرون حجرہ آواز ذکر نفی اثبات بگوش حاضرین مسجد سے آمد حاضرین از شیخ عارف سوال کردند کہ یا حضرت باوجود عدم موجودگی حضرت سید شخصے دیگر اندرون حجرہ کیست کہ صدائے ذکر آن بگوش ما سے آید؟ فرمود کہ این کاسہ آب نوشی حضرت سید است کہ مدام ذا کر سے باشد۔

(خزینة الاصفیاء بحوالہ مظہر جلالی صفحہ ۳۷)



سندھ اور پنجاب کے درمیان واقع ہونے کے سبب اکثر صوبیدار  
 یہیں رہا کرتے تھے۔ ڈیرا اور، بھاگلہ، جیسلمیر کے قلعے راجپوتوں  
 کے قبضے میں تھے، اور ان کا رویہ مسلمانوں سے متشددانہ تھا۔ آج  
 میں اگرچہ گاروینوں اور شیخ جہاں خنداں روؒ کی خانقاہیں  
 موجود تھیں۔ لیکن اس کے باوجود تبلیغی مرکز قائم کرنے کے  
 لئے ”مرد آہن“ کی ضرورت تھی۔ شیخ العارفؒ نے دیکھا کہ اس مقصد  
 کو صرف سیدالسادات کی ذات ہی پورا کر سکتی ہے۔ تو انہوں  
 نے ان کو آج تشریف لے جانے کی اجازت دی\*۔ یہ ملتان سے  
 بڑی شان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ آج میں پہنچ کر محلہ بخاریاں\*\*  
 کی بنیاد رکھی۔ اور اپنے بے پناہ اثر و نفوذ کی بدولت بہت جلد  
 وہاں کے بلند و پست پر چھا گئے۔ شیخ محمد اکرام اپنی تازہ  
 ترین تصنیف آب کوثر میں بھوالہ بہاول پور گزٹیر لکھتے ہیں۔  
 کہ ”آپ (سید جلالؒ) ترک سکونت کر کے ۱۲۳۳ء میں آج آئے۔  
 اُس زمانے میں آج کو دیو گڑھ کہتے تھے۔ اور یہاں ہندوؤں کی  
 اکثریت تھی۔ آپ کے آنے سے اسلام کو رونق ہوئی۔ راجہ نے  
 آپ کی مخالفت کی۔ لیکن بالآخر آسے اپنی ریاست سے ہاتھ دھونے  
 پڑے اور یہ شہر اشاعت اسلام کا ایک بڑا مرکز بن گیا۔“

چند وجوہ کی بنا پر شیخ محمد اکرام کا یہ بیان صحیح تسلیم  
 نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کا دعویٰ ہے کہ سید جلال ۱۲۳۳ میں

\* ملفوظ المخدم صفحہ ۷۶۸ -

\*\* آب کوثر صفحہ ۳۰۹ -



آج تشریف لائے۔ لیکن سید جلالؒ کے نامور پوتے مخدوم جہانیاںؒ فرماتے ہیں۔ کہ میرے دادا شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ ملتانیؒ قدس سرہ کے وصال سے کافی عرصہ بعد ملتان سے آج کو روانہ ہوئے تھے۔ شیخ الاسلام زکریاؒ ملتانیؒ بقول شیخ محمد اکرامؒ ۱۲۶۴ء میں فوت ہوئے۔ کچھ عرصہ کو چھ سات برس پر محمول کر لیں۔ تو سید جلالؒ کی آج میں آمد لامحالہ ۱۲۷۰ء میں ہی تسلیم کرنا پڑیگی۔

اکرام صاحب کا دوسرا دعویٰ یہ ہے۔ کہ ۱۲۴۴ء میں آج پر ایک ہندو راجہ راج کرتا تھا۔ اس شہر کا نام دیو گڑھ تھا۔ راجے نے سید جلالؒ کی مخالفت کی۔ اور سنہ کی کھائی۔ افسوس ہے کہ یہ بیان بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ تمام مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے۔ کہ ۱۱۷۰ء میں سلطان محمد غوری کے لشکر نے آج کو فتح کر لیا تھا۔ ۱۲۱۰ء میں قباچہ نے اسے پایۂ تخت بنایا۔ اور ۱۲۲۸ء تک یہ شہر اسکے قبضے میں رہا۔ اس کے بعد سلطان شمس الدین التمش کے تصرف میں آ گیا۔ قباچہ سے ٹکر لینے کے لئے خود سلطان المعظم آج تک تشریف لائے تھے اور فتح کرنے کے بعد یہ علاقہ نظام الملک جنیدی کی تحویل میں دے کر چلے گئے۔ خدا سعوم ۱۲۴۴ء میں راجہ کہاں سے آدھمکا۔ کہ نہ صرف بہاولپور گزٹیر نے اسے صحیح مان لیا۔ بلکہ اکرام صاحب نے بھی اسکی توثیق کر دی۔ بہر حال امر واقع یہ ہے کہ مخدوم سید جلال بخاریؒ کی تشریف آوری کے وقت یہ شہر اسلامی سلطنت



کا ایک اہم مقام تھا۔ آپ کے دم قدم سے اسلام کو رونق ضرور ہوئی۔ مگر کسی راجہ وغیرہ سے تصادم کا قصہ غلط ہے۔

ملفوظ المخدم کے صفحہ ۵ پر حضرت مخدوم جہانیاںؒ پھر فرماتے ہیں۔ کہ

”سید جلالؒ حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی کے خلیفہ تھے۔ انہوں نے خطہ آج میں سکونت اختیار کی۔ اور متاہل ہوئے۔ ان کے تین لڑکے پیدا ہوئے ایک سید احمد کبیر اور دوسرے بہاءالدین تیسرے سید محمد“۔

مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں۔ کہ یہ حضرت کی وہ اولاد ہے۔ جو بی بی فاطمہ اور بی بی زہرا کے بطن عفت سے تولد ہوئی تھی لیکن دو صاحبزادے سید علی اور سید جعفر شاہ بخارا کی شہزادی سے بخارا میں پیدا ہو چکے تھے۔ یہ دونوں صاحبزادے حضرت کے ساتھ ملتان تک آئے۔ کافی عرصہ آپ کے ہاں مقیم رہے۔ پھر بخارا واپس چلے گئے۔ مفتی صاحب ان پانچوں صاحبزادوں کا ذکر کرتے ہوئے کیا ہی خوب لکھتے ہیں۔ کہ یہ پانچوں فرزند ارجمند پانچ بنائے اسلام کی طرح ولایت، شرافت، اور خوارق میں خاص شہرت رکھتے تھے \*

\* این پنج فرزند چوں پنج بنائے اسلام در ولایت و شرافت و خوارق اشہار داشتند۔  
(خزینہ الاصفیاء)



سید جلالؒ کا عتاب  
تغلق درویش پر

شیخ جمال الدین محدث اچھی لکھتے  
ہیں۔ کہ حضرت کے زمانے میں

تغلق ناسی ایک درویش آج میں وارد ہوا۔ جو ظاہری باطنی  
تصرفات کی طاقت رکھتا تھا۔ راستے میں جو درویش سلاق ہوا۔  
اسکی درویشی سلب کر لی۔ جب آج میں داخل ہوا۔ تو اس نے  
خادم کو سید جلال الدین کی خدمت میں بھیجا۔ وہ مسجد میں  
داخل ہوا تو اس نے دیکھا۔ کہ حضرت حجرہ کے اندر مصروف  
عبادت ہیں۔ آپ کو دیکھ کر اتنا مرعوب ہوا۔ کہ عرض حال  
نہ کر سکا۔ واپس آ کر شیخ تغلق سے امر واقع بیان کیا۔  
تغلق خود سوار ہو کر مسجد کے دروازے پر پہنچا۔ اور آپ پر  
تصرف کرنے میں کوشاں ہوا۔ مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ تھک  
ہار کر بولا۔ کہ یہ سید کامل اور اکمل ولی ہے۔ لیکن افسوس  
ہے کہ متاہل ہے اس سے کثیر اولاد پیدا ہوگی۔ یہاں تک کہ دنیا  
اسکی اولاد سے بھر جائیگی۔ اور اس میں سے بہت سے سیہ کار اور  
گناہ گار ہونگے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر شادی نہ کرتے تو  
کیا ہی اچھا ہوتا۔

اتفاق سے تغلق کی آواز حضرت کے کانوں تک جا پہنچی۔ آپ  
برہم ہو کر حجرہ سے نکلے۔ غیظ و غضب سے جو نظر فرمائی  
تغلق آتش جلال سے جل بھن کر بھسم ہو گیا۔ لوگوں نے دفن  
کرنا چاہا۔ مگر زمین نے قبول نہ کیا۔ سات دن تک اسکی لاش  
قبر سے باہر پڑی رہی۔ انجام کار شیخ جمال خنداں رو نے  
سفارش کی۔ جس پر حضرت نے دفن کرنے کی اجازت دے دی۔  
اور سوختہ جلال کو بڑی مشکل سے سپرد خاک کیا گیا۔



## چن پیر

حضرت کے زمانے میں جیسلمیر کی ریاست ڈیراور تک پھیلی ہوئی

تھی۔ دریا اس ملک میں سے ہو کر گذرتا تھا۔ اسلئے یہ علاقہ نہایت سر سبز اور شاداب تھا۔ اتفاق سے حضرت کا گذر اس مقام سے ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ یہاں کوئی مسلمان ہے؟ جب اس سوال کا جواب نفی میں ملا۔ تو آپ نے یہ معلوم کر کے کہ راجہ کی بیوی حاملہ ہے۔ دعا کی اور فرمایا کہ راجہ کے گھر میں ہونے والا بچہ مسلمان اور ولی اللہ ہوگا۔ راجہ نے اس خبر کو سن کر بڑا افسوس کیا۔ اور جب بچہ پیدا ہوا تو اسے ڈیراور کے قریب اس ٹیلے پر پھینکوا دیا۔ جب ملازم شاہی واپس لوٹنے لگے۔ تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ بچہ صندل کے خوبصورت گہوارے میں پڑا انگوٹھا چوس رہا ہے راجہ کو اطلاع ملی۔ تو وہ رانی سمیت بچے کو دیکھنے آئے۔ جس ٹیلے پر انہوں نے قیام کیا تھا۔ وہ راجہ کے نام کی رعایت سے سدھیرن بھٹ کہلایا۔ والدین نے بچے کا نام سدھو رکھا تھا۔ لیکن عوام میں چن پیر کے نام سے مشہور ہوا۔

راجہ نے اس جگہ راجکمار سدھو کی رہائش کیلئے ایک محل تعمیر کرا دیا۔ اور پرورش کے لئے کئی ملازم متعین کئے۔ جوان ہونے پر راجکمار اسلام کے زبردست داعی ثابت ہوئے اس مقصد کیلئے انہوں نے دور دراز کی مسافتیں طے کیں۔ کئی مقامات پر اب تک ان کی تبلیغی مجالس کی یاد تازہ کرنے کے لئے بیٹھکیں موجود ہیں۔ ایک بیٹھک چن پیر کے نام سے کہروڑ پکا (ضلع



ملتان) میں بھی ملتی ہے۔ جہاں موسم بہار میں زائرین کی آمد و شد سے بڑی رونق رہتی ہے۔ راجکمار سدھو عمر بھر مجرد رہے۔ لیکن اس کے بھائی مہین سے جو ان کے بعد جانشین ہوئے تھے۔ بڑی اولاد ہوئی۔ چنانچہ اس خاندان کے بعض قبائل لودھراں اور شجاع آباد کی تحصیلوں میں اب تک آباد ہیں۔ حضرت سید جلالؒ کے دست حق پرست پر راجپوتوں کے متعدد قبائل مسلمان ہوئے۔ راجہ گھلو کو بھی آپ نے مسلمان کیا تھا۔ جس کی اولاد ٹھٹھ گھلوواں۔ اوبارڑہ۔ چھنڈہ سیانی۔ بیٹوواہی۔ چوٹالہ۔ خانواہ۔ ملک پور۔ صبرا۔ کرم علی والا اور سعد اللہ پور وغیرہ (ضلع ملتان) کے مواضع میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور اعلیٰ ملکیت کی مالک ہے۔ سیال بھی آپ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے۔ جھنگ سیال آپ کا ہی آباد کیا ہوا ہے۔ آپ کے مرشد طریقت حضرت غوث العالمین اور ان کے صاحبزادوں سے اتنی عقیدت تھی۔ کہ جب کسی کو مرید کرتے تو یہی فرماتے کہ تم مرید تو شیخ کبیرؒ کے ہو۔ میں صرف وکیل ہوں۔ کہ تم میری وساطت سے اس ذات بابرکات کا دامن تھام رہے ہو۔ خلفاء میں خواجہ اختیارالدین اور آپ کے صاحبزادے سید احمد کبیرؒ کا نام ملتا ہے۔

۱۸۵۰ء میں بعمر ۹۰ سال حضرت نے عالمِ آخرت کا سفر

اختیار فرمایا۔ مزار پر انوار آج میں ہے۔ اور دروازے پر یہ تاریخ درج ہے۔

تاریک گشتِ جملہ جہاں بے جلال شاہ

تاریخ بود ہفت صد و ہشتاد و پنج سال



## خلفائے جلالیہ

سید احمد کبیر بخاری | آپ سیدالسادات کے فرزند ارجمند اور  
سہروردی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ اعظم تھے - والد ماجد کے

وصال پر مسند ارشاد کے مالک بنے - آپ پر ہر وقت استغراق کا  
عالم طاری رہتا تھا - جب نماز کے لئے مصلیٰ پر کھڑے ہوتے  
تو خوف الہی سے آپ ایک دلدوز نعرہ لگاتے اور زار زار روتے  
تھے - آپ کی اس محویت کا کشف کے ذریعے سیدالسادات کو علم  
ہو چکا تھا - انہوں نے شیخ جمال خنداں رواجی کے ذمہ لگایا تھا -  
کہ وہ انکی حفاظت کریں - انہوں نے جس ذمہ داری سے اس اہم  
فریضہ کو انجام دیا - وہ مخدوم جہانیاں جہان گشت بخاری قدس  
سرہ کے اپنے الفاظ میں ہی سنئے - فرماتے ہیں کہ :-

”جب میں نے غوث العلمین زکریا ملتانی 71 کی درسگاہ میں ”ہدایہ“  
اور ”بزودی“ کو ختم کر لیا - تو حضرت قطب الاقطاب رکن الدین  
قدس سرہ نے فرمایا - ”جلال بیٹا! اب تم گھر جاؤ - اپنے والد کو  
سلام کے بعد کہنا کہ جمال الدین کی رعایت ملحوظ رکھیں -  
کیونکہ اگر وہ ان کی حفاظت نہ کرتے - تو آپ کے والد فوراً شوق  
سے مجذوب ہو جاتے“

پھر فرماتے ہیں :-

”واقعی میرے والد ہر وقت عشق الہی میں سرشار



رہتے تھے۔ ان کے شوق کا یہ عالم تھا۔ کہ جب وہ فرض اور نفل کے لئے مصلیٰ پر کھڑے ہوتے۔ تو نعرہ مارتے اور زار زار روتے تھے۔“۔

اس کے بعد فرمایا کہ:۔

”میں کشتی کے ذریعے آج پہنچا۔ اور حضرت والد ماجد کی خدمت میں قطب الاقطاب کا سلام پہنچایا اور پیغام عرض کیا۔ حضرت مخدوم یہ سنتے ہی کھڑے ہو گئے۔ اور اسی وقت مجھے ہمراہ لے کر شیخ جمال الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قبل اس کے کہ وہ سنبھلتے حضرت والد آن کے قدموں میں گر گئے۔“

شیخ نے لپک کر حضرت کو تھاما اور کلیجے سے لگا کر فرمایا:۔

”اے مخدوم زادے! جب تم پیدا ہوئے تو آپ کے والد سید جلال بخاریؒ آپ کو اس درویش کے پاس لے آئے۔ اور فرمایا برادرم جمال الدین! یہ میرا فرزند ہر وقت عشق الہی میں سرشار رہے گا۔ اسکی حفاظت کرنا۔ چنانچہ میں وہ رعایت ملحوظ رکھتا ہوں۔ اور ان کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو وفا کرتا ہوں۔“

حضرت مخدوم جہانیاںؒ فرماتے ہیں۔ کہ اس واقعہ کے بعد میرے والد ماجد شیخ جمال الدین کے ہاں کثرت سے آیا جایا



کرتے تھے \* -

حضرت سید احمد کبیرؒ کے پیشوا امرید تھے۔ اور ان میں ہزاروں قطب اور ابدال تھے۔ خلفاء میں شیخ جلال سلمیٰؒ کا

شیخ جلال مجرد سلمیٰؒ نام زیادہ مشہور ہے۔ یہ حضرت

سید السادات کے نواسے اور

سید احمد کبیرؒ کے بھانجے تھے۔ آپ ابھی تین ماہ کے ہی تھے۔

کہ آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ باپ ایک لڑائی میں داد

شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے\*\* اور سید السادات نے آپ کو اپنی

تربیت میں لے لیا جب وہ عالمِ قدس کو تشریف لے گئے۔ تو سید

احمد کبیرؒ نے ان پر اپنی شفقت کا سایہ ڈالا۔

شیخ جلال نے تیس سال تک اپنے ماموں اور مرشد کی ہدایت

کے بموجب غار میں عبادت کی۔ جب آپ اپنے مقصد میں کامیاب

ہو گئے۔ تو عرض کی :-

”پیر و مرشد! میری ذلی آرزو ہے کہ جس طرح

حضور کی راہنمائی کی بدولت جہاد اکبر میں کامیابی

حاصل کی ہے اسی طرح حضور کی کام بخش ہمت

کے طفیل جہاد اصغر میں بھی سر بلندی حاصل

کروں۔ اور جو مقام دارالحرب ہو وہاں فی سبیل اللہ

\* ملفوظ الخدم صفحہ ۵۰۱ -

\*\* سہیل یمن - (اگرچہ اس کے بعض مندرجات اعتقاد کے لائق نہیں ہیں۔

لیکن جن کی تصدیق دوسرے اسناد سے ہو سکی ہے وہ ہم نے قبول کر لئے ہیں)۔



تیغ زنی کرتے ہوئے محبوب حقیقی سے جا ملوں۔،،

حضرت سید احمد کبیرؒ اپنے عزیز ترین بھانجے اور اٹامور مرید کی اس جرأت و جسارت پر بہت خوش ہوئے۔ اپنے مریدوں کو اطلاعات بھجوائیں کہ جسے فی سبیل اللہ شمشیر زنی کا شوق ہو۔ سید جلال کا ساتھ دینے کے لئے ایک ہفتہ کے اندر آج پہنچ جائے وہ پاک زمانہ تھا۔ لوگوں کو دنیا کے مقابلے میں آخرت سے زیادہ لگاؤ تھا۔ اس خبر کا نشر ہونا تھا کہ ہر طرف سے مردانِ خدا تلواریں سونت اور کفن سر سے باندھ پیر روشن ضمیر کی خدمت میں آ حاضر ہوئے۔ آپ نے اس جم غفیر سے سات سو ایسے درویش منتخب کئے۔ جو سید جلال کی طرح سلوک و معرفت کی تمام منزلیں طے کر چکے تھے۔ کئی ان میں قطب تھے، کئی ابدال اور کئی اوتاد۔ حضرت جلالؒ نے ان سات سو خدا رسیدہ سپاہیوں کے ساز و سامان اور آلات حرب کا جائزہ لیا۔ تو یہ دیکھ کر انکی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ بہت سے مجاہدین زادِ سفر تو بجائے خود رہا تیر و تیر اور تلوار تک سے محروم ہیں گویا

کافر ہو تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ

مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

چونکہ وہ انتخاب میں آ چکے تھے۔ اور پیر روشن ضمیر نے حربی صلاحیتوں کے پیش نظر انہیں انتخاب میں لے لیا تھا۔ اس لئے جلالی توشہ خانہ سے ان کے سامان کی تکمیل کر کے نا معلوم مہم پر روانہ ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ حضرت سید احمد کبیر



مجاہدین کو خدا حافظ کہنے کے لئے محل سے برا آمد ہوئے۔  
 سید جلالؒ کو قریب بلا کر مٹھی بھر مٹی مرحمت کی اور  
 فرمایا کہ خدا کی زمین فراخ ہے ملک ملک کی سیر کرو۔ اور  
 بلا ضرورت تلوار کو استعمال نہ کرو۔ جہاں اس رنگ و بو کی  
 مٹی ملے۔ وہاں اپنی سکونت کی طرح ڈال لو۔ ان ارشادات کے  
 بعد حضرت نے قدسی صفات لشکر کو دعائے نصرت کے ساتھ  
 رخصت کیا۔

سہروردی مجاہدین کی یہ فوج تسبیح و تہلیل کی فلک شگاف  
 صداؤں میں سر زمین آج سے روانہ ہوئی۔ راستے میں کئی مقامات  
 پر طاغوتی قوتیں ٹکر لینے کو بڑھیں۔ مگر بری طرح ناکام  
 رہیں۔ ہر جگہ ان مٹھی بھر درویشوں نے کفر و ضلالت کے  
 قشون قاہرہ پر فتح پائی۔ شیخ جلالؒ کا یہ معمول تھا۔ کہ جو  
 شہر فتح ہوتا وہ مع مال غنیمت کسی رفیق کے حوالے کر  
 دیتے اور خود مختصر آذوقہ کے ہمراہ آگے چل پڑتے الغرض دیس  
 دیس کا پانی پیتے اور خلق خدا کو وعظ نصیحت کرتے یہ درویش  
 دہلی پہنچے۔ یہاں محبوب الہی نظام الدین اولیاء سے ملاقات ہوئی۔  
 اور پھر انکی دعاؤں کے سایہ میں جونپور ہوتے ہوئے بنگال کی  
 سر زمین میں جا داخل ہوئے۔

ان دنوں سلمہٹ میں جس کا

اصلی نام سری ہٹ تھا۔ ایک

سلمہٹ کی پکار

ظالم راجہ راج کرتا تھا۔ اسکی عسکری طاقت بیحد مضبوط تھی۔



ایک لاکھ پیادہ اور کئی ہزار سوار کا لشکر جرار ہر وقت لڑنے مرنے پر آمادہ رہتا تھا۔ مزید برآں اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ بہت بڑا جادو گر ہے۔ اور ہزاروں جن بھوت اس کے تابع ہیں۔ اس لئے کسی کو اس پر حملہ کرنے کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔ اس ظلم و تشدد کے باوجود اسکی ریاست میں چند مسلمان بھی آباد تھے۔ جنکی حیثیت محض مبلغین کی تھی۔ ان میں سے ایک بزرگ برہان الدین کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا۔ اس تقریب پر انہوں نے ایک گائے ذبح کی۔ سوء اتفاق سے ایک چیل گوشت پر لپکی۔ اور ایک ٹکڑا اٹھا کر لے گئی۔ جو اس سے ایک برہمن کے گھر میں گر پڑا۔ برہمن بڑا بگڑا اور راجہ کے پاس شکایت لے گیا۔ اس نے حکم دیا۔ کہ جس بچے کی ولادت پر گائے ذبح کی گئی ہے۔ اسے تو قتل کر دیا جائے۔ اور اسکے باپ کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اس ظالمانہ حکم کی تعمیل کے لئے سرکاری کارندے برہان الدین کے گھر کی طرف لپکے۔ برہان الدین بچارا رویا پیٹا، چیخا چلایا مگر اس کی شنوائی نہ ہوئی۔ سپاہی مکان میں گھس گئے۔ اور معصوم بچے کو جسے اس دنیا میں آنکھ کھولے ابھی چند دن ہی گذرے تھے۔ زبردستی اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ جس سے وہ تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ بچے کی ماں اس صدمے کی تاب نہ لا کر بیہوش ہو گئی۔ اس کے بعد انہوں نے برہان الدین کو پکڑا اور اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ جو مسلمان اس حادثہ فاجعہ پر جمع ہو گئے تھے۔ انہوں نے برہان الدین کو مشورہ دیا۔ کہ تو شاہ بنگال کے پاس جا کر فریاد کر۔ امید ہے وہ ہماری ضرور مدد



کرنے گا۔ برہان الدین بیوی کو دم دلا سے دے کر ”گور“ کو روانہ ہوا۔ جو ان دنوں شاہان بنگالہ کا پایہ تخت تھا۔ سلطان شمس الدین فیروز شاہ نے بڑی ہمدردی اور دلسوزی سے برہان الدین کی آپ بیتی سنی۔ اور اپنے بہادر بھانجے سلطان سکندر کو اس مہم پر روانہ کیا۔

”سہیل یمن“ کا بیان ہے۔ کہ راجہ گور گوبند\* ایک بڑا جادو گر\*\* تھا اس نے جنوں اور بھوتوں کا ایک لشکر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ اور مسلمان ہار گئے۔ سلطان سکندر نے اس شکست کی اطلاع سلطان فیروز شاہ کو بھیجی۔ اس نے اپنے بے اعتماد مصاحب اور پختہ کار سپہ سالار ملک نصیر الدین کو تازہ کمک کے ساتھ روانہ کیا۔ لیکن چونکہ گور گوبند کے جادو کا اثر اسلامی لشکر سے زائل نہیں ہوا تھا۔ اس لئے سلطان سکندر اور ملک نصیر الدین نے آپس میں مشورہ کیا۔ کہ گور گوبند کے جادو کو زائل کرنے کے لئے کسی اہل اللہ سے درخواست کی جائے۔ ان ایام میں شیخ جلالؒ تازہ تازہ اس ملک میں وارد ہوئے تھے۔ اور انکی بڑی شہرت ہو رہی تھی۔ اس لئے انہی دونوں امراء انکی خدمت میں

\* سہیل یمن میں گور گوبند کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ چون زادپوش ملک گور بود اورا گور گوبند گفتندے،

\*\* آسام کے جادو کا ابوالفضل نے بھی ذکر کیا ہے۔ خان بہادر مولوی محمد حسین صاحب سفر نامہ ابن بطوطہ کے حواشی میں آسام کے جادو کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ ”اس ملک پر کئی دفعہ مسلمانوں نے حملے کئے لیکن انہیں ہر دفعہ ناکامی کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔ کچھ تو جنگل اور پانی کی فراوانی سے گھبرا گئے۔ اور کچھ اس قسم کے جادو کی افواہ جو تمام ہندوستان میں مشہور تھی۔ ہر ایک ارضی و سماوی و اتفاقی آفت کو ان کے شانے جادو کی صورت میں پیش کرتی تھی۔ (آپ کوثر از شیخ محمد اکرام)



حاضر ہو کر طالب امداد ہوئے۔ آپ نے اسی وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ اور فرمایا: ”اطمینان رکھئے۔ اب راجہ کا جادو آپ لوگوں پر اثر نہیں کریگا“ ساتھ ہی فرمایا ”قطعاً کوئی فکر نہ کیجئے ہم لوگ آپ کی فوج میں شامل ہو کر آپ کے دوش بدوش اس پیادری سے لڑینگے کہ راجہ کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا“۔

شاہ جلال راستے میں اپنے رفیقوں کو ملک کی اصلاح احوال اور اشاعت اسلام کے لئے متعین کرتے چلے آئے تھے۔ اس لئے اب ان کے پاس صرف تین سو تیرہ درویش باقی رہ گئے تھے۔ بالکل وہی تعداد جو جنگ بدر میں مسلمانوں کی تھی۔ حضرت کی دعا اور درویشوں کی شمولیت سے شاہی لشکر کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اب وہ گور گوبند کے جادو کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اور نہ ہی ان پر کچھ اثر ہوتا تھا۔ ایک ساعت سعید میں شاہ جلال نے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ بیک وقت سارا لشکر راجہ کی فوج پر پل پڑا۔ درویش عقاب کی طرح جھپٹ جھپٹ کر گرتے اور گور گوبند کی فوج کو گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر رکھ دیتے تھے۔ آسامیوں پر مسلمانوں کا اور بالخصوص درویشوں کا اتنا رعب چھایا کہ وہ ہراساں ہو گئے اور سب کٹ کٹا کر ختم ہو گئے۔ العظمة لله! برہان الدین کو سليمٹ کے مغرور راجہ نے کمزور اور بے بس سمجھ کر تختہ مشق بنایا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ کہ اس کمزور اور ناتواں مسلمان کے سبب اس کے پندار کا نشہ اس قدر جلد ٹوٹ جائے گا۔ وہ کارندے جو اس ظلم و ستم میں



برابر کے شریک تھے۔ یا جن امراء نے اس موقع پر راجہ کو ایک بے قصور مسلمان پر قہر توڑنے سے نہیں روکا تھا۔ خود قہر الہی کی لپیٹ میں آگئے اور وہ سلمہٹ، جہاں خدا کے نام لینے کی اجازت نہ تھی۔ اس کے درودیوار تسبیح و تہلیل کی صداؤں سے گونج اٹھے۔ اور اس کے بلند و پست پر تجلیات الہی کا نزول ہونے لگا۔

سلمہٹ از شرفِ فلک برابر شد۔ ہر سنگِ درو بہ تابِ گوہر شد۔  
ہر قطرہ ازو بوسعتِ دریائست۔ ہر ذرہ اش آفتابِ دیگر شد۔

ضلع سلمہٹ کے سرکاری گزٹیر کی رو سے سلمہٹ ۱۳۸۴ء میں فتح ہوا۔ چنانچہ لکھتا ہے :

”گوڑ یا سلمہٹ کو مسلمانوں نے ۱۳۸۴ء میں فتح کیا۔ آخری ہندو راجہ گوبند کو سکندر غازی کی فوجوں سے زیادہ شاہ جلالؒ کی کرامات نے بے بس کر دیا تھا۔ شاہ صاحب کی وفات کے بعد یہ علاقہ صوبہ بنگالہ میں داخل کیا گیا۔ اور نظم و نسق کے لئے ایک علیحدہ صوبیدار مقرر ہوا۔“

لیکن حال میں محکمہ آثارِ قدیمہ کو درگاہ شاہ جلال سے جو پرانا کتبہ دستیاب ہوا ہے۔ اس سے گزٹیر کے بیان کی توثیق نہیں ہوتی۔ یہ کتبہ اب ڈھاکہ میوزیم میں محفوظ ہے اور اس پر یہ عبارت کندہ ہے۔



”بہ عزت شیخ المشائخ مخدوم شیخ جلال الدین مجرد بن محمد اول فتح اسلام عرصہ سری ہٹ (سلمہٹ) بہ دست سکندر خان غازی بعہد سلطان فیروز شاہ دلوئی (کذا) سنہ ثلث و سبع مائة . . .“

یہ کتبہ ۹۱۸ ہجری یعنی ۱۵۱۲ء میں نصب کیا گیا تھا۔ مؤرخین نے بالاتفاق اسی پر اعتماد کیا ہے۔

سہروردی درویشوں کی آبادیاں | شاہی لشکر سلمہٹ کو شیخ جلال کے انتظام میں دے کر چلا گیا تھا۔ آپ نے اس دوران میں دیکھا۔ کہ اس سر زمین کی مٹی رنگ اور خوشبو میں اس مٹی سے ملتی ہے۔ جو ان کے مرشد شیخ احمد کبیر بخاری سہروردی نے مرحمت کی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے رفیقوں کے ہمراہ اس ملک میں بس جانے کا فیصلہ کر لیا\*۔ جن مجاہدین نے اس لڑائی میں

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَسْوَآتًا

\* آج سے چھ سو سال پیشتر جبکہ آمدورفت کے ذرائع اس قدر سہل نہ تھے۔ سات سو سہروردی درویشوں کا ہزار میل کی مسافت بعید طے کر کے راجہ گوبند پر جا پڑنا اتنا بڑا کارنامہ ہے۔ کہ ہر انصاف پسند آدمی جب سلمہٹ میں داخل ہوتا ہے۔ تو وہ ان سر باز مجاہدین کو خراج تحسین ادا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بلکہ انگریزی حکومت کے ابتدائی دور میں ہر نئے حاکم ضلع (کلکٹر) کو شیخ جلال مجرد رضی اللہ عنہ کے مزار نوربار پر لازمی طور پر حاضری دینا پڑتی تھی۔ اب تو خیر حکومت ہی اسلامی ہے اور مسلمان حکام کو دلی ارادت اور عقیدت کشاں کشاں اس گنج شہیدان پر لے آتی ہے۔ جنہوں نے آج سے چھ سو برس پیشتر مشرقی بنگال کے کفرستان میں پہنچ کر راجہ گوبند کو یہ بتا دیا تھا کہ مسلمان لا وارث قوم نہیں ہے۔ اگر مشرق میں کسی کمزور مسلمان پر ظلم ہوگا تو مغرب سے بگولے کی طرح طاقتور مسلمان اسکی مدد کو پہنچینگے۔



کا خلعت زیب تن کیا تھا۔ انہیں بڑے اعزاز و اکرام سے دفن کیا۔ یہ شمشیر بکف درویش ”لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“ کی چادر تانے سلمٹ کے گلی کوچوں میں جو خواب ہیں جب کوئی صاحب ذوق ان کے پاس سے گذرتا ہے۔ تو ان کی سادہ مگر پر عظمت قبریں زبان حال سے پکار اٹھتی ہیں کہ

ہمیں است سردار شمشیر زن

کہ در جنگ بودے چوں شیر کہن

شیخ جلال جب شہداء کی تکفین و تدفین سے فارغ ہو چکے۔ تو انہوں نے تمام مفتوحہ زمین اپنے ہمراہیوں میں بانٹ دی۔ اور ہر ایک کو متاھل ہونے کی اجازت بھی دے دی۔ ضلع سلمٹ میں چار ایسے مقامات ہیں جہاں مقامی روایات کے مطابق شاہ جلالؒ نے اپنے رفیقوں کو آباد کر کے اشاعت اسلام کے روحانی مراکز قائم کئے تھے۔ یعنی سلمٹ، لاتو، ہاپنیہ ٹیلہ، ہمنگ ٹیلہ اس تقسیم میں ایک قصبہ شیخ نورالہدی ابوالکرامات سعیدی حسنی کو بھی مرحمت ہوا۔ وہیں آپ متاھل ہوئے۔ آپ کی اولاد میں شیخ علی شیر بڑے فاضل انسان گزرے ہیں۔ انہوں نے نزہت الارواح کے دیباچہ میں درویشوں کی آباد کاری کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ مشرق پاکستان میں سہروردی سلسلہ کے درویشوں نے اشاعت اسلام کا جو شاندار کارنامہ انجام دیا ہے۔ وہ بنگالہ کی مفصل انگریزی تاریخ میں ایک ہندو مؤرخ کے قلم اور مسٹر اسٹیبلٹن کی زبان سے سنئے:۔

”اس زمانہ میں بنگالہ میں اولیاء اور غازیوں کی اتنی بڑی



تعداد آگئی تھی۔ کہ خیال ہوتا ہے کہ یہ صورت حالات ضرور سلاطین دہلی کی بنگالہ سے متعلق کسی خاص سوچی ہوئی پالیسی کا نتیجہ تھی۔ فی الحقیقت یہ قیاس بے جا نہیں۔ قرون وسطی کے ان اولیائے مجاہد (Soldier-Saints) کا اسلام کی تاریخ میں وہی مرتبہ ہے۔ جو صلیبی لڑائیوں کی تاریخ میں (ان) ٹمپلر مجاہدین کا تھا (جو مسلمانوں سے لڑنے اور عیسائی مقامات مقدسہ کی حفاظت کے لئے اپنی زندگی وقف کرتے تھے) اگرچہ ان اولیائے کرام کی اخلاقی حالت مسیحی بہادروں (Knights) سے بہتر تھی اور دنیاوی حکام کے بھی وہ ان سے زیادہ وفادار تھے۔ اگر گوڑ گوہند کی شکست اور سلہٹ کی فتح یا ہگلی یا نڈوا راجہ سے متعلق مسلمانوں کی عام روایات میں حقیقت کا عنصر ہے تو یہ بھی ماننا پڑتا ہے۔ کہ ان اولیاء کے ساتھ نسبتاً غیر محتاط پیروؤں کا بھی ہجوم ہوتا تھا۔ جو ہندو راجاؤں کے علاقہ میں کوئی ذرا سا بہانہ لے کر جم جاتے تھے اور پھر اسلامی حکومت کی باقاعدہ فوج کو بلا لیتے تھے۔ تاکہ وہ ان کفار راجاؤں کو مسلمانوں کے حقوق غصب کرنے کی سزا دے۔ !! سلطان جلال الدین کی رحمدلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے (جس نے مسلمانوں کا خون بہانے کی بجائے ایک ہزار ٹھگوں کو کشتیوں میں بھر کر بنگالے بھیج دیا تھا) مسٹر اسٹیلٹن لکھتے ہیں۔ ”بنگالے کے سلاطین کے لئے ایسی جلاوطنیوں کے اثر کو زائل کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ تھا۔ کہ وہ ان نو واردوں کو اپنی بیرونی افواج (Foreign Legion) میں بھرتی کر لیتے اور بنگالہ کی سرحد پر کافر راجاؤں سے لڑائیاں لڑنے پر لگا دیتے تھے“



ڈاکٹر کا لیکاراجن قانونگو لکھتے \* ہیں - کہ ”بلبنی سلاطین\*\* کے عہد حکومت میں نہ صرف بنگالہ میں اسلام کو وسعت نصیب ہوئی - بلکہ اسکی بنیادیں زیادہ گہری ہو گئیں - یہ وہ زمانہ تھا - جب اولیائے کرام نے جو برہمنوں اور ہندو سادھوؤں سے عمل پارسائی، قوت عمل اور دور اندیشی میں بڑھ کر تھے - وسیع پیمانہ پر تبلیغ شروع کی - جسکی کامیابی کا باعث طاقت نہ تھی بلکہ ان کا مذہبی جوش اور انکی عملی زندگی - وہ نچلے طبقے کے ان ہندوؤں میں رہتے اور اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے جو اس وقت بھی (ہمیشہ کی طرح) توہم پرستی اور معاشرتی دباؤ کے پنبہ میں گرفتار تھے - دیہاتی علاقوں کے یہ باشندے مسلمان ہو کر اسلامی حکومت کے لئے ایک نئی تقویت کا ذریعہ ہو گئے بنگالہ کی عسکری اور سیلسی فتح کے سو سال بعد (اسلامی) صوفیانہ سلسلوں کی مدد سے جو ملک کے کونے کونے میں پھیل گئے تھے - اس سر زمین میں اخلاقی اور روحانی غلبہ کا سلسلہ شروع ہوا - مندروں اور ہندو خانقاہوں کو تباہ و برباد\*\*\* کر کے ابتدائی مسلمان فاتحین نے

\* تاریخ بنگالہ مرتبہ جادو ناتھ سرکار جلد دوم صفحہ ۶۸ تا ۷۰

\*\* شاہ جلال سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سلطان شمس الدین فیروز شاہ کے زمانے میں سلمٹ تشریف لائے تھے - جو سلطان رکن الدین کیکاؤس کا لڑکا اور ناصر الدین بغرا خان کا پوتا تھا -

\*\*\* مسلمان حملہ آوروں نے صرف ان مندروں میں مداخلت کی جہاں شاہی خزانے کے زروجواہر مجوف بتوں میں بھر دئے گئے تھے - اور یہ حملہ آوروں کا حق تھا - لیکن جن مندروں کے بارہ میں اس قسم کا شک و شبہ نہیں تھا - مسلمانوں نے انہیں کوئی زخم نہیں پہنچایا - اورنگ زیب کو اس سلسلے میں زیادہ بدنام کیا جاتا ہے - لیکن اورنگ آباد جہاں وہ دفن ہے اس کے قریب ہی ایلورا کی غاروں میں ہزاروں بت صحیح سالم کھڑے ہیں - جنہیں تیرہ صدیوں میں کسی مسلمان بادشاہ نے زخم پہنچانے کی ضرورت محسوس نہیں کی -



صرف ان کے زر و جواہر پر قبضہ کیا تھا۔ لیکن تلوار کے زور سے تاریخی روایات ختم نہ ہو سکتی تھیں۔ اور نہ ہی ان غیر فانی روحانی خزانوں کا خاتمہ ہو سکتا تھا۔ جن پر ہندو قومیت اور ہندو مذہب کی بنیادیں قائم تھیں۔ مسلمان اولیاء نے اخلاقی اور روحانی فتح کے عمل کو مکمل کیا۔ اس مقصد کے لئے ہندو دھرم اور بودھ مت کے پرانے استھانوں\* پر (جو اب برباد ہو گئے تھے) ایک پالیسی کے مطابق درگاہیں اور خانقاہیں قائم کر دیں۔ اس کے دو نتیجے ہوئے ایک تو بت پرستی کے ان قدیم استھانوں میں ہندو مت کے احياء کا امکان جاتا رہا۔ اور دوسرے عوام الناس میں ایسے قصے کہانیاں رائج ہو گئیں۔ جن کے مطابق یہ نو وارد قدیمی مقدس ہستیوں کے جانشین ہو گئے ہندو عوام جو صدیوں سے ان مقامات کو مقدس مانتے آئے تھے ان کی پرانی تاریخ کو بھول گئے۔ اور بڑی آسانی سے انہوں نے اپنی ارادت کا سلسلہ ان پیروں اور غازیوں سے وابستہ کر لیا۔ جو ان مقامات پر قابض ہو گئے تھے مذہبی دائرہ میں اس ارتباط کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا۔ کہ بالآخر ایک رواداری کی فضا پیدا ہو گئی۔ جس نے ہندوؤں کو اپنی شکست سے بے پرواہ کر دیا۔ نچلے طبقہ کے ہندو اولیاء اور غازیوں کی کرامات کے ایسے قصوں کی بدولت جو بسا اوقات قدیم ہندو اور بودھی روایات پر مبنی تھے۔ آہستہ آہستہ اسلام

\* پرانے استھانوں کو مسلمان حملہ آوروں نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا دراصل معاملہ یہ ہے۔ کہ ان کے پروہت مسلمان ہو چکے تھے اور انہوں نے ہی از خود ایسے استھانوں کو اسلامی معابد کی شکل میں بدل لیا۔ تاریخی اس حقیقت پر شاہد ہیں۔ فریدی



کی طرف مائل ہو گئے۔ شاید ہندو تیرتھوں پر اس یورش کی سب سے نمایاں مثالیں دو ہیں۔ ایک راج گیر میں ”سرنگی رشی کنڈ“، کا ”مخدوم کنڈ“، بن جانا اور دوسرے دیوا دتا روایات کے معجزہ باز بدھ کا ایک مقدس مسلمان ولی مخدوم صاحب میں تبدیل ہو جانا۔ ہم ڈاکٹر کالیکا راجن کے اس بیان پر اپنی طرف سے کوئی تبصرہ نہیں کرتے۔ یہ ان کے بیان سے واضح ہو چکا ہے۔ کہ بنگال میں اسلام شمشیر کے زور سے نہیں بلکہ اولیاء اللہ کی روحانی عظمت اور اخلاقی سر بلندی کے غلبہ سے پھیلا ہے۔ اور قانونگو صاحب نے خود تسلیم کیا ہے۔ کہ مسلمان صوفیاء ہندو سادھوؤں اور برہمنوں سے عملی پارسائی، قوت عمل اور دور اندیشی میں بڑھ کر تھے۔ اور یہی چیز اشاعت اسلام کا موجب ہوئی۔ اب اس بیان پر سر جادو ناتھ سرکار کی رائے ملاحظہ ہو۔

لکھتے ہیں :-

سر جادو ناتھ سرکار کا بیان ء

”مسلمانوں کی فتح بنگالہ کے

وقت (۱۲۳۰ء) سے کئی صدیاں پہلے مشرقی بنگال کے عوام (اور فی الحقیقت بہت سے شرفاء کا) مذہب ہندومت کا تن ترک طریقہ Tantric Hinduism تھا۔ جو بعد کے بدھ مت کی ارواح پرستی اور جادو سے جواب بھی تبت میں رائج ہے۔ مختلف نہ تھا۔ ہندوؤں کے عہد حکومت میں سنسکرت کے عالم، ہندو وید اور بڑے بڑے ہندو پنڈت مغربی بنگال سے دریا کو عبور کر کے مشرق میں آتے اور مشرقی بنگال میں آباد ہو جاتے۔ اس طرح مشرقی بنگال کے درباروں اور مشہور استھانوں کی زیارت کرتے۔ لیکن وہ سوسائٹی کے اونچے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اور مشرقی بنگال کے بڑے شہروں اور دولت مند استھانوں سے متعلق تھے۔ لیکن جب ندیا اور گوڑ پر



مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ تو یہ تمدنی آمدورفت بھی ختم ہو گئی۔ اور اس کے بعد عرصہ تک ہنسا، برہم پتر کے مشرقی علاقہ میں لوگ ہندو رہے۔ لیکن ان کا مذہب گوڑ کے ہندوؤں کا سا نہ تھا۔ ان کے ہاں نہ تو پڑھے لکھے برہمن پجاری تھے نہ سنسکرت کی مقدس کتابیں تھیں۔ اور نہ ہی ویدک رسومات رائج تھیں۔ قریب قریب ہر جگہ ان کی عبادت ان پڑھ مظاہر پرست پوجاریوں (بلکہ صحیح طور پر یہ کہنا چاہئے کہ بھوت پریت کے ماننے والے Witch Doctors) کے ہاتھوں ہوئی۔ اس وقت مشرقی بنگال کے ہندو عوام کی یہ حالت تھی کہ تعلیم یافتہ آریہ پرست انہیں نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کے درمیان کوئی برہمن ایسے موجود نہ تھے جو انہیں مذہبی تعلیم دیتے۔ یا ان کی مذہبی رسوم کو پوری طرح بجا لاتے فی الحقیقت کامروپ اور اراکان کے منگول بدھ مت والوں کی طرح وہ بھیڑوں کا ایک ایسا گلہ تھے جس کا گلہ بان کوئی نہ ہو۔ اس لئے جب سلہٹ کے شاہ جلال اور اسلام کے دوسرے مبلغین وہاں اشاعت مذہب کے لئے پہنچے۔ تو ان کے مقابلے کے لئے ہندومت کا کوئی لائق پجاری سامنے نہ آیا اور مشرقی بنگال کے ہندو بڑی آسانی سے ارواح پرستی چھوڑ کر (خواہ اسے آپ بعد کا بدھ مت کہ لیں یا تترک طریقے کا ہندو مذہب کیونکہ فی الحقیقت یہ دونو ایک ہی چیز کے دو نام ہیں)۔ گروہ درگروہ مسلمان ہو گئے۔ سلہٹ اور راج گیر (جنوبی بہار) کے ابتدائی مسلمان مبلغین اور ان کے ہاتھوں مقامی ہندو پروہتیوں یعنی جوگیوں کی زور کرامت سے شکست کا فی الحقیقت اصل مطلب یہی ہے» - صفحہ ۲۲۷ - ۲۲۸

بنگالی ہندوؤں کے مسلمان ہونے کی وجہ بہر حال کچھ کیوں نہ



ہو یہ صاف ظاہر ہے کہ انہیں مسلمان درویشوں نے حلقہ بگوش اسلام کیا۔ اور تبدیلی مذہب میں تشدد یا کسی قسم کے لالچ کو دخل نہ تھا۔ اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ اشاعت اسلام کی سرعت رفتار شیخ جلالؒ اور ان کے یاران بے ریا کی مساعی جمیلہ سے زیادہ خود اسلام کے تابناک محاسن کی شرمندہ احسان ہے۔ اسلام شہروں کی نسبت دیہات میں اور اونچی ذاتوں سے زیادہ نیچی ذاتوں میں پھیلا۔ اسکی وجہ ”ڈاکٹر ہنٹر“ یہ بیان کرتے ہیں :-

”ان لوگوں کے لئے جن میں مفلس ماہی گیر، شکاری قزاق اور ادنیٰ قوم کے کاشتکار تھے۔ اسلام ایک اوتار تھا۔ جو ان کے لئے آکاش سے اترتا تھا۔ وہ حکمران قوم کا مذہب تھا۔ اس کے پھیلانے والے باخدا لوگ تھے۔ جنہوں نے توحید و مساوات کا مژدہ ایسی قوم کو سنایا۔ جس کو سب ذلیل و خوار سمجھتے تھے۔ اسکی تعلیم نے خدا اور اسلامی اخوت کا بلند تر تخیل پیدا کر دیا۔ اور بنگال کی کثرت سے بڑھنے والی قوموں کو جو صدیوں سے ہندوؤں کے طبقے سے تقریباً خارج ہو کر بڑی ذلت و خواری کے دن کاٹ رہی تھیں۔ اسلام نے بلا تامل اپنی اخوت کے دائرے میں شامل کر لیا“ \*

کیا ڈاکٹر ہنٹر، ڈاکٹر کالیکا راجن قانونگو، مسٹر سٹیپلٹن



اور سر جادو ناتھ سرکار کی ان موثق شہادتوں کے بعد بھی کوئی غیر مسلم یہ کہنے کا حق رکھتا ہے۔ کہ اسلام کی اشاعت بزور شمشیر ہوئی!! ہاں البتہ ہمارے صوفیاء کے اخلاق حمیدہ کی شمشیر برآں ضرور چمکی ان کے دروازے تمام اقوام کے لئے ہر وقت کھلے رہتے رہتے۔ اور وہ بلا امتیاز رنگ و ملت سب کو روحانی زندگی کا پیغام دیتے تھے۔ انہوں نے کبھی یہ راستہ پسند نہیں کیا تھا کہ دوسرے مذاہب اور ان کے بانیوں کے عیوب ظاہر کر کے اپنے مذہب کی سچائی ثابت کریں۔ دوسرے مذاہب کے مبلغین کے علی الرغم ان کا طرز عمل ہر ایک سے حد درجہ مشفقانہ تھا جیسا کہ سلسلۃ الذہب کا مصنف حضرت غوث العظیم زکریا ملتانی قدس سرہ کے مطمح نظر اور طریق کار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے:-

”لوگوں کی ارشاد و ہدایت میں کفر سے ایمان کی طرف، گناہ سے عبادت کی طرف، نفسانیت سے روحانیت کی طرف، ان کا بڑا مرتبہ تھا،۔ (اخبارالاکھیار)

اس کا عملی نتیجہ یہ نکلتا تھا۔ کہ اسلام کی کشش صادقہ کفار کو اپنی طرف خود بخود کھینچ لیتی تھی۔ یہی طرز عمل تمام مشائخ بالخصوص سہروردی حضرات کا تھا اور حضرت سید جلالؒ بھی آخر اسی خانوادے کے ممتاز بزرگ تھے۔ انہوں نے اسی نہج پر آسامیوں اور بنگالیوں کی تربیت کی۔ جس پر وہ لوگ صدق دل سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ✓



## لال شہباز قلندر پھر ملتان میں

حضرت لال شہباز قلندرؒ اگرچہ اپنے شیخ طریقت کی زندگی میں ہی سندھ کی اصلاح احوال پر متعین ہو کر چلے گئے تھے۔ لیکن ان کی آمد و رفت کا سلسلہ مرشد کے بعد بھی جاری رہا۔ وہ سہوان سے بڑے ٹھاٹ کے ساتھ تشریف لاتے اور کئی کئی دن مرشد کی خانقاہ میں مقیم رہتے۔ پھروں شیخ الاسلام عارف باللہ سے سلوک و معرفت کے موضوع پر گفتگو ہوتی۔ سلطان محمد بلبن صوبیدار ملتان بھی آپ کا بڑا معتقد تھا۔ اس نے کئی بار استدعا کی۔ کہ آپ مستقل طور پر یہاں تشریف رکھیں۔ لیکن آپ راضی نہ ہوئے۔ کیونکہ آپ اپنے پیر کے آستان کے مقابلے میں ایک اور بارگاہ کھڑی کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے کہ :-

”جس زمانہ میں سلطان محمد ملتان میں مقیم تھا۔ شیخ عثمان المرندیؒ جو اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ تھے وہاں تشریف لائے۔ اس نے ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ ان کی خدمت میں نذر اور ہدیہ پیش کیا اور بہت اصرار کیا کہ وہ ملتان میں قیام فرمائیں۔ نیز ان کے لئے خانقاہ تعمیر کرانے اور مصارف کے سلسلہ میں کئی گاؤں وقف کرنے کا ارادہ بھی کیا مگر شیخ نے قبول نہ کیا اور وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔“



ایک روز شیخ عثمانؒ اور شیخ الاسلام صدر الدینؒ عارف شہزادہ کی مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔ مجلس میں عربی اشعار پڑھے جا رہے تھے۔ کسی شعر پر ان بزرگوں اور مجلس کے تمام درویشوں پر وجد طاری ہو گیا اور وہ رقص کرنے لگے۔ محمد خان سلطان شہید ان کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا اور برابر زار و قطار روتا رہا۔“

ضیاءالدين برنی کا بھی تقریباً یہی بیان ہے۔ لکھتا ہے :-

”خان شہید نے بڑی کوشش کی۔ کہ آپ ملتان میں اقامت پذیر ہو جائیں۔ اور اس مقصد کے لئے ایک خانقاہ کی تعمیر بھی شروع کی لیکن آپ نہ مانے البتہ گاہے گاہے خان شہید کی محفل میں جاتے اور شیخ صدرالدين عارفؒ کے ساتھ سماع و رقص میں حصہ لیتے تھے۔“

۱۷۲۳ء میں آپ نے سفرِ آخرت اختیار فرمایا۔ مزار پر انوار سہوان میں عجب با برکت مقام ہے۔ مجھے عرصہ سے حضرت کے روضہ اقدس پر حاضری دینے کا اشتیاق تھا۔ ۱۱ نومبر ۱۹۵۵ء کو میری صدق نیت اور طلبِ صادق کا پودا بار آور ہوا۔ اور میں نے کراچی سے واپس آتے ہوئے حضرت قلندر کی بارگاہ میں حاضری دی پہلے لکی شاہ صدر آترا۔ اسٹیشن کے قریب ہی کوہ لکی کے دامن میں شاہ صدرؒ کا حسین و جمیل مقبرہ خوش آمدید کہتا دکھائی دیتا ہے۔ پاس ہی ریلوے لائن کی دوسری جانب ان کے یارانِ بے ریا کے مقبرے اپنی قدامت کا پتہ



دیتے نظر آتے ہیں۔ ان کا طرز تعمیر فیروز شاہی ہے کوئی انکی مرمت کی طرف متوجہ نہیں ہو سکا۔

پہاڑی سلسلہ ریلوے لائن کے متوازی میلوں تک چلا جاتا ہے۔ دوسری طرف دریائے سندھ سانپ کی طرح بل کھاتا دکھائی دیتا ہے۔ گاڑی بے ہنگم شور کرتی اور کیڑے کی طرح رینگتی ہوئی سہوان اسٹیشن پر جا پہنچتی ہے۔ شہر ارل ندی کے دائیں کنارے ایک بلندی پر واقع ہے۔ جو جھیل منچھر سے نکل کر دریائے سندھ میں جا گرتی ہے۔ طغیانی کے دنوں میں ندی جھیل کی طرف بہتی ہے۔ اور سرما میں اس کے برعکس چلتی ہے۔ دریائے سندھ پہلے سہوان کے قریب\* بہتا تھا۔ اب تین میل ہٹ کر بہتا ہے۔ حضرت شہباز شریعت کی خانقاہ شہر کے عین وسط میں واقع ہے۔ اور نشیب میں ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس شہر نے بہت سے انقلابات دیکھے ہیں کئی بار بگڑ کر بنائے اس لئے اسکی سطح بلند ہوتی چلی گئی۔ پہلے صحن آتا ہے۔ جس میں ایک بلند مستول پر جھنڈا لہرا رہا ہے۔ جو ریلوے اسٹیشن سے بخوبی دکھائی دیتا ہے۔ پھر ایک عظیم الشان ڈیوڑھی آتی ہے۔ جس کے بیرونی دروازے پر رنگین ٹائلیں لگی ہیں۔ یہ پر شوکت ڈیوڑھی غلام شاہ\*\* کلمہ پورہ نے بنوائی تھی۔ اور اس کے روکار پر دو کتبے بھی لگوائے تھے۔ جو علی حالہ موجود ہیں۔ ہم ان کا متن ذیل میں درج کرتے ہیں۔

\* ماثر الامراء ۳ : ۶۹۷ پر ہے قلعہ سہوان۔ کہ بر ساحل دریائے سندھ است۔

\*\* میاں غلام شاہ کلمہ پورہ کا مفصل حال صوبہ سندھ کے گزیٹیر میں درج ہے



دروازہ کے دائیں طرف کا کتبہ

چہ خوش جناب مبارک کہ نور حقانی  
 ز روضہ است عیان ظاہری و پنهانی  
 قلندر و سخی و کام بخش اہل یقین  
 ولی و سید عثمان پیر نورانی  
 بخاص و عام کہ مشہور لعل شہباز است  
 پیاد شاہ گدا باز داد سلطانی  
 باین جناب ہر آنکس ارادتے دارد  
 بکام مے رسد از دولت فراوانی  
 غلام شاہ میان صاحب سعادت مند  
 نشان\* حضرت عباس کان احسانی  
 سخی و غازی و فیاض معدن الطاف  
 چو سرفراز شد از لطف وجود ربانی

بائیں جانب کا کتبہ

ز خاص نیت خود کرد تازہ خوش تعمیر  
 کہ فرش و صحن در روضہ شد گلستانی  
 قبول حضرت مخدوم شد نشانے کو  
 ز رحمت نبوی و علی عمرانی  
 ہر آنکہ دید و بہ بیند ز شوق نورِ ظہور  
 شود دو چشم و دلش روشن و درخشانی

\* معلوم ہوتا ہے کہ میان غلام شاہ نے یہ نشان ۱۱۷۳ھ میں پیش کیا تھا۔ فریدی



ہزار یکصد و ہفتاد و سہ زہجری بود

زکار داری باقر نشان شد ارزانی

قبولیت کہ ز تعمیر جستم از ہاتف

نبا بگوش من آمد ز لطف سبحانی

زین مصرع تاریخ خوش بگو صابر

قبول باد نشان در جناب شاہانی

۱۱۷۳ھ

ڈیوڑھی سے آگے وسیع صحن ہے۔ جس کے مغربی سرے پر

حضرت کا روضہ اقدس ہے۔ اس کے روکار پر کاشی کا نفیس کام ہوا

ہے۔ دروازے کی چوکھٹوں اور قبر شریف کے کپڑے پر چاندی

چڑھی ہے۔ روضہ اقدس کی بیرونی دیوار پر دو اہم تاریخی کتبے

ملتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ فیروز شاہ تغلق کے عہد

میں ملک اختیارالدین والی سیوستان نے یہ مقبرہ بنوایا تھا اور اس میں سات

طاق اور چھ گنبد تھے۔ دوسرا کتبہ نواب دیندار خاں سے متعلق ہے۔

ان کتبوں کا متن حسب ذیل ہے۔

بعہد دولت فیروز شہ سلطان دین پرور

کہ خاک درگمش سازند شاہان جہان افسر

ازانگاہے کہ بر تخت شہنشاہی نشست این شہ

سراسر گشت گیتی از شعاع دولتش انور

عہارت شد مقام شیخ عثمان مرندی کو

ولی اللہ باز اسفید میر بحر بود و بر

اگرچہ اولیاء اندر زمان شیخ بس بودند

ولیکن در کرامت بود او از ہمگنان برتر



چہ زیبا بارگاہے شد بہفت (کذا) طاق شش گنبد  
 کہ رنگ نہ فلک گشتہ ز رشک بام او اخضر  
 بروز ہفتم از ماہ رجب سنی شد این روضہ  
 بسال ہفصد و پنجاہ و ہفت از ہجرت سہتر  
 بنایش کرد والی اختیارالدین ملک ارشد  
 امیر عادل و باذل تہمتن ثانی اسکندر  
 کہ تابود است سیوستان نبودست این چنین والی  
 تقی و مشفق و مکرم سخی و پاک دین دیگر  
 امید آنست کہ یابد جزائے این چنین خیرے  
 ہزاراں قصر در جنت بفضل ایزد اکبر  
 دیندارخان کا کتبہ

چوں در عہد سلطان فیروز مرحوم روضہ قدیم حضرت مخدوم  
 بنا شدہ بود و این دوسنگ تاریخ نوشتہ نصب کردہ بودند۔ آخر  
 چوں گنبد کلان در عہد میرزا جانی ترخان\* بنا یافتہ این سنگ ہا برہم  
 افتادہ بودند۔ الحال کہ این فقیر سید بہوہ عرف دیندارخان باشد در عہد  
 دولت حضرت صاحبقران ثانی صحن روضہ را ترتیب دادہ و در مسجد

\* مرزا جانی بیگ ارغون حاکم ٹھٹھ — ۵۹۹۳ میں باپ کا جا نشین ہوا  
 ۵۹۹۹ میں اکبری لشکر نے اس پر تاخت کی۔ اگرچہ اس نے بڑی بہادری سے  
 مقابلہ کیا۔ مگر مور ناتوان کجا اور لشکر سلیمان کجا ۱۰۰۰ میں شکست  
 کھا کر اس نے صلح کا ہاتھ بڑھایا۔ بادشاہ نے پہلے تو ملتان کی حکومت  
 عطا کی۔ مگر آخر میں صوبہ مندہ کا حاکم بنا دیا۔ مآثر کی رائے اس کے متعلق  
 یہ ہے۔ مرزا بفراسٹ و دانائی آراستہ و درستی و راستی از گفتار و کردار او  
 نمایاں و شناسائی و آہستگی از نشست و برخاست او پیدا بود از صغر سنی شیفتہ  
 بادہ شدہ اما ناہنجاز ازو سر بر نزدے و در کار کردن و گفتن پاسبان خود  
 بودے از فراوانی سے رنجور شد و رعشہ بسرسام کشید مرزا در ۱۰۰۸ ہ بمقام  
 برہان پور فوت شد۔“



راست میں ساخت۔ این دو سنگ را ہم در دیوار خانقاہ بنہادہ تا یادگار سلاطین گذشتہ سے باشد،

### دیندار خاں کا ایک اور کتبہ

دیندار خاں کا ایک اور کتبہ خط نستعلیق میں مقبرے کی روکار پر پیوست ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۰۴۰ھ میں شاہ جہان کے حکم سے اس مقبرہ کی سہ بارہ تعمیر ہوئی۔ کتبے کا متن حسب ذیل ہے۔

بدوران شہاب الدین جہان شاہ - جہاں از عدل او خورسند و آباد  
 شدہ تعمیر فرش عرش مسند - حسینی صاحب شہباز آزاد  
 قبول آمد نیاز خاں دیندار - در آنحضرت زعون طالع (شاد؟)  
 چگویم وصف آن صحن مقدس - بجائے خشت انجم چیدہ استاد  
 چو خواہی سال او با چشم دانش - بمقطع ہیں کہ آمد سال بنیاد  
 یکے باشد ز فرش مسند شاہ (۱۰۴۱)  
 دگر باشد ز فرش جنت آباد (۱۰۴۱)

### عقبی کتبے

خانقاہ کے باہر، مگر اس سے متصل ایک کاشی کار مقبرہ نظر آتا

ہے۔ اسی احاطہ میں خدام درگاہ کے رہائشی مکانات ہیں۔ پاس ہی ڈیڑھ فٹ اونچی دیوار سے گھری ہوئی مختصر سی چار دیواری ہے۔ یہ سلطان محمد تغلق کا پہلا مدفن ہے۔ ۲۱ محرم ۵۰۲ھ کو سلطان سندھ کے کنارے فوت ہوا۔ چونکہ ٹھٹھ دشمن کے قبضے میں تھا۔ اور وہ اس جگہ کے قریب تھا۔ اس لئے لاش کو وہاں دفن کرنا مناسب نہ تھا۔ سہوان نواح ٹھٹھ کی نسبت محفوظ مقام تھا۔ اور یہاں بادشاہ کی لاش بیحرستی کے تصور تک سے محفوظ تھی۔ اس لئے فیروز شاہ نے سلطان کو حضرت شہباز کے سایہ میں دفن کرا دیا۔ اور جب حالات موافق ہو گئے۔ تو سلطان کی لاش کو



یہاں سے نکال کر دہلی لے گئے اس عارضی مدفن کی دیواروں پر دو سنگی کتبے نصب ہیں۔ جن سے دنیا کی ناپائیداری مترشح ہوتی ہے۔

جہاں مردم کش است اے دل مباش از جان وفادارش  
کی جز کین و جفا نامد زبیدادی دگر کارش  
تو از حال محمد شاہ بر گیر اعتبار از وے  
کے چوں اورنگ شاہی در ربود این دور غدارش  
شہنشاہیست این اے خواجہ کش بینی بجاک اندر  
کے ہمچوں بندگاں بودند شاہان جہاندارش  
اگرچہ پیش ازیں صد بار دربارش چناں دیدی  
کنوں چشم خرد بکشا درینجا بنگر این بارش  
جہاں بکشاد از مردمی و بخشید از جوانمردی  
بدھر از کوشش و بخشش فراواں بود کردارش  
(شداز) ماہ محرم (بیست و یک\*) کاندر شب شنبہ  
گذشتہ ہفصد و پنجاہ و دو شد عزم آن دارش

ریلوے سٹیشن اور شہر کے درمیان

پرانا قلعہ

پرانے قلعہ کے کھنڈرات ملتے

ہیں۔ جو اب قبرستان کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ قبریں نہایت  
خستہ حالت میں ہیں۔ ان کے سنگ مزار جگہ جگہ مٹی کے ڈھیروں  
کے اوپر، سیدھے یا ان کے اندر دبے ہوئے ٹیڑھے ترچھے پڑے  
ہیں۔ کہیں کہیں فرسودہ لاشیں صاف نظر آتی ہیں۔ اس سے اندازہ

\*۔ جو الفاظ خطوط واحدانی میں دئے گئے ہیں وہ قیاسی ہیں۔ فریدی



ہوتا ہے۔ کہ بارشوں کے ریلے پانچ فٹ کے قریب قلعہ کی سٹی  
بہا لے گئے ہیں۔ ان پتھروں میں ایک پر نستعلیق خط میں ذیل کا  
کتبہ درج ہے۔

محمد یادگار آن کز قضا شد - شہید و رفت تا جنت خراماں  
چو دیدش از رہ تعظیم تاریخ - شدہ شاہ شہیداں گفت رضواں

۹۸۵

یہ محمد باقی بن عیسیٰ خاں ترخاں فرمانروائے سندھ کے زمانہ کا امیر تھا۔

اس کے علاوہ دوسرے پتھروں پر دلشاد بیگم، عصمت مآب  
فتح بیگی سلطان اور امیر ولی محمد کے نام مرقوم ہیں۔ ان پر  
نہایت نفیس ثلث میں قرآنی آیات درج ہیں خط کے اعتبار سے یہ  
کتبے اعلیٰ نمونہ ہیں۔ ابھرے ہوئے الفاظ کو اس طرح ڈھالا اور  
پالش کیا گیا ہے کہ نقوشِ صنعت کاری کا بہترین نمونہ بن گئے  
ہیں۔ جو قبے سلامت ہیں۔ ان میں ”چھٹہ عمرانی“ کا قبہ خاص  
طور پر قابل ذکر ہے۔ ”تحفة الکرام“ نے اس کو ”چھوتہ عمرانی“  
لکھا ہے۔ اسی کا یہ نوٹ ملاحظہ ہو۔

وچھوتہ اسرانی از برادران بنی اعمام دلورائے تتمہ  
رایان الور\* (روہڑی) است آنچنانکہ در خرابی

\* دلورائے الور کا آخری راجہ تھا جب یہ شہر تباہ ہو گیا تو دلو رائے  
برہمن آباد میں منتقل ہو آیا۔ جو بھانپٹرا یا بھنبور کے نام سے زیادہ مشہور تھا۔  
یہ راجہ سخت ظالم اور بدچلن تھا۔ اس کا معمول تھا کہ شہر میں جب کسی  
دوشیزہ کی شادی ہوتی۔ تو یہ اسے شبِ عروسی میں ہی اٹھوا لیتا تھا۔ جب  
شاہ چھٹ (رح) عرب سے کتخدا ہو کر وطن تشریف لائے۔ تو اس نے حضرت کی مستورہ  
بی بی فاطمہ (رح) پر تصرف کرنے کا ناپاک ارادہ کیا۔ حضرت شاہ چھٹ (رح) کو  
کشف کے ذریعے اس شرارت کا علم ہو گیا۔ وہ اپنی اہلیہ کو لے کر شہر سے باہر  
نکل آئے۔ اور ندا کی کہ حاکم شہر کی بدبختی کے سبب آج یہ شہر الٹ دیا  
چائے گا۔ جسے اپنی جان پیاری ہو۔ وہ شہر سے نکل آئے۔ مگر کم لوگوں نے  
آپ کے ارشاد پر اعتماد کیا۔ پہلی رات ایک عورت کے چرخہ کاتنے کے سبب اور  
درمیانی رات ایک گداگر کے باعث شہر تباہی سے بچا رہا رات کے تیسرے حصہ  
میں عذاب کے فرشتوں نے شہر کو الٹ دیا صرف ایک مینارِ عبرت کی غرض سے  
باقی رہ گیا۔ تحفة الکرام جلد سوم صفحہ ۴۶



الور و بهانبرا ذکر رفتہ (یعنی جلد ۳ صفحہ ۴۵ پر) وے از انجا کو چیدہ بیسوستان متوطن و مدفون گردید، تا اکنون مرجع اهل الله است  
مقبرہ کے صحن میں نیلی ٹائلیں لگی ہیں۔ بعض دیواروں پر مصطبے بنے ہوئے ہیں۔ اور ان پر بھی یہی ٹائلیں پیوست ہیں۔ مغربی دیوار پر یہ کتبہ نظر آتا ہے۔

بدور شہنشاہ شاہ جہاں خدیوے خرد مند صاحبقران  
چو خالد بریں روضہ شاہ چھٹ بنا کرد نواب دیندار خان  
زسال بنایش طلب داشتند  
ہشتے بروئے زمیں گفت عثمان (کذا)

آخری مصرعہ وزن پر صحیح نہیں آترتا۔

اسٹیشن سہوان سے نصف میل جنوب کو ایک پہاڑی پر خوش منظر غار ہے۔ ریلوے لائن پر گینگ کام کر رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔ یہ غار کیسی ہے۔ ایک بوڑھے آدمی نے جواب دیا۔ حضور یہ نبی پاک کے چار یاروں کی غار ہے۔ اس میں وہ مدتوں تک عبادت کرتے رہے تھے۔ مجھے اس کے جواب پر ہنسی آئی۔ کیونکہ میں تحفۃ الکرام کا یہ بیان پڑھ چکا تھا۔ کہ  
دوانجا چہار یار اعنی مخدوم عثمان، شیخ بہاء الدین  
شیخ فرید الدین و سید جلال بمکا شفاف نشستہ اند،،  
(تحفۃ الکرام ج ۳ بذیل سیوستان)





میرا بڑا لڑکا محمد علی خاں میرے ہمراہ تھا۔ ہم لمبے لمبے ڈگ بھرتے پہاڑی پر پہنچے۔ اس کے پاس مجاوروں کے جھونپڑے بنے ہوئے تھے۔ ہمیں دیکھ کر ایک مجاور لپک کر آ گیا۔ ہم اس کی راہنمائی میں سیڑھیاں طے کرتے غار کے دہانے پر جا پہنچے۔ پہلے ہم ایک چھوٹی سی غیر مسقف مسجد میں داخل ہوئے۔ جس میں بیک وقت چھ آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ غار اندر سے مدور ہے اور ایک ستون پر قائم ہے۔ اس کے مغرب میں محراب ہے جس میں ایک مصیبت رکھا ہے غار کی ہیئت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ چاروں بزرگوار اس میں بیک وقت آسانی سے مصروف عبادت رہ سکتے ہونگے۔ موسم گرما میں دن کو یہ غار ٹھنڈا رہتا ہے۔ یہاں دوگانہ ادا کرنے کے بعد ہم غار کی چھت پر گئے۔ تحفۃ الکرام میں پڑھا تھا۔ کہ دو مردم بسیر وصفا انجا روند و برسقفش نظارہ کنند، واقعی عجیب سیرگاہ ہے۔ حضرت غوث العلمین اور ان کے یاران بے ریا دن غار میں بسر کرتے تھے۔ اور رات اس سقف پر نوافل و اذکار اور تسبیح و تہلیل میں کٹی تھی۔ چھت کے چاروں گوشوں پر چار مینار ہیں۔ جو دور سے نظر آتے ہیں۔ طرز تعمیر فیروز شاہی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہیں ان چار یاروں کی یاد تازہ کرنے کے لئے تعمیر کیا گیا ہے۔ سامنے دوسری بلند پہاڑی پر جہاں مروندی کا مزار نظر آتا ہے۔ تاریخ میں اس مرد مجاہد کا کہیں ذکر نہیں ملا۔ ہو سکتا ہے۔ کہ یہ حضرت غوث العلمین اور ان کے یاروں کا خدمت گار ہو۔ اور انکی غلامی میں ہی اسکی روح اعلیٰ علیین کو پرواز کر گئی ہو۔ بہر حال اس غار سے اس مزار کا تعلق ضرور ہے۔



## چشمہ واہی

ہم اس غار سے ریلوے لائن کے  
راستہ سے لال باغ کو گئے۔ یہ

ارل ندی کے بائیں کنارے ایک مختصر سا باغ ہے۔ جو چشمہ واہی  
سے سیراب ہوتا ہے۔ اس میں آم اور کھجوروں کے کافی درخت  
موجود ہیں۔

اس میں مخدوم لال شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بیٹھک  
ہے۔ مشہور ہے کہ آپ کافی مدت یہاں معتکف رہے تھے۔ میں  
نے سیرت حضرت غوث العلمینؒ میں ”بمعارج الولايت“ کے حوالہ سے مخدوم  
لال شہباز کے بارہ میں لکھا تھا۔ کہ چون جذب و مستی بغایت داشت  
پابند احکام شرع نبود لیکن جب میں نے یہاں آکر چپے چپے پر  
انکی عبادت گاہیں دیکھیں۔ تو مجھے ”معارج“ کی صحت پر یقین نہ  
رہا۔ اور پھر وہ ذات گرامی جو حضرت غوث العلمینؒ جیسی سرکار  
شریعت کی صحبت میں ایک دو دن نہیں کئی سال بسر کر چکی ہو۔  
اس سے متعلق اس قسم کی رائے تہمت نہیں تو کیا ہے؟ میر حاجی  
محمد بخش صاحب\* تالپور ایم ایل اے میر پور خاص نے بھی یہی  
خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت پر احکام شرع پر پابند نہ رہنے کا الزام  
بے اصل ہے۔

لال باغ پانی کی جس سوت سے سیراب ہو رہا تھا ہم اس کے

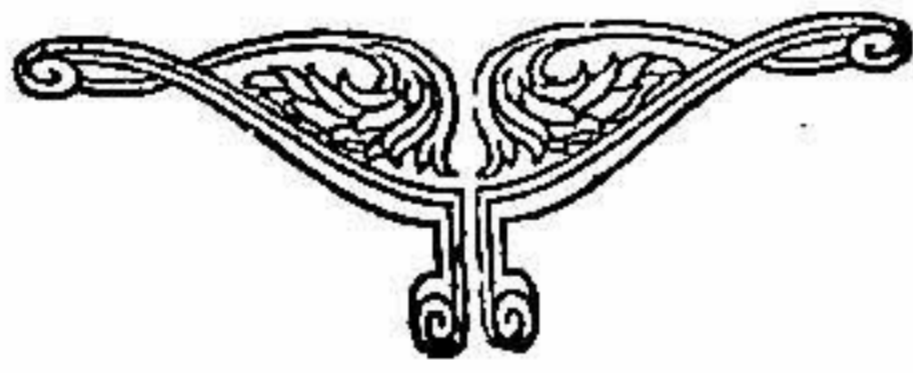
\* میر حاجی محمد بخش صاحب تالپور ایم ایل اے (میر پور خاص) اسلامی تاریخ  
سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ چونکہ سہوان ان کے بزرگوں کی عملداری میں  
شامل رہا ہے۔ اس لئے حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ان کی  
واقفیت خاصہ وزن رکھتی ہے۔



کنارے کنارے روانہ ہوئے۔ دو فرسنگ کے فاصلے پر آٹھ کنال کے لگ بھگ سطح مرتفع کا ایک ایسا حصہ آگیا۔ جس کو جہاں سے کریدتے۔ پانی رسنے لگ جاتا۔ اس چشمہ سے متعلق صاحب تحفۃ الکرام کا نوٹ یہ ہے :-

دربہر کوشش چشمہ واہی از عجائبات است، اکثر ارباب امراض بغلش شفا یابند۔ هموارہ بریک قرار آبش پرو جائے آمدن آب محسوس نہ، ہنود آنجا پرستش در ایام معہود ہجوم کنند،،۔

پاس ہی پختہ اینٹوں سے ایک چھوٹا سا تالاب نظر آیا۔ ہم وہاں گئے۔ تبرکاً دو تین گھونٹ پانی کے پئے اور لوٹ آئے۔





## امير حسينيؒ بھرات رسيد

حضرت غوث العلمينؒ کے اس محبوب اور نامور مرید کا تفصیلی ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ شیخ کے وصال کے بعد یہ بھی اپنے وطن مالوف ہرات چلے گئے۔ آپ کی خانقاہ کا چرچا دور دور تک پھیل گیا اور ہزاروں گمراہوں نے آپ کی توجہ سے ہدایت حاصل کی۔ دولت شاہ اپنے تذکرہ میں حضرت کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے :-

”سالک مسالک دین و عارف اسرار یقین است در کشف  
رموز حقائق و دقائق، کنز معانی بودہ و در فضیلت و  
علوم جنید ثانی، خاطر پر نور او گلشن راز، طوطی نطق  
او عندلیب خوش آواز \*“

مولانا جمالیؒ لکھتے ہیں :-

در عہد او کسے در نواحی خراسان در علم و معرفت  
وروش مشیخت ہمتائے او نبود و ریاضتے عظیم و عبادتے  
مستقیم داشت۔

یعنی ان کے زمانے میں خراسان کے مضافات میں کوئی درویش ان کے مرتبہ کا نہ تھا۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں، کہ :-

جب شیخ الاسلام زکریا قدس سرہ سید جلال تبریزی کے  
تصفیہ کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔ تو میر حسینیؒ  
بھی ان کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے اس ناگوار واقعہ  
کو تفصیل سے قلمبند کیا ہے۔



سیرالعارفین کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”وچنین استماع است کہ آنچه حضرت شیخ الاسلام

بہاءالدين ذکریاؒ در عہد سلطان شمسالدين التمش

از جہت قضیہ محضر حضرت شیخ جلالؒ تبریزی دہلی

رفتہ بودند تمام کیفیت بتفصیل مرقوم نموده اند۔“

ایک روایت کے بموجب آپ کو بھی حضرت غوثالعلمینؒ

کی دامادی کا شرف حاصل تھا۔

”نفحات الانس“ کے نزدیک آپ کی

وفات ۱۶ شوال ۷۱۸ھ کو ہوئی۔

### وفات

دولت شاہ ۷۱۹ھ لکھتا ہے۔ لیکن ان کی تصنیف زادالمسافرین کے

مندرجہ ذیل شعر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ ۷۲۹ھ تک زندہ

تھے۔ شعر یہ ہے۔

در ہفت صد و بیست و نہ ز ہجرت

گشت آخر این کتاب ختمت\*

مولانا جہالیؒ نے بھی ہرات پہنچ کر آپ کے مزار نوربار پر حاضری

دی ہے فرماتے ہیں:-

مزار مبارک سید صاحب\*\* کا موضع ہری پور میں

واقع ہے۔ اس دیار کے لوگ انکی زیارت کے واسطے

جایا کرتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ ان کا مرقد منور

زائر کے بے جان جسم میں تازہ روح بخشتا ہے عجب

\* فہرست کتب خانہ شاہ اودھ صفحہ ۲۳۰۔

\*\* سید صاحب عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہم کے گنبد کے باہر مدفون

ہیں۔



دلکشا اور جانقزا مقام ہے۔ جن ایام میں یہ ضعیف  
جالیؒ ہری پور میں پہنچا تھا۔ اس وقت مولانا  
عبدالرحمان جاسی اور مولانا عبدالغفور قدس اسرارہم  
بھی سید صاحب کی زیارت کیلئے تشریف لائے  
تھے۔ زیارت کے بعد ہم سب نے ملکر اس جگہ  
ظہر و عصر کی نماز ادا کی اور بڑا فیض حاصل کیا \*

حضرت غوث العلمین کے تذکرہ میں  
میر حسینیؒ کی تصانیف کا ذکر

### نمونہ کلام

ہو چکا ہے یہاں مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق زادالمسافرین  
کی ایک حکایت درج کرتے ہیں۔

این طرفہ حکائست بنگر - روزے \*\* ز قضا مگر سکندر  
مے رفت و ہمہ سپاہ با او - صد حشمت و مال و جاہ با او  
ناگہ بخرابہ گذر کرد - پیرے ز خرابہ سر بدر کرد  
پیرے کہ نہ کہ آفتاب پرنور - در چشم سکندر آمد از دور  
پرسید کہ این چہ شاید آخر - این کیست کہ مے نماید آخر  
در گوشہ این مگاک دلگیر - بیہودہ نہ باشد این چنیں پیر  
چوں رانبدان مگاک چوں گور - پیر از سر وقت خود نہ شد دور  
چوں باز نہ کرد سوئے او چشم - پرسید سکندرش بصد خشم  
گفت اے شدہ غول این گذرگاہ - غافل چہ نشستہ دریں راہ  
بہرچہ نہ کردی احترامم - آخر نہ سکندر است نامم

\* اردو ترجمہ سیرالعارفین -

\*\* تذکرہ دولت شاہ میں یہ مصرع اس طرح ہے روزے مگر از قضا سکندر



دانی کہ منم بہ بختِ فیروز - پشت ہمہ روئے عالم امروز  
 دریا دل و آفتاب رایم - فرق فلکست زیر پام  
 پیر از سر وقت بانگ بر زد - گفت این ہمہ نیم جو نیرزد  
 نہ پشت نہ روئے عالی تو - یکدانہ ز کشت آدمی تو  
 دوران فلک کہ بے شمار است - ہر ساعتش از تو صد ہزار است  
 نہ غول و غافلیم درین گوئی - ہشیار تراز توام بہ صد روئی  
 از روز پسین چو آگہم من - چوں منتظر آن درین اہم من  
 غافل توئی کز برائے پیشی - مغرور دو روزہ عمر خویشی  
 چوں آخر کار ہا جدائست - با خلق مرا چہ آشنائست  
 دو بندہ من کہ حرض و آزند - بر تو ہمہ روز سرفرازند  
 با من چہ برابری کنی تو - چوں بندہ بندہ منی تو  
 گریاں شد ازین سخن سکندر - بفرگند کلاہ شاہی آذر  
 از خجلتِ خود نفیر سے زد - سر بکف پامے پیر سے زد

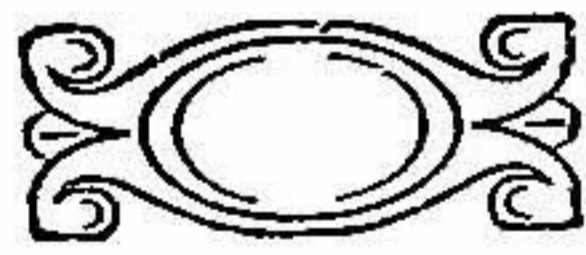
پیر از سر حال راہ نمودش

کاندر ہمہ وقت یاد بودش

آتشکدہ میں کچھ اور اشعار بھی درج ہیں - مثلاً

بخدا کہ درد مندم زغم فراق یارا

نہ خلاف گوید آنکس کہ حکم کند خدارا





## شیخ اسمعیل قریشیؒ عمر پور میں

(درگھ اور ڈھول اقوام میں سہروردی سلسلے کا پہلا داعی)

آپ ذات کے قریشی صدیقی اور مادر زاد ولی تھے۔ موضع حجرہ (سندھ) میں پیدا ہوئے۔ دس برس کی عمر میں حضرت غوث العلمینؒ کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ بیس برس کے ہوئے تو حضرت نے انہیں شہنی (مقام اتصال دریاۓ چناب و ستلج) کے جنگل میں چلہ کشی پر مامور فرمایا۔ زان بعد اقوام درگھ اور ڈھول کی اصلاح احوال پر متعین ہوئے۔ آپ نے ہزارہا گم گشتگان بادیۃ ضلالت کو صراط المستقیم پر گامزن کیا۔ اور اسی (۸۰) برس کی طویل عمر پا کر راہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔ آپ کی خانقاہ عمر پور میں ہے۔ اور فیوض و برکات کا سرچشمہ بنی ہوئی ہے ہر سال اسٹڑھ کے سپینہ میں یہاں زبردست میلے لگتے ہیں۔ ۱۵ اور ۲۲ اسٹڑھ کے میلے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

شیخ اسمعیلؒ کو اپنے شیخ طریقت سے والہانہ محبت تھی۔ اگرچہ حضرت غوث العلمینؒ کے لنگر خانہ میں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ لیکن یہ بزرگوار ایک عرصہ تک دودھ کا مٹکا گھر سے سر پر آٹھا ملتان پہنچاتے رہے۔ ایک رات سرِ شام گھٹا چڑھ آئی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام عالم تیرہ و تار ہو گیا۔ شیخ اسمعیل اسی عالم میں ملتان کو روانہ ہو پڑے۔ اس وقت ہر طرف تہ بہ تہ اندھیرا چھا رہا تھا۔ سیاہی کے بے پایاں سمندر میں موسلا دھار بارش کے تھپیڑے سمیتا، بادلوں کی گھن گرج، رعد کی کڑک اور بجلی



کی چمک میں لیے لیے ڈگ بھرتا بارگاہِ غوثیہ کا یہ مجاہد چلتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ کافی رات گئے راوی کو عبور کر کے خضریٰ دروازے پر جا پہنچا۔ پہرے دار ان کو خوب پہچانتے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی کھڑکی کھول دی۔ شیخ اسمعیل سپاہیوں کو سلام کہہ کر اندر داخل ہوئے۔ اور بڑی سرعت سے حضرت کے لنگر خانے کی طرف لپکے۔ ابھی تک بارش کی رم جھم جاری تھی۔ ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ خانقاہ کے چند حجروں سے درویشوں کے اوراد و اذکار کی آواز آرہی تھی۔ شیخ یہاں سے گذر کر حجرہ شریف کے پاس پہنچے ہی تھے۔ کہ حضرت غوث العظیمؒ برآمدے میں کھڑے نظر آئے۔ ایسے گویا انہی کا انتظار کر رہے ہیں۔ خداوند مجازی کو دیکھتے ہی سفر کی ساری کلفت دور ہو گئی۔ دودھ کا مٹکا اتار کیر ایک جانب رکھا اور اپنے آپ کو اسی حالت میں مرشد کے قدموں میں ڈال دیا۔ حضرت نے لپک کر شیخ اسمعیل کو اٹھا کر سینے سے لگایا۔ اور شفقت سے فرمایا کہ ”اس قدر تکلف کی کیا ضرورت تھی!“

”حضور! میں نے کیا تکلف کیا۔ تکلیف تو حضور کو ہوئی۔ کہ برستی بارش میں برآمدے میں کھڑے غلام کا انتظار فرماتے رہے۔ یہ دودھ کا مٹکا تو بہانا ہے۔ اصل غرض تو سرکار کی زیارت ہے۔ اس کے بعد سفر کی کلفت کا احساس کیونکر ہو سکتا ہے! یہ شب تار بادل کی گھن گرج، تیز و تند طوفان، باد مخالفت کے تھپیڑے تو وادی عشق میں طالب صادق کو مزا دیتے ہیں۔“



در رہ منزلِ لیلی کہ خطرہاست بجاں

شرط اول قدم آن است کہ مجنون باشی

یہ شبِ دیجور شیخ اسمعیل کے لئے شبِ وصال سے کم نہ تھی۔ بلکہ یہ رات اسکی خوش بختی کی پہلی رات تھی۔ مرشد کامل نے آغوش میں کیا لیا\*۔ اسکی دنیا کو بدل ڈالا۔ اور وہ بیک طرفۃ العین کہیں سے کہیں جا پہنچا۔

یہ صحیح ہے کہ آج حضرت غوث العلمینؒ جیسے پیر نہیں ملتے لیکن شیخ اسمعیلؒ جیسے مرید کہاں ہیں۔ جو گھٹا ٹوپ اندھیری رات میں دودھ کا مٹکا سر پر، برستی بارش میں، گھٹنے گھٹنے پانی میں، پینتالیس میل چل کر مرشد کے حضور میں پہنچیں۔ اور ایک دو دن نہیں اس نہج پر زندگی کا غالب حصہ گزار دیں۔ شاعر مشرق کا یہ قول اپنے اندر کتنی صداقت رکھتا ہے۔

ہم تو سائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں

جن لوگوں کے اندر سچی بڑپ موجود ہے وہ قحط الرجالی کے اس دور میں بھی اہل اللہ سے اپنا نصیبہ وصول کر رہے ہیں۔ دنیا خدا کے نیک بندوں سے خالی نہیں۔ ہر محکمہ، ہر طبقہ اور ہر گروہ کے اندر مردان خدا موجود ہیں۔ نظر چاہئے بقول کسے

آنکھ والا تیرے جو بن کا تماشا دیکھے  
دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

\* حضرت کی وفات کے بعد ایک بزرگ باوا گوری نام دہلی سے اس نواح میں تشریف لائے۔ اور کشف سے اس خانقاہ کی برکت دیکھ کر متعلقین سے وصیت کی۔ کہ مرنے کے بعد مجھے یہاں دفن کرنا چنانچہ یہ درویش حضرت کی آغوش میں محو خواب ہے۔ فریدی



علامہ نے کیا خوب کہا ہے۔

نہ پوچھ ان خرقة پوشوں کی عقیدت ہو تو دیکھ ان کو  
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

ایک اور مقام پر اپنے فرزند ارجمند جاوید اقبال کو خطاب کرتے  
ہوئے فرماتے ہیں۔

ترسم این عصرے کہ تو زادی دران  
در بدن غرق است و کم داند زجان

چوں بدن از قحط جان ارزاں شود  
مرد حق در خویشتن پنہاں شود

در نیا بد جستجو آن مرد را  
گرچہ بیند رو برو آن مزد را  
تو مگر ذوق طلب از کف بدہ  
گرچہ درکار تو آفتد صد گرہ\*



\* اے نور چشم! یہ دور جس میں کہ تو پیدا ہوا ہے ”بدن“ کی کائنات  
(ارتقائے مادہ یعنی مادہ پرستی) میں غرق ہے اور روح سے کم تعلق رکھتا ہے۔  
روح کے قحط کے باعث جب جسم سستا ہو جاتا ہے تو مرد حق اپنے آپ میں  
پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ پھر اگرچہ وہ سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ ظاہر بین نگاہیں اسے  
پہچان نہیں سکتیں۔ اس لئے تو ذوق طلب کو ہاتھ سے نہ دے۔ اگرچہ تیری راہ  
میں سینکڑوں مشکلات حائل کیوں نہ ہوں۔



## حضرت غوث العلمینؒ کی حاضر باش خلفاء

پير عمر سهروردی

سندھ سے شيخ عمر نام ایک نوجوان  
حضرت غوث العلمینؒ کی خدمت میں

حاضر ہو کر مرید ہوا۔ اور آستانِ غوثیہ پر پڑ رہا۔ ایک مرتبہ حسن اتفاق سے کیمیا اثر نظر کچھ اس انداز سے اس درویش پر پڑی۔ کہ یہ جوان، طریقت اور معرفت کے فلک الافلاک پر پہنچ گیا۔ حضرت غوث العلمینؒ کی زندگی میں سایہ کی طرح ساتھ لگا رہا۔ اور جب حضور رفیق اعلیٰ کو لبیک کہہ گئے۔ تو پھر حضرت کے مسند نشین شیخ العارفؒ کی خدمت میں حاضر رہنے لگا۔ آخری دنوں میں ایک نواب کی اہلیہ حاضر ہوئی۔ اور بولی سرکار دعا کیجئے، نواب کی توجہ ادھر ہو جائے۔ آپ نے ایک ٹھیکری اٹھائی۔ اور اس پر لکھا۔ کہ ”اگر نواب اپنی بیگم سے محبت کرے تو عمر کو کیا اور اگر نہ کرے تو کیا!“ بیگم سے کہا کہ اسے اپنے پاس رکھ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ نواب اس سے محبت کرنے لگ گیا۔ بیگم نے شکرانے کے طور پر اشرفیوں کا ایک تھال آپ کی خدمت میں لا کر پیش کیا۔ آپ نے ایک اشرفی اٹھا کر منہ میں ڈال لی۔ بیگم نے عرض کی۔ حضور! یہ کھانے کی چیز نہیں۔“ آپ نے فرمایا ”تو پھر تم لائی کیوں ہو؟“ بیگم نے جب زیادہ اصرار کیا۔ تو فرمایا کہ ”یہ اشرفیاں واپس لے جاؤ۔ اور فقیر کو قبر کے لئے کچھ زمین دلا دو“۔ چنانچہ اس خاتون نے شیخ العارفؒ کے محلات کے مشرق میں ایک وسیع و عریض قطعہ اراضی حضرت کی



نذر کر دیا۔ آپ وفات کے بعد اسی جگہ دفن ہوئے۔ رفتہ رفتہ یہ اراضی بہت بڑے قبرستان کی صورت میں تبدیل ہو گئی۔ جو اب گورستان پیر عمرؒ کے نام سے مشہور ہے۔

مولانا محمدؒ حضرت غوث العلمینؒ

بانگا بلال فوت شد

کے مؤذن تھے۔ رنگ کے

سانولے اور آواز پر بھی حجازی جھلک غالب تھی۔ اس لئے حضرت شفقت سے انہیں بانگا بلال کہہ کر ہی پکارتے تھے۔ خمس الاوقات سرکار غوثیہ میں حاضر رہنے کے سبب بڑے مرتبہ کو پہنچ گئے تھے۔ اکابر خلفاء اور نامور مرید ان کا ادب کرتے تھے۔ شیخ العارفؒ کے زمانے میں ان کا انتقال ہوا۔ سارا شہر جنازہ پر جمع تھا۔ حضرت عارف باللہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ اہل محلہ کی استدعا پر انہیں اسی حجرہ میں دفن کرا دیا۔ جس میں وہ رہا کرتے تھے۔ یہ محلہ آپ کے نام سے ہی موسوم ہو کر رہ گیا۔ اب محرف ہو کر بانگا بلیل کہلاتا ہے۔

جے توں بہت آوتا ولا منگ

شاہد شہید

یہ بھی حضرت غوث العلمینؒ کے

حاضر باش غلام تھے۔ حضرت

غوث العلمینؒ انہیں بمثل اولاد کے عزیز جانتے اور اعتماد کرتے تھے۔ حضرت کے بعد شیخ العارفؒ کے معتمد علیہ بنے رہے۔ اور انہی کے زمانہ میں ہی داعی اجل کو لبیک کہ کر دہلی دروازہ کے اندر دفن ہوئے۔ ان سے متعلق آج تک ایک مقولہ مشہور چلا آتا ہے۔

اندر غوث بہاء الحق باہر قطب فریدؒ

جے توں بہت آوتا ولا منگ شاہد شہید



## خواجہ حسن افغانؒ

یہ حضرت غوث العلمینؒ کے محبوب مرید اور ممتاز خلیفہ تھے۔ ان کا کچھ حال پہلی جلد میں بھی آچکا ہے۔ مولانا جہالی لکھتے ہیں۔ کہ یہ حضرت کوہ سلیمان\* کے دامن کے باشندے تھے۔ انہوں نے بڑی عمر پائی تھی۔ حضرت قطب الاقطاب کے زمانہ میں ان کا وصال ہوا۔ مخزن افغانی کے قلمی نسخہ میں آپ کا ذکر تفصیل سے موجود ہے۔ اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ افغان نہیں بلکہ سید\*\* تھے۔ اس کتاب میں آپ کا نسب اس طرح درج ہے :-

سید حسن المعروف خوندی بن ابو محمد بن سید علی بن سید جعفر بن موسیٰ بن ابراہیم اصغر بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین بن حسین بن علی رضوان اللہ علیہم اجمعین صاحب مخزن افغانی لکھتے ہیں کہ کوہ سلیمان کی تلہٹی کا ایک افغان دادی خاں گھوڑے خریدنے کے لئے قندھار گیا ہوا تھا۔ وہاں ایک سرائے میں اسکی ملاقات خجند کی ایک عصمت مآب خاتون سے ہوئی۔ اس کا خاوند فتنہ تاتار کی نذر ہو چکا تھا اور وہ اپنے کمسن بچے سید حسن کے ہمراہ ملتان جا رہی تھی۔ دادی خاں نے اسے تسلی دی۔ اور کہا کہ میں تمہیں تیری بہن کے ہاں ملتان پہنچا دوں گا۔ چنانچہ گھوڑے خریدنے کے بعد دادی خاں اس مستورہ کو اپنے ہمراہ ملتان لے آیا۔ یہ بچی جوان اور بہت خوبصورت تھی۔

\* او مردے کوہستانی بودہ است کہ دران افغانستان سکونت دارند و آن کوہ را کوہ سلیمان سے نامند۔

\*\* تاریخ بلوچستان صفحہ ۷۱۳ -



بڑی بہن نے اسے شادی کا مشورہ دیا۔ اور ساتھ ہی یہ کہا۔ کہ اگر تو میرا مشورہ مانے تو اسی جوان سے شادی کر لے۔ جو تجھے اپنے ہمراہ لایا ہے۔ چنانچہ وہ خاتون دادی خان کے نکاح میں آگئی۔ اور خان اسے اپنے وطن میں لے آیا۔ صاحب مخزن افغانہ دادی خان کی اولاد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

دادی سے پسر داشت دو اصلی و یک وصلی، دمر،

حمرا و آنکہ وصلیت حسن نام بود کہ بخوندی اشہار داشت

خلاصہ یہ کہ دادی خان نے سید حسن کی والدہ سے

شادی کر لی اور لوگ اسے بھی افغان سمجھنے لگ گئے۔

یہ حسن جوان ہو کر بڑا چالاک

بیائید! ہر کرا خدا بدھد!!

نکلا اور غرغشتیوں کے ساتھ مل

کر ڈاکے ڈالنے لگا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوا۔ اور اپنی والدہ سے مرخص ہو کر ملتان کو چل دیا۔ ان دنوں اس نواح میں حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ کی بزرگی کا چرچا ہو رہا تھا۔ یہ بھی ان کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مرید ہو گئے۔ ایک اور بزرگ حسنؒ نام اس آستان پر مقیم تھے۔ انہوں نے حضرت شیخ الاسلام سے عرض کی کہ مدت سے یہ آرزو رکھتا ہوں ”حضور حق“ کے وقت اس خاکسار کو نعمت حق سے بہرہ ور\* فرمائیں۔

\* یا پیر دستگیر! مدتے است آمید دارم کہ در وقت حضور حق آیں  
خاکسار را از نعمت حق بہرہ ور سازی۔  
(مخزن افغانی)



حضرت غوث العلمینؒ نے فرمایا ”رات کے آخری حصے میں حاضر ہونا۔!“ سید حسن پیر و مرید کے راز و نیاز کی باتوں کو سن رہے تھے۔ وہ حجرہ میں وقت کے انتظار میں بیٹھ گئے اور آفتابہ پانی سے بھر کر رکھ لیا۔ رات کے آخری حصہ میں میاں حسن پر نیند نے غلبہ کیا اور وہ سو گئے۔ سید حسن حاضر تھے۔ اور وقت کا انتظار کر رہے تھے۔

ایک تہائی رات رہتی تھی۔ کہ غوث العلمین نے میاں حسن کو آواز دی۔ مگر وہ تو پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ بخت بیدار خواجہ حسن پانی لے کر گیا۔ اس نے بڑے ادب سے سرکار کو وضو کرایا۔ پھر آکر اپنی جگہ پر بیٹھ رہا۔

کچھ دیر گزری تھی کہ دفعاً حجرہ شریف سے با عظمت گونج اٹھی  
”حسن!“

خواجہ حسن نے عرض کی ”لیک“

فرمایا ”کون حسن۔!“\*

حسن خاموش رہا۔

تین مرتبہ حضرت نے آواز دی اور خواجہ حسن جواب میں عرض کرتا ”لیک“، لیکن جب حضور فرماتے ”کون حسن!“ تو پھر چپ ہو جاتا اور جواب نہ دیتا۔ چوتھی مرتبہ فرمایا

”بیائید! ہر کرا خدا بدہد!!“

حسن تو اسی اشارے کا منتظر تھا لیک کہہ کر اندر پہنچا اور قدموں میں گر پڑا۔ حضرت نے اٹھا کر گلے سے لگایا۔ اور شفقت سے ایسی توجہ فرمائی کہ تمام جہاں اس پر کشف ہو گیا۔ فرمایا

\* آئے جسے خدا دینا چاہتا ہے۔



کہ ”ملا نور باف کے پاس جا۔ اور اپنا قصہ اُس سے بیان کر۔!“

جب حسن وہاں حاضر ہوا۔ تو اس نے کہا

”اے بھائی! میں کیا جانوں، اتنا معلوم ہے کہ

کیاس کو صاف کرتے ہیں تو تاگا عمدہ بنتا ہے۔“

اس عارفانہ گفتگو سے خواجہ حسن نے معلوم کر لیا۔ کہ

مجھے محنت شاقہ کا حکم ہوا ہے۔ اس پر خواجہ نے بڑی ریاضتیں

کیں اور عمر کا بیشتر حصہ پیر کے قدموں میں بسر کیا۔ یہاں

تک کہ مرتبہ ولایت پر فائز ہوا اور وہ درجہ پایا کہ حضرت

غوث العلمینؒ فخر سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر قیامت کے دن

مجھ سے سوال ہوا کہ تم دنیا سے کیا تحفہ لائے ہو تو عرض

کرونگا کہ خواجہ حسن کا صدق اور صحیح اعتقاد لایا ہوں۔!“

جب فقر و ولایت کی تکمیل ہو چکی تو شیخ الاسلام نے حکم

دیا کہ افغانوں میں جا کر تبلیغ کرو۔ خواجہ حسن مرشد کے

حکم سے ملتان کی درو دیوار پر حسرت کی نظر ڈالتے ہوئے غرغشتیوں

کے قبائل میں تشریف لے گئے۔ انہیں نیکی کا راستہ دکھایا اور اپنے

زہد و ورع کے سبب خونندی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ مخزن

افغانہ کے الفاظ یہ ہیں :-

”حسنؒ مدتے ریاضت کشید و در خدمت پیر مدتے

گذرانید تا آنکہ بولایت رسید، حضرت غوث العلمینؒ

فرمود برو! در قوم افغانہ ہدایت حق بکن! حسنؒ

بحکم شیخ بہاء الدین زکریا رخصت شدہ در قوم

غرغشتیاں درآمد و خلق را ہدایت کردن گرفت،

در اصل ارجمند بود، در عالم بخوندی شہرت یافت۔



حضرت غوث العلمینؒ اپنے اس محبوب مرید کو شفقت کے سایہ میں لئے پڑے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ خواجہ حسن ضعیفی کے زمانہ میں پھر ملتان تشریف لے آئے ہونگے اور بقیہ زندگی قبہ ابیض کے سایہ میں دفن ہونے کی آرزو میں یہیں بسر کر دی ہوگی۔ رحمة اللہ علیہ۔

یہ چند شخصیتیں ایسی ہیں جو سیرت کے اوراق پر لائی جا سکی ہیں ورنہ حضرت غوث العلمینؒ کے خلفاء اور مریدوں کا شمار کیونکر ہو سکتا ہے۔ ملتان کا چپہ چپہ اپنے دامن میں ایسے بزرگوں کو لئے پڑا ہے جو سرکار غوثیہ کے منظور نظر اور حاضر باش غلام تھے۔ حضرت کے فیضان سے دین دنیا کی سعادتیں لپیٹ محبوب حقیقی سے جا ملے۔ اسی بنا پر صاحبِ دل ملتان کے ذرہ ذرہ کو سرمہ ہدایت سمجھتے اور جانتے ہیں یہی وجہ تھی۔ کہ حضرت غوث العلمینؒ بے اختیار پکار اٹھے تھے۔

ملتان ما بختِ اعلیٰ برابر است

آہستہ پابند کہ ملک سجدہ سے کنند





# سرزمین ملتان

ملتان ما بخت اعلیٰ برابر است  
آہستہ پابنہ کہ ملک سجدہ می کنند

عروس البلاد ملتان کی مختصر مگر جامع تاریخ

سرزمین ملتان کو تاریخ پاک و ہند میں جو امتیازی جگہ  
حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اس گرفت در تصنیف میں  
عروس البلاد ملتان کی تاریخی حیثیت واضح کرنے کے علاوہ  
ان اولیائے کرام و صوفیائے عظام کی سچی اور دلگداز داستانیں  
تفصیل سے پیش کی گئی ہیں جو حیاتِ سرمدی کی چادر مانے اس  
شہر میں محبوبان ہیں۔

از مولانا نور احمد خاں فریدی  
جلد دو روپے آٹھ آنے بے جلد دو روپے

ناشرینچر قصر الادب، جگوالہ، براہ لوڈھراں ضلع ملتان



۵۶۸۳

# فقرو شاہی کا تصادم

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُسکے زور یا زو کا  
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

افانک



۶۸۳ھ میں حضرت غوث العلمینؒ کے تقریباً تمام خلفاء رخصت ہو چکے تھے۔ اور نئے متلاشیانِ حق نے ان کی جگہ لے لی تھی۔ حضرت عارف باللہؒ انکی تربیت میں مصروف تھے خواجہ احمد معشوقؒ قطب الاقطاب شیخ رکن الدینؒ سلطان التارکین حمیدالدین حاکمؒ شیخ صلاح الدین درویشؒ، شیخ علاءالدینؒ اور خواجہ حسام الدینؒ جیسے اکابر صوفیاء نے خانقاہ غوثیہ کا نظام سنبھال رکھا تھا۔ اگرچہ شیخ العارفؒ خزانہ میں کچھ جمع نہیں ہو۔ دیتے تھے۔ اس کے باوجود روزانہ ہزاروں آدمی لنگر سے کھانا کھاتے اور سینکڑوں نقد و جنس کی صورت میں امداد پاتے تھے۔ اس سال ملتان کا گورنر جو سلطان غیاث الدین بلبن کا ولیعهد بھی تھا۔ کسی غلط فہمی کی بنا پر حضرت سے بگڑ بیٹھا اور یہ صورت حال روز بروز شدت اختیار کرتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ اپنے تمام لاؤ لشکر کے ساتھ خانقاہ عالیہ پر چڑھ آیا۔ کشت و خون کا بازار گرم ہونے کو تھا کہ عین موقع پر قادر قیوم نے چنگیزی افواج کو بھیج دیا جنہوں نے شہزادے کو سنبھلنے کی فرصت تک نہ دی اور وہ لڑتا ہوا مارا گیا۔ اس واقعہ کے چار پانچ سالوں کے اندر ہی اندر بلبن اعظم، معز الدین کیقباد سب مر کھپ گئے اور سلطنت خاندان غلاماں کے پنچہ اقتدار سے نکل کر خلعیوں کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ اس اجال کی تفصیل دلچسپ بھی ہے اور عبرت انگیز بھی، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل اللہ سے الجھنے کا نتیجہ کیا نکلتا ہے! ہم



سیرت غوث العلمینؒ میں بیان کر چکے ہیں کہ اعزالدین بلبن کی معزولی کے بعد سلطان ناصر الدین محمود نے نواب شیر خاں کو ملتان کا صوبیدار مقرر کیا تھا یہ اس دور کا نامی گراسی جرنیل تھا اور شمال مغربی سرحد کے لئے فصیل کا کام دے رہا تھا۔ اس نے جاٹوں، گکھڑوں، بھٹیوں اور دیگر سرکش قوموں کو مار دھاڑ کر ایسا ڈرا دیا تھا کہ وہ لوگ چوہوں کی طرح بل ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ اس نے بھٹنیر\* اور بٹھنڈہ کے قلعوں کی از سر نو مرمت کرائی اور سرحدی دروں پر فوجی اڈے مقرر کئے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی حفاظتی تدابیر اختیار کر کے دہلی کو مغلوں کے حملوں سے بے خوف کر دیا تھا۔ چونکہ دارالسلطنت میں شمسی امراء کو بغاوت کے ادنیٰ سے گمان پر بھی قتل کر دیا جاتا تھا۔ اس لئے شیر خاں نے عمر بھر دہلی کا رخ\*\*\* نہ کیا۔ اس نے مستقل طور پر ملتان کو ہی اپنا وطن بنا لیا تھا۔ قلعہ کے غرب میں دور دور تک اسکے محلات\*\*\* کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ اس کے دورویہ سر سبز اور شاداب باغات تھے۔ جن میں کابل سے انگور اور کشمیر سے سیب اور ناشپاتی کے درخت سنگوا کر لگوائے گئے تھے۔ شہر کو بارونق بنانے میں شیر خاں نے اپنی تمام توجہ صرف کر رکھی تھی۔ اس سے پہلے

\* ایلیٹ کی تحقیق کے مطابق بھٹنیر ”بھیرا“ کا ہی قدیم نام ہے۔

\*\* تاریخ ہند از مولانا ذکا اللہ۔

\*\*\* سرور زمانہ سے وہ محلات اور باغات تو نہیں رہے۔ البتہ کوٹلہ تغلق خان

کے پہلو میں ایک محلہ ”ٹی شیر خاں“ کے نام سے اب تک مشہور چلا آتا ہے۔

ملتان زبان میں ”تودہ خاک“ کو ”ٹی“ کہتے ہیں۔ شیر خاں کے بعد

یہ بنگلے غیر آباد ہو کر تودہ خاک بن گئے تھے جس پر لوگوں نے اسے

”ٹی شیر خاں“ کے نام سے پکارنا شروع کر دیا۔ (مؤلف)



بارش کے دنوں میں برسات کا پانی جمع ہو کر لوگوں کے لئے وجہ مصیبت بن جاتا تھا۔ اور ویسے بھی گندے پانی کے نکاس کا کوئی تسلی بخش انتظام نہ تھا۔ شیر خاں نے چھوٹی چھوٹی نالیوں کا پانی نکالنے کے لئے شہر کے اطراف میں بڑی بڑی بدرروئیں \* تعمیر کرائیں۔ ۱۶۶۴ء میں اس کا چچا زاد بھائی غیاث الدین بلبن تخت نشین ہوا۔ اس کے دور میں شیر خاں کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی۔ اور یہ شاہی خاندان کا قابل قدر رکن بن گیا۔ اسے فقراء سے چنداں عقیدت نہ تھی اس لئے حضرت شیخ الاسلام فرید الدین گنج شکر قدس سرہ العزیز اس کے بارے میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔ شعر۔

افسوس کہ از حال منت نیست خبر  
آنگہ خبرت شود کہ افسوس خوری

### ملتان کا نیا گورنر

عشیر خاں کے مرنے \*\* پر سلطان

غیاث الدین بلبن نے اپنے ولیعهد سلطان

محمد کو قان الملک کا خطاب اور چتر شاہی عنایت کر کے ملتان

کا طوبیدار مقرر کیا۔ اور امیر خسرو 71 و خواجہ حسن 71 جیسے

اکابر امراء بھی ساتھ کر دیئے۔ اس سے پہلے یہ شہزادہ کوئل

(علی گڈھ) اور اس کے چند اقطاع کا حاکم رہ چکا تھا۔ وہاں

اس نے اچھا انتظام کیا تھا۔ نہایت حسین اور خوش اخلاق نوجوان

تھا اس نے آتے ہی اہل ملتان کا دل موہ لیا۔ اسکی مجلس ہمیشہ

\* دہلی دروازہ کے اندر اب بھی ایک بدررو شیر خاں کے نام سے موسوم ہے۔  
\*\* بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے بغاوت کے خدشہ کے پیش نظر اسے زہر دلا کر مروا ڈالا تھا۔ (تاریخ ہند از مولانا ذکا اللہ)



علمائے کرام، مشائخ عظام اور شعرائے باکمال سے آراستہ رہتی تھی۔ اور یہ بھی انہیں انعام و اکرام سے خوش رکھتا تھا۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ ابھی زندہ تھے شہزادہ نے زاد راہ بھیج کر انہیں ملتان تشریف لانے کی درخواست کی مگر وہ پیرانہ سالی کے سبب تشریف نہ لا سکے۔ جواب میں گلستان اور بوستان کا ایک ایک نسخہ ارسال کیا۔ اور امیر خسروؒ کی سفارش فرمائی۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ :-

”یہ شہزادہ اس قدر مہذب اور شائستہ تھا۔ کہ اگر کسی مجلس میں تمام دن رات بیٹھنا پڑتا تو بھی اپنا زانو اونچا نہ کرتا۔“

ایک اور مقام پر رقمطراز ہے کہ :-

”زمانہ اس کے جود و کرم کی وجہ سے بہار اور چمن بنا ہوا تھا۔ اور اس کا (یعنی زمانہ کا) جیب و دامن نسرین و نستربین سے پر تھا۔“

حضرت امیر خسروؒ کا بیان ہے کہ :-

”میں نے سخن فہمی، باریک بینی، ذوق صحیح اور متقدمین کے اشعار کی یاد داشت میں اس کے برابر بہت ہی کم لوگ دیکھے ہیں اسی قابلیت کے طفیل اس نے بیس ہزار منتخب اشعار کی بیاض مرتب کی تھی۔ اس زمانے میں یہ اتنی نادر اور پیش بہا خیال کی جاتی تھی کہ شعرائے عصر اس کو نقل کرنے کی آرزو رکھتے تھے \*“

\* شہزادے کی وفات کے بعد سلطان غیاث الدین بلبن نے یہ بیاض امیر علی جامدار کو مرحمت فرمائی تھی۔ اس کے بعد امیر خسرو (رح) کو ملی۔۔۔ شمار شعرا نے اس سے استفادہ کیا۔ (فرشتہ)۔



## قال و حال کی مجلسیں ✓

حضرت شیخ الاسلام عارف باللهؒ سے  
شہزادہ کے تعلقات ابتداء میں خاصہ

تسلی بخش تھے۔ وہ اکثر و بیشتر حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا۔  
اور حضرت بھی اس کی خاطر گاہے گاہے مجلس خاص میں تشریف لے  
جاتے تھے۔ حضرت شیخ عثمان المرندی المعروف بہ لال شہباز سہوان  
سے اپنے مرشد طریقت کے آستان پر حاضری دینے آتے تو وہ بھی  
شہزادہ کی دلجوئی کے پیش نظر اس کی علمی صحبتوں میں شریک  
ہوتے۔

ایک روز آسمان سہرورد کے یہ دونو شمس و قمر یعنی  
شیخ العارفؒ اور لال شہباز قلندرؒ شہزادے کے ہاں تشریف فرما  
تھے۔ ان کی معیت میں اور بھی بہت سے درویش چلے آئے تھے۔  
خوش گلو غزل خوان عربی اشعار پڑھ رہا تھا۔ ایک شعر پر دفعۃً  
ان بزرگوں اور دوسرے درویشوں پر وجد طاری ہو گیا۔ اور وہ  
رقص کرنے لگے۔ تمام مجلس ادب سے کھڑی ہو گئی۔ شہزادہ بھی  
ان کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا اور زار قطار روتا رہا \*۔

افسوس کہ یہ خوشگوار فضا دیر  
تک قائم نہ رہ سکی۔ اور چند ایسے

## فقرو شاہی کا تصادم

اسباب پیدا ہو گئے کہ شیخ العارفؒ اور شہزادے کے درمیان  
کشیدگی پیدا ہو گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ شیخ الاسلام نے سلطان  
رکن الدین کی صاحبزادی سے شادی کر لی تھی یہ امر سلطان محمد  
کو شاق گذرا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک دفعہ شہزادے نے

\* سیر العارفین از مولانا جالی۔ تاریخ معصومی۔ فرشتہ۔



خواجہ حسن سنجرىؒ (کاتب و مرید محبوب الہی نظام الدین اولیاءؒ) کو تازیانے سے پٹوایا تھا۔ \* حضرت عارف باللہ کو علم ہوا۔ تو وہ سخت برہم ہوئے۔ اور منافرت کی یہ خلیج روز بروز وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ خانقاہ غوثیہ پر ہر وقت ڈیڑھ دو ہزار آدمی مقیم رہتے تھے۔ اور وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ شہزادے کو ان سے بغاوت کا خدشہ لاحق ہوا۔ حاسدین نے واہمہ کو یقین سے بدل دیا۔ اور جب شیخ الاسلام کو شہزادے کے ان خیالات کا پتہ چلا تو انہوں نے اس کے دربار میں آنا چھوڑ دیا۔ یہ شکر رنجی روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ شہزادہ ان کی جان کا دشمن ہو گیا۔ اور ایک دن اپنی منتخب فوج کے ساتھ خانقاہ غوثیہؒ پر چڑھ آیا۔ دیدبان سے نقارہ بجنے کی آواز آ رہی تھی۔ ہر محلے اور ہر چوک سے سپاہی تلواریں سنبھالے شاہی کیمپ کی طرف لپکے چلے آتے تھے۔ مولانا جالیؒ لکھتے ہیں کہ شہزادہ اس قدر پھرا ہوا تھا کہ اس نے صبح سے نوالہ تک منہ میں \*\* نہیں ڈالا تھا۔ مشکی گھوڑے پر سوار تھا۔ اور امراٹے لشکر سے کہہ رہا تھا کہ اگر صبح سویرے دس ہزار نیزہ باز تیر انداز مہیا نہ ہوئے تو تم سب کو قتل کرا دونگا۔ بارگاہ غوثیہؒ کے فقراء اپنے اپنے حجروں میں دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑے اللہ اللہ کر رہے تھے۔ جونہی جنگی نقارے کی آواز کان میں پڑی۔ صورت حال معلوم کرنے کے لئے باہر نکل آئے۔ اور جب یہ سنا کہ شہزادہ شیخ الاسلام سے ٹکر

\* سلطان خواجہ حسن (رح) را طلب کرد و از روئے غضب چند تازیانہ زد الی آخرہ  
(مجالس العشاق)

\*\* اسلحہ داران خود را پیش خواند و اشارت نمود کہ تعداد دہ ہزار سوار نیزہ باز تیر انداز اگر وقت صباح مستعد و مکمل در دیوان حاضر نشوند از سر خود گزشتہ باشند و این سخن در وقت نماز ظہر گفتہ بود و از غایت قہر و غضب طعاعے و شرابے ہم نخورد (س ع)



لینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو وہ بے تاب ہو گئے۔ اور ہر درویش  
 پر طریقت پر جان بچھاور کرنے کو تیار ہو گیا۔ پل کی پل میں  
 یہ وحشت اثر خبر ہر طرف پھیل گئی۔ تمام شہر گھبرا اٹھا۔ لوگ  
 مسجدوں میں حضرت کی عافیت کے لئے دعائیں مانگنے لگے اور کئی  
 من چلے تلواریں سونت خانقاہ عالیہ پر پہنچ گئے۔ قلعہ اور شہر میں تو گویا  
 ایک آگ سی لگ رہی تھی۔ لیکن جس ذات مقدس کے خلاف  
 ہزاروں تلواریں ”بزن“ کا حکم سننے کے لئے نیام میں مچل رہی  
 تھیں۔ وہ یہ سب کچھ سننے اور جاننے کے باوجود اس طرح مصروف  
 عبادت تھے گویا کوئی خلاف معمول بات وقوع میں ہی نہیں آئی۔  
 وہ اوراد و اذکار سے فارغ ہو کر اپنے حجرے سے برآمد ہوئے تو ان  
 کے چہرے سے وہی سکون و اطمینان برص رہا تھا۔ خدام درگاہ شیخ  
 طریقت کے حوصلے کو دیکھ کر حیران تھے اور سوچ رہے تھے کہ  
 کیا حضرت کو دشمن کی تازہ کاروائی کا علم نہیں ہے۔ کہ ان  
 کی جبین پاک پر تردد اور فکری شکن تک نظر نہیں آتی۔ محمود خاں  
 سندھی نے قدم بوس ہو کر عرض کی ”پیر و مرشد! شہزادے کا لشکر  
 بڑھا چلا آتا ہے۔ اجازت ہو تو سب سے پہلے سندھی مجاہدین کو  
 سرخرو ہونے کا موقع دیا جائے!“ حضور نے مسکرا کر فرمایا۔  
 کیا تم اپنے بادشاہ سے لڑو گے؟ سندھی زائرین سمٹ کر صحن میں  
 جمع ہو گئے تھے۔ انہوں نے بیک زبان چلا کر کہا ہم اپنے پیر  
 کے دشمن کی جان نکال لینگے خواہ وہ ملک کا بادشاہ کیوں نہ ہو۔  
 ہمارا بادشاہ ہمارا پیر ہے۔ اس کے سوا ہم کسی کو کچھ نہیں  
 جانتے۔!“



اتنے میں سرائے غوثیہ سے ”مدد بہاء الحق“ کے نعرے سنائی دئیے۔ معلوم ہوا کہ شہر کے لوگ حضرت کی آبرو پر نثار ہونے کو اڑے چلے آتے ہیں۔ حضرت شیخ العارفؒ سندھیوں کے سروں پر شفقت کا ہاتھ پھیرتے آگے کو بڑھے۔ قطب الاقطاب شیخ رکن عالمؒ دائیں طرف اور شیخ اسمعیلؒ بائیں جانب حضرت کے ساتھ تھے۔ شہر کے ہزاروں آدمی جن میں بچے، جوان اور بوڑھے سب شامل تھے۔ خواجہ احمد معشوقؒ کی قیادت میں آگے بڑھ کر قدم بوس ہوئے۔ ایک جرأت مند نے نعرہ لگایا :-

”غوث کے دشمن کا منہ کالا۔!“

ہجوم نے بیک زبان کہا ”دنیا خراب! عاقبت برباد۔!“

احمد معشوقؒ بولے۔ ”جب کبھی بادشاہوں نے فقراء کی شان میں گستاخی کی ہے اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلا!“

شیخ العارف نے ہجوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

والله يعصمك من الناس

”غوث العلمینؒ کے روحانی فرزندو! تمہارے جذبہٴ اخلاص کی میں قدر کرتا ہوں۔ لیکن ذرا سوچو! یہ چیونٹی اور ہاتھی کا مقابلہ ہے۔ وہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ اور مسلح ہیں۔ تمہارا ہجوم محض جذباتی ہے اور پھر اس میں نصف سے زیادہ بچے اور بوڑھے ہیں۔ ایسی حالت میں ہمارے لئے ضروری ہے کہ خدا کی طرف رجوع کریں۔ اور جو غیب سے اشارہ ہو اس کی تعمیل کریں۔“

عوام نے کہا یہ صحیح طریق کار ہے۔ ضرور استخارہ فرمائیے۔ حضرت شیخ العارفؒ، قطب الاقطاب، خواجہ احمد معشوقؒ اور



سلطان التارکین کو ہمراہ لے کر روضہ مبارک میں داخل ہو۔ اور غوث العالمینؒ کے مزار نوریار پر فاتحہ پڑھنے کے بعد مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد کھڑے ہو کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ اور باہر نکل آئے۔ ہجوم نے ایک دفعہ پھر مدد بہاء الحق کا نعرہ لگایا۔ آپ نے فرمایا۔ ”دوستو! میں نے ابھی ابھی غوث العالمینؒ کی روح پر فتوح سے ملاقات کی ہے۔ حضرت نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی ہے۔ ”والله يعصمك من الناس“ یعنی اللہ تجھے لوگوں کے شر سے بچالے گا۔ اس لئے میں بالکل مطمئن ہوں۔ آپ لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ انشاء اللہ مقابلے کی ضرورت نہ پڑے گی۔“

لوگ پر آسید ہو کر اپنی اپنی منزلوں کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں شہزادہ کا لشکر پڑا تھا۔ حد نگاہ تک سوار ہی سوار دکھائی دیتے تھے۔ وہ یہ دیکھ کر دل ہی دل میں سوچتے تھے۔ کہ خدا تو ہر امر پر غالب ہے۔ مگر بظاہر تو بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اتنا بڑا لشکر اور پھر شہزادہ حضرت کو شہید کرنے کی قسم کھا چکا ہے۔ آخر کیا بنے گا۔! اس اثنا میں شیخ العارفؒ بھی شہزادہ کے لشکر کو دیکھنے کے لئے قلعہ کی فصیل پر پہنچ چکے تھے۔ نیچے جھانک کر دیکھا تو ہر طرف لشکر کو حکم کا منتظر پایا۔ حضرت نے ٹکٹکی لگا کر دیکھتے ہوئے فرمایا شہزادہ شہدیز پر سوار ہے۔ امیر خسرو اور قاضی اثیرالدین بھی ساتھ ہیں۔ اللہ اللہ!! ایک درویش کو قتل کرنے کے لئے اتنا اہتمام! پھر یہ اشعار پڑھے۔

نحن الجبال الراسخان لا تزجها الرياح العاصفات

تزجى اى تحرك الاجزاء الامراك



یعنی ”ہم بڑے جمے ہوئے پہاڑ ہیں۔ ہمیں سخت چلنے والی ہوائیں بھی نہیں ہلا سکتیں۔ تحمل اور برداشت ہمارا ہمیشہ کا معمول ہے“ مولانا علاؤالدینؒ نے عرض کی حضور! اگر ہم اپنی جمیعت کے ساتھ مقابلے کو نکلیں تو فوج ضرور ہمارا ادب کرے گی۔

شیخ العارفؒ نے قطب الاقطاب کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے فرمایا۔ ”بنتے ہو رکن الدین! مولانا کیا کہتے ہیں۔ کیا حسینؑ مظلوم کا اثر ہم سے کم تھا؟ عزیز من! عوام کا کوئی اعتبار نہیں، سیاست سب کچھ کرا لیتی ہے، انسان کو ہر حالت میں اپنے خدا پر بھروسہ کرنا چاہئے۔“

ابھی شیخ العارفؒ فصیل سے اتر ہی رہے تھے۔ کہ لشکر میں عجیب

### سلطان محمد کا قتل

گل کھلا۔ ایک سوار ہانپتا کانپتا سلطان محمد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور بولا\* ”شہزادہ عالم! تیمور خان کی بیس ہزار فوج چناب کو

\* مولانا جامالی (رح) کے الفاظ یہ ہیں:۔

بفرمان اللہ تعالیٰ بین العصر و المغرب خبر رسید کہ سوازیہ بیست ہزار سوار خونریز جگر خوار از ملک بالا بنواہی ملتان در آید۔

لیکن بدایونی کا دعویٰ ہے کہ مغلوں نے یہ حملہ لاہور پر کیا تھا۔ حاکم لاہور نے شہزادے کو اطلاع کی جس پر یہ دس ہزار سواروں کے ساتھ لاہور پہنچا اور مغلوں سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔

منتخب التواریخ کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

”حاکم لاہور عریضہ مشتمل بریں مضمون بخان شہید فرستاد“

پھر آگے چل کر لکھتا ہے۔

او در مجلس خویش سی ہزار را سہ ہزار خواندہ با استعداد تمام بکوچہائے متواتر در حدود باغ سریر (سرد) بر کرانہ آب لاہور آمدہ با کفار جنگ کردہ بدرجۃ شہادت رسید، لیکن ہم جامالی (رح)

[بقیہ بر صفحہ ۲۳۰]



عبور کر کے المنصورہ\* کی طرف بڑھی چلی آتی ہے۔ اگر اس سیلاب کو آگے بڑھ کر نہ روکا گیا۔ تو ملتان کی اینٹ سے اینٹ بیچ جائے گی۔

امیر خسروؒ نے عرض کی ”شہزادہ صاحب! شیخ الاسلام سے تو بعد میں نیٹ لینگے پہلے اس خونخوار دشمن کو دفع کرنا ضروری ہے۔“

”ہاں! آپ درست کہتے ہیں، مغلوں کا دفع کرنا کونسی بڑی بات ہے!“ شہزادہ نے پر امید لہجہ میں جواب دیا۔ بقول مولانا جمالیؒ شہزادہ نے اعلان کیا۔ کہ شہر کے تمام جنگ آزما جوان مسلح ہو کر اس جہاد میں شریک ہوں تا کہ پہلے اس وحشی لشکر کا خاتمہ کیا جا سکے۔ اس خبر سے اگرچہ اہل بلدیہ کو اپنی جان و مال کا خطرہ بھی لاحق ہو چلا تھا۔ لیکن کم از کم انہیں یہ یقین ضرور ہو گیا۔ کہ خداوند عالم نے اپنے نیک بندے

[بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۹]

کے بیان کو ترجیح دینگے۔ کیونکہ یہ مؤرخ بدایونی سے زیادہ ثقہ اور قریب العہد ہے۔ لکھتا ہے کہ لشکر چاشت کے وقت حرکت میں آیا اور دوپہر کو دشمن کے لشکر پر جا پڑا۔ تین گھنٹوں میں لشکر شاہی چناب کے ساحل پر تو پہنچ سکتا ہے۔ لیکن لاہور نہیں۔ جمالی (رح) کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔“  
در وقت چاشت لشکر کشید و قریب نیم روز بلشکر مخالف رسید“

\* محمد بن قاسم نے ملتان کے قریب المنصورہ کے نام سے ایک چھاؤنی کی بنیاد رکھی تھی۔ عرصہ دراز تک یہ مقام عربوں کی سول لائنز کا کام دیتا رہا۔ اب کھجوروں کے چند جھنڈ رہ گئے ہیں۔ جو ان سرباز مجاہدوں کا پتہ دیتے ہیں۔ یا ان کی اولاد ہے۔ جو ”منصورے“ کی جگہ ”سورے“ کہلاتی ہے۔ موضع کا نام بگڑ کر علمدی سورہ رہ گیا ہے۔ اور گاؤں سورہ میانی سے موسوم ہے۔



کو ظالم کے شر سے بچانے کے لئے یہ بلا بھیج دی ہے۔ اہل خانقاہ نے اس خبر کو سن کر اطمینان کا سانس لیا۔ کہ ”اگر خدا نے اس آفت سے بچا لیا ہے۔ تو چنگیزی تاخت سے بھی ضرور محفوظ رکھے گا“۔ شیخ الاسلام عشا کے وقت مسجد میں تشریف لا کر شامل نماز ہوئے۔ اور فرمایا :-

”لوگو! رب کریم سے دعا مانگو کہ وہ غوث کی نگری کو ان دونو فتنوں سے اپنی حفاظت میں رکھے۔“

مولانا علاؤالدین نے بلند آواز سے کہا آمین۔ اور ساتھ ہی تمام حاضرین نے اس زور سے آمین کو دوہرایا کہ مسجد کے درودیوار گونج اٹھے۔ مولانا جالیؒ لکھتے ہیں۔ کہ پھر دن کو لشکر شاہی نے حرکت کی۔ شہزادہ نے شہریز کو المنصورہ کی سڑک پر ڈال دیا۔ فوجیں عقب میں روانہ ہوئیں۔ دریا کے کنارے پر دونو لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ تلواریں چمکنے اور ڈھالیں رقص کرنے لگیں راجگھاٹ کی فضا میں منجنیقوں کی دنادن اور تلواروں کی کچا کچ سے ایک سہیب ارتعاش پیدا ہو گیا۔ ہر طرف کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ مغلوں کو شکست ہوئی اور تیمور خاں بھاگ گیا۔

لشکر شاہی فتح کی خوشی میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ امیر خسروؒ اور چین قلیچ خاں نے افسران فوج کو نام لے لے کر پکارا مگر وہ بہت دور جا چکے تھے۔ اس لئے کسی نے جواب نہ دیا۔ شہزادہ نے امیر خسرو سے مخاطب ہو کر کہا :-



”اے شاعر شیریں مقال! دشمن پایمال ہو چکا ہے  
مگر میری تلوار کی پیاس ابھی تک نہیں بجھی اسے  
شیخ کے خون سے رنگین کرنے کے بعد رات کو  
چین سے سو سکونگا۔“

”ایسا نہ فرمائیے شہزادہ صاحب! میں تو یہی سمجھتا  
ہوں کہ یہ بلا محض اسی اقدام کا نتیجہ تھی جو ہم نے کل  
شیخ الاسلام سے روا رکھا تھا۔ اگر آپ اس کا پھر اعادہ کریں گے  
تو یقیناً ہم سب کسی اور مصیبت میں پھنس جائیں گے۔!“

”اونہہ۔! یہ محض واہمہ ہے جس کا حقائق سے کچھ تعلق  
نہیں۔ مغل ہمیشہ آیا ہی کرتے ہیں۔ یہ التمش کے زمانے میں  
بھی آئے اور ناصرالدین محمود کے دور میں بھی۔ تو کیا انہوں نے  
بھی کسی درویش کی اہانت کی تھی۔؟“

دفعۃً شہزادے نے چونک کر کہا افسوس! میں نے ابھی تک  
ظہر کی نماز نہیں پڑھی۔ پھر فوج سے مخاطب ہو کر بولا درجن لوگوں  
نے ظہر کی نماز نہ پڑھی ہو پڑھ لیں، شہزادہ اور اس کے ساتھی  
وضو کر کے نماز پڑھنے لگے۔ اچانک عقب سے آواز آئی۔ ”چلو۔ چلو!  
حملہ کرو۔ دیکھو جانے نہ پائیں!!“

شہزادہ نماز ختم کر کے پھرتی سے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔  
لشکر کا بیشتر حصہ بھی اس دوران میں نماز سے فارغ ہو چکا تھا۔  
شہزادے نے گھوڑے کی باگ اٹھائی۔ اور چنگیزیوں میں گھس گیا۔  
اگرچہ اس کے رفیقوں کی تعداد پانچ سو سے کم اور دشمن کا لشکر  
دو ہزار سے زیادہ تھا۔ پھر بھی اس نے حوصلہ نہ ہارا اور اس



شدت سے حملہ کیا کہ چنگیزیوں کے دانت کھٹے کر دئیے۔ اس کے بڑے بڑے امراء کٹ کٹ کر ختم ہو رہے تھے اور وہ ہر وار پر لاکار کر کہتا:۔

”مردان بکوشید، تا جامہ زناں نپوشید“

مجھے گھچے جان نثار سمٹ سمٹا کر شہزادے کے قریب آگئے۔ اور جم کر مغلوں سے لڑنے لگے۔ شہزادہ دو دستی تلوار چلا رہا تھا اور یہ شعر اسکی زبان پر تھا۔

دست از طلب ندارم تا کام من بر آید

یا جان رسد بجاناں یا جان زتن بر آید

مغل گاجر مولیٰ کی طرح کٹ رہے تھے۔ ان میں ہراس پھیل چکا تھا۔ وہ بھاگنے کو تھے۔ کہ دفعتاً ایک تیر شہزادے کے جگر میں آ لگا۔ شہزادے نے ایک سرد آہ کھینچی اور کہا۔

من در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

کارے کہ خدا کند فلک را چہ مجال

وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کہ ایک اور تیر آیا اور سینے میں پیوست ہو گیا۔ شہزادہ گھوڑے سے گر پڑا۔ امیر خسروؒ پاس ہی مغلوں سے لڑ رہے تھے انہوں نے رفیقوں کو پکار کر کہا ”تم دشمنوں سے لڑتے رہو۔ میں شہزادہ کو سنبھالتا ہوں“۔ امیر خسروؒ نے لپک کر سلطان محمد کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ شہزادے کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ سکرات کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں۔ امیر خسروؒ زیر لب ”دعا ئے عدیلہ“ پڑھ رہے تھے۔ کہ شہزادے نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں کلمہ ادا کیا۔



اور ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا\*۔ مغل تاخت کرتے ہوئے آئے انہوں نے شہزادے کا قیمتی لباس اتار لیا۔ اور امیر خسروؒ کو ان کے چند رفیقوں سمیت گرفتار\*\* کر کے لے گئے۔

مرگِ عدوِ جائے شادمانی  
نیست

حضرت شیخ العارفؒ حرم سرا میں  
مصلیٰ پر بیٹھے قرآن مجید کی تلاوت

کر رہے تھے۔ کہ خادمہ نے آ کر عرض کی

”حضور! اطلاع ملی ہے۔ کہ شہزادہ نے مغلوں کو

شکست دے دی ہے۔ اور اب وہ ہماری جانب

بڑھا چلا آتا ہے۔“

حضرت نے تلاوت ختم کی اور مصحفِ مجید کو بند کرتے ہوئے  
فرمایا

گر بہ شیر است در گرفتن موش

لیک موش است در مصاف پلنگ

بارگاہِ غوثیہ کے عقیدتمندوں کو تسلی دو۔ ہمارے لئے کوئی

\* تاریخ وفات ع

”چون محمد رفت شہ را عاقبت محمود باد“ روز آدینہ سلخ ماہ ذی الحج ۶۸۳ھ

منتخب التواریخ از بدایونی (کالج پریس کلکتہ)

\*\* حضرت امیر خسرو (رح) اپنی گرفتاری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

من کہ بر سر تنہادہ بودم گل

تو برہ بر سرم نہاد و گفتا جل

جل بمعنی چل خالص ملتانی لفظ ہے۔ مغل حضرت امیر خسرو (رح) کو گرفتار کر

کے ہرات اور بلخ لے گئے۔ دو برس کے بعد اس بلا سے نجات ملی افتان و خیزاں اپنے

وطن پٹیالی آئے۔ آپ کی والدہ اس وقت تک زندہ تھیں۔ آپ کو دیکھ کر اس قدر

خوش ہوئیں کہ ان کی چھاتیوں سے دودھ کی دھاریں جاری ہو گئیں۔

(حیات خسرو (رح))



خطرہ نہیں بچارہ سلطان محمد شہید ہو گیا۔  
 روزِ چوں باقی نبود آں آفتابِ ملک را  
 روزِ چیزے بود کاں چوں آفتابِ آفتادہ شد  
 مولانا جالی لکھتے ہیں کہ یہ خبر مغرب کے قریب ملتان پہنچی۔  
 اہل بلدیہ پر مغلوں کی لوٹ مار کا خوف طاری ہو گیا۔ مگر خدا  
 نے فضل کیا۔ مغل سردار اسی فتح کو غنیمت سمجھ کر واپس  
 لوٹ گیا۔ اور اہل شہر کو کچھ آسیب نہ پہنچا۔  
 فرشتہ نے یہ واقعہ اپنی تاریخ میں تفصیل سے درج کیا ہے۔  
 آخر میں سلطان محمد کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے  
 اے رو بہک چرانہ نشینی بجائے خویش  
 با شیر پنجه کردی و دیدی سزائے خویش  
 نیز لکھتا ہے

گنج قاروں کہ فرو سے رود از قعر ہنوز  
 خواندہ باشی کہ ہم از غیرت درویشانست  
 ”تذکرہ ملتان“ کا فاضل مؤلف فقرو شاہی کے محولہ بالاتصادم کو اپنے  
 الفاظ میں اس طرح دوہراتا ہے:-

”شہزادہ محمد سلطان اگرچہ باکثر محامد متصف بود  
 اما بشیخ الاسلام صدرالدین عارف بن قدوة الواصلین  
 حضرت شیخ المشائخ بہاءالدین زکریا قریشیؒ  
 عداوت ورزید و خواست کہ مجوز تکالیف و اذیت بہ  
 نسبت شیخ العارف گردد از انجا کہ مقرر است  
 مصرع:-



باوّل شدگان ہر کہ در افتاد بر افتاد  
 فوراً نتیجہ نیت بد از شجرہ ناکسی چید۔ چنانچہ در  
 آویختن سنہ ثلث و ثمانین و ستائتہ ناگہانی لشکر  
 چنگیز خانی قریب ملتان رسیدہ تاجت و تاز نمود۔  
 شہزادہ دفع شورش لشکر مغول را مقدم الامور  
 انگاشتہ بافوج گراں از شہر برآمد بتقدیر ایزدی باندک  
 جنگ مقتول گردید و شیخ صدرالدینؒ از آسیب شہزادہ  
 محفوظ ماند بفحوائے سے

چراغِ مقلان ہرگز نمیرد

ہر آنکس پف ز نہ زیشش بسوزد

جب یہ خبر دہلی پہنچی - تو بادشاہ کو سخت صدمہ \* ہوا۔  
 اگرچہ ظاہر میں وہ استقلال طبع دکھاتا تھا - لیکن دل کا خدا  
 حافظ تھا - رات کو زار زار رونا تھا - سلطان محمد کی تمام جاگیر  
 اور ملتان کی صوبیداری اس کے بیٹے کیخسرو کو مرحمت کی - اور  
 چید امراء کے ہمراہ اسے ملتان روانہ کیا - سلطان بیٹے کے غم میں  
 بتاشے کی طرح گھلا جا رہا تھا - عمر بھی اسی برس سے تجاوز کر  
 چکی تھی - ان اسباب نے اسے زندہ درگور کر دیا تھا - لیکن بایں ہمہ

\* فرشتہ کا بیان ہے کہ سب سے پہلے یہ خبر ملا باقر نے دربار تک پہنچائی  
 تھی - لکھتا ہے کہ ملا باقر روتے دھوتے آگے بڑھے اور سلطان شہید کی شجاعت  
 بصالت اور شہادت کے واقعات کو منظوم کر کے کچھ ایسے پیرائے میں پڑھا کہ  
 حاضرین دربار روتے روتے بیہوش ہو گئے - سلطان میں خواہ کتنا استقلال کیوں  
 نہ ہوتا - آخر باپ تھا رہ نہ سکا، چشم پر آب ہو گئیں دربار برخاست کر کے مجلس رات  
 میں داخل ہو گیا۔ وہاں پہلے سے قیامت برپا تھی صغیر و کبیر سب کے سب دھاڑیں  
 مار مار کر رو رہے تھے - (الی آخرہ)



دل کی کیفیت کو چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا۔ بڑے استقلال سے دربار لگاتا اور امور سلطنت انجام دیتا۔ اسی عالم میں مغلوں کی قید سے امیر خسروؒ رہا ہو کر دہلی پہنچے اور ماتمی لباس میں تعزیت کو حاضر ہوئے۔ سید رکن الدین نظامی لکھتے ہیں۔ کہ :-

”امیر خسروؒ نے اپنے دو پر درد مرثیے جو انہوں نے

سلطان محمد کی شہادت سے متعلق لکھے تھے۔ بڑی

رقت اور درد سے پڑھے۔ امیر خسروؒ بھی روتے

جاتے تھے اور تمام حاضرین دربار بھی بے قرار ہو کر

رو رہے تھے۔ سلطان بڑے حوصلہ سے ان مرثیوں

کو سنتا رہا جب امیر خسروؒ پڑھ کر فارغ ہوئے۔

تو سلطان دربار برخاست کر کے مجلسرا میں داخل

ہو گیا۔ اور وہاں بند کمرے میں اس قدر رویا کہ

اسے سخت بخار ہو گیا۔ اور اسی دلی ضدمہ اور

بخار میں تیسرے ہی دن اس کا انتقال ہو گیا۔“

حضرت امیر خسروؒ کے ہر دو مرثیے مدتوں تک لوگوں میں

متداول رہے۔ اور دہلی والے انہیں بار بار پڑھتے اور اپنے اعزاء و

اقربا کی یاد میں جو شہزادے کے ہمراہ داد شجاعت دیتے ہوئے

شہید ہوئے تھے۔ روتے تھے۔ یہ مرثیے حضرت امیر خسروؒ کے

مشہور دیوان ”عزۃ الکمال“ میں مکمل درج ہیں۔ چند اشعار

ملاحظہ ہوں :-

واقعہ ہست این یا بلا از آسماں آمد پدید

آفت است این یا قیامت درجہاں آمد پدید



راہ در بنیاد عالم داد سین فتنہ را

رخنہ کا مسال در ہندوستان آمد پدید

مجلس یاران پریشان شد چو برگ گل ز باد

برگ ریزی گوئی اندر گلستان آمد پدید

بسکہ آب چشم خلقے شد رواں در چارسوے

پنج آب دیگر از مولتاں آمد پدید

خواستم ما ز آتش دل بر زباں آرم سخن

صد زبان آتشیم در دھاں آمد پدید

حضرت امیر حسن دہلوی نے بھی ایک مرثیہ لکھ کر دہلی

بھیجا تھا۔ جو بدایونی کی تاریخ منتخب التواریخ میں درج

ہے۔

سلطان کے انتقال پر اس کی وصیت کے علی الرغم وزیراعظم

نے کیخسروؒ کی بجائے بغرا خاں کے نوجوان لڑکے کیقباد کو تخت نشین

کر دیا۔ یہ شہزادہ بے حد خوبصورت اور خوش اخلاق تھا۔

سترہ اٹھارہ برس کی عمر تھی مکتب سے اٹھا کر تخت پر بٹھا دیا

گیا۔ ملکداری کا کوئی تجربہ نہیں رکھتا تھا۔ ملک نظام الدین نام

ایک بدسیرت امیر نے اسے شیشے میں اتار لیا۔ اور پھر جو چاہا

کرایا۔ وہ دربار۔! جس میں بلین اعظم نے برسوں کی تلاش کے بعد

بڑے بڑے علماء اور مدبر و منتظم جمع کر لئے تھے۔ اب وہاں

ڈوم ڈھاری، گوئے، مسخرے اور بھانڈ نظر آنے لگے۔ اسیروں نے بھی

بادشاہ کی دیکھا دیکھی یہی صورت اختیار کی۔ ہر کوچہ پریوں کا

اکھاڑہ بن گیا۔ اور ہر مکان میں ساغز و مینا اور مے کا دور چلنے



لگا۔ خانقاہیں ویران، مسجدیں خالی مگر شراب خانے معمور دکھائی  
 دینے لگے۔ نظام الملک کے سر میں یہ خبط سایا کہ کیقباد کے  
 کانٹے کو نکال کر خود دہلی کے تخت کا مالک بنے لیکن کیخسرو  
 ابھی زندہ موجود تھا۔ جو بڑے لڑکے کی اولاد ہونے کے سبب  
 تخت کا صحیح مستحق تھا۔ نیز بلین نے وصیت بھی اسی کے حق میں  
 کی تھی۔ اس لئے نظام الدین نے پہلے اس کو ٹھکانے لگانے کا فیصلہ  
 کر لیا۔ اس نے کیقباد کو سمجھایا۔ کہ کیخسرو آپ کا برابر کا  
 دعوی دار سلطنت ہے اور بادشاہی کی تمام صلاحیتیں رکھتا ہے نیز  
 تمام امراء دل سے اس کے طرفدار ہیں اس لئے اگر آپ اطمینان سے  
 حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ تو اس کانٹے کو درمیان سے نکالوا  
 دیجئے۔ کیقباد نشے میں بدست ہو رہا تھا۔ اس نے کچھ سمجھا  
 کچھ نہ سمجھا۔ نظام الدین کے جواب میں سر ہلا دیا بس پھر  
 کیا تھا۔ بدطینت نظام الدین نے کیخسرو کے نام دربار میں حاضر  
 ہونے کا فرمان بھجوا دیا۔ اور راستے میں عزرائیل مقرر کر دیئے۔  
 چنانچہ جب وہ قسمت کا مارا رھتک تک پہنچا۔ انہوں نے لپک کر  
 اس کی جان نکال لی۔ اس خبر سے تخت کے خیر خواہوں میں ایک  
 تہلکہ سا پرپا ہو گیا۔ لیکن نظام الدین نے کسی کو ابھرنے کا موقعہ  
 نہ دیا۔ ایک ایک کو چن چن کر مروا ڈالا۔ بنگال میں بغراخان  
 نے جب یہ ماجرا سنا۔ تو وہ بیٹھے کو سمجھانے کے لئے روانہ ہوا۔

کیقباد کا ارادہ تھا۔ کہ وہ اکیلا  
 باپ کی ملاقات کو جائے۔ لیکن

قران السعدین

نظام الدین نے یہاں بھی شیطانی جال بچھا دیا۔ کہا ”بادشاہی میں



باپ بیٹے کا رشتہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ تاج و تخت کے لالچ پر باپ بیٹوں میں جنگیں ہوتی چلی آئی ہیں۔ آپ کا باپ اصلی وارث سلطنت ہے، صاحب خطبہ و سکے ہے۔ اس لئے مصلحت اسی میں ہے کہ آپ لشکر سمیت باپ کا استقبال کریں۔ خدا معلوم ملاقات میں کیا صورت پیش آئے،، الغرض ایسی ایسی پٹیاں پڑھائیں کہ ناتجربہ کار بیٹا گمراہ ہو گیا۔ اور ایک بڑا لشکر جلو میں لے کر روانہ ہوا۔ ادھر باپ کو پتہ چلا کہ بیٹا اس شان سے آ رہا ہے تو اس نے بھی لکھنوتی سے پورا لشکر منگوا لیا۔ گھاگرہ کے ایک طرف باپ کا لشکر اور دوسری طرف بیٹے کا لشکر آمنے سامنے ایسے پڑے تھے کہ ایک دوسرے کے خیمے نظر آتے تھے۔ دو تین روز تک پرانے نمک حلال ادھر ادھر دوڑتے پھرتے اور باپ بیٹوں کے درمیان کاغذی گھوڑے دوڑاتے رہے۔ انجام کار باپ کا دل رہ نہ سکا۔ اس نے محبت پذیری سے بے قرار ہو کر لکھا:

”بیٹا میں فقط تمہارے دیدار کا شائق ہوں سلطنت اور تاجداری کا دعوے دار نہیں ہوں۔ خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو۔ اور ایک دفعہ اپنی صورت دکھا دو۔ یوسفؑ کی طرح یعقوبؑ کی آنکھیں روشن کرو۔ میں تمہارے عیش و طرب میں حائل انداز نہوں گا،“

باپ کا یہ خط پڑھ کر کینباد بھی چشم پر آب ہوا اور کھڑا ہو گیا۔ کہ اسی طرح جا کر باپ سے ملاقات کرے۔ لیکن شیطان کی خالہ نظام الدین پھر زخنہ انداز ہوا۔ کہ حضور آپ یہ کیا



کر رہے ہیں۔ بغرا خاں بہر حال لکھنوتی کا صوبیدار ہے آپ کا اس طرح سے چل کر جانا دلی کے تخت کی توہین ہے۔ اگر آپ ملاقات کا موقع دینا چاہتے ہیں۔ تو مراسم دربار کو پس پشت نہ ڈالیں۔ الغرض اس کم بخت نے ایسے ایسے ضابطے تجویز کئے۔ کہ اس میں نہ صرف بغرا خاں کی اہانت ہوتی تھی۔ بلکہ انہیں کھلی کر باتیں کرنے کا موقع بھی نہ ملتا تھا۔ تاہم بغرا خاں نے یہ سب کچھ قبول کر لیا اور کہا کہ :-

”مجھے بیٹے کے دربار میں اس طرح حاضر ہونے میں

بھی عذر نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اس وقت میرے

باپ کا جانشین ہے اور دہلی کے تخت پر بیٹھا ہے۔

مجھے باپ نے نصیحت کی تھی کہ دہلی کے بادشاہ

کی ہمیشہ تعظیم کرنا۔ اگر میں اپنے بیٹے کی خدمت

بچا نہ لاؤنگا تو دہلی کے تخت کی اہانت ہوگی!“

الغرض بغرا خاں بیٹے کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے روانہ

ہوا۔ جب ایوان شاہی میں داخل ہوا۔ تو چوہدار نے آواز دی

”بغرا خاں۔ نگاہ رو برو۔ جہاں پناہ سلامت!“

دوسرا چوہدار پکارا :-

”لکھنوتی کے گناہگار کو ایمان۔ ایمان!“

تین دفعہ بغرا خاں کو زمین بوس ہونا پڑا۔ ناخلف بیٹا یہ

سب کچھ دیکھتا تخت پر بت کی طرح خاموش بیٹھا رہا۔ اس

ناشائستہ حرکت کو دیکھ کر بغرا خاں کی بے اختیار چیخ نکل گئی

اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ باپ کا گریہ اثر کئے بغیر نہ



رہا۔ کيقباد کو نظام الدين کی تمام نصیحتیں بھول گئیں۔ اور وہ تخت سے اتر کر باپ کی طرف دوڑا۔ اور جاتے ہی سر قدموں میں رکھ دیا۔ باپ نے بیٹے کو اٹھا کر گلے سے لگایا۔ اور دونوں دیر تک بھرے دربار میں گلے مل کر روتے رہے۔ اس حال کو دیکھ کر نظام الدين کا تو سنہ زرد ہو گیا۔ لیکن ہزاروں اہل دربار جن کے دل برسوں سے بھرے ہوئے تھے زار زار رونے لگے۔ بعد ازاں کيقباد باپ کو لیے کر آگے بڑھا۔ اور اسے تخت پر بٹھا کر خود دست بستہ سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ باپ کو بیٹے کی یہ ادا پسند آئی سالہا سال کے شکوے بھول گئے۔ تخت سے اٹھا۔ بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے تخت پر بٹھا خود با ادب سامنے ہو بیٹھا۔ شعراء موقع کی تاک میں تھے تڑپ کر نکلے اور باری باری قصیدے پڑھنے لگے۔ گویوں اور ڈوم ڈھاریوں نے اپنے کہلات دکھائے۔ بے شمار روپیہ صدقہ و خیرات ہوا۔ اور خوشی کی وہ تمام رسمیں جو اس زمانہ میں مروج تھیں ادا ہوئیں۔ اس کے بعد بغرا خان اٹھ کر اپنے لشکر کو گیا۔ دونو لشکروں کو حکم ہو گیا۔ کہ آپس میں بے تکلف آئیں جائیں اور ایک دوسرے کی سہانداری کریں۔ کئی دنوں تک دونو لشکروں میں ہر روز روز عید اور ہر شب شب برات کی کیفیت قائم رہی۔ وداع کے وقت بغرا خان پھر کيقباد کے ہاں آیا۔ اور بولا ”برخوردار آخری ملاقات ہے۔ اگر مناسب سمجھو تو تنہائی میں دو باتیں سن لو،“۔ کيقباد فوراً کھڑا ہو گیا۔ مگر اس عالم میں بھی نظام الدين نے دامن نہ چھوڑا۔ قوام الدين کا ہاتھ پکڑ کر باپ بیٹوں کے درمیان آپڑا۔ بغرا خان نے کہا :-



”بیٹا! جب میں نے سنا کہ تو تخت دہلی پر بیٹھا ہے۔ تو میں بہت خوش ہوا۔ اور میں نے سمجھا کہ ملک دہلی مجھے ہی ملا ہے لیکن جب میں نے تیری غفلت اور بے خبری کا حال سنا۔ تو اپنی اور تیری زندگی سے مایوس ہو گیا۔ دو سال سے اپنی اور تیری تعزیت کر رہا ہوں۔ میرا بڑا بھائی جو جہانداری کے قابل تھا۔ باپ کی زندگی میں شہید ہو گیا۔ اس کا فرزند جو بادشاہت کے لائق اور تیرا دست راست بن سکتا تھا۔ بدخواہوں کے بہکانے سے تو نے اسے قتل کرا دیا۔ یہی لوگ ایک دن تجھے بھی قتل کر دینگے اور سلطنت ایسے بداصل کے ہاتھ آئیگی کہ وہ روئے زمین سے ہمارا نام و نشان تک مٹا دے گا۔“

اے فرزند! اگر تو اپنے اوپر رحم نہیں کرتا اپنی اولاد اور متعلقین پر تو رحم کر۔ اپنے آپ کو لہو و لعب میں مشغول نہ رکھ۔ ذرا اپنی حالت آئینہ میں دیکھ کہ تیرے چہرے کا رنگ جو گلاب کے پھول سے زیادہ خوش رنگ اور شگفتہ تھا اب سونے اور ہلدی کی طرح زرد ہو رہا ہے۔ عیاشی کی کثرت سے تو ضعیف اور لاغر ہو چکا ہے۔ اپنے آپ کو اس سے روک ورنہ بالکل ناکارہ ہو کر رہ جائے گا۔“



اس کے بعد نظام سلطنت سے متعلق چند نصیحتیں کیں۔ اور  
چپکے سے کان میں کہہ دیا کہ ”نظام الدین کو جلد ٹھکانے لگا ورنہ  
وہ ایسا ڈنگ مارے گا کہ تو پانی نہ مانگے گا“۔ پھر بیٹے کو  
گلے لگا کر رخصت کیا۔ اور کئی بار بچشم پر تم اس شعر کو  
ادا کیا۔

مگداز تا نگریم چون ابر نو بہاراں

کز سنگ گریہ آید روز وداع باراں

لشکر شاہی پہلے حرکت میں آیا۔ بغراخان ایک مرتفع مقام  
سے بیٹے کے چتر شاہی پر نظر جمائے بیٹھا تھا۔ جب قشون شاہی  
نظر سے اوجھل ہوا۔ تو یہ نتیجے اتر ا اور بیٹے و سلطنت دہلی کو  
تقدیر کے حوالے کرنے بنگالہ کو روانہ ہوا۔

کیمباد کو کچھ عرصہ شرم و خیا نے عیش و عشرت سے یاز رکھا۔  
لیکن اس کے عیش کی شہرت چاردانگ عالم میں پھیل چکی تھی۔ ہر طرف سے  
طائفے کے طائفے چلے آتے تھے۔ اور ناز نخرے کو کے اس پر ڈورے  
ڈالتے تھے۔ انجام کار ایک پریرو نے اسے دام تزویو میں پھنسا ہی  
لیا۔ پھر وہی گلشن تھے اور وہی جشن۔ اسی اثنا میں ایک دن اسے  
باپ کی نصیحت یاد آئی چنانچہ نظام الدین کو زہر دے کر جہنم  
پہنچا دیا اور اس کی جگہ ملک جلال الدین فیروز خلجی کو شائستہ  
خان کے خطاب سے وزارت عظمیٰ کا قلمدان عنایت کیا۔ اب بادشاہ  
اگرچہ اپنے آپ کو سنبھالنا چاہتا تھا۔ مگر وقت نکل چکا تھا۔  
بفحوائے سے  
اے حسن! توبہ آن زمان کردی۔ کہ ترا طاقت گناہ نماند



اس کے تمام اعضا مفلوج ہو چکے تھے۔ لقوہ سے حلیہ بگڑ گیا تھا۔ بدن میں حرکت کی طاقت نہیں رہی تھی۔ نیم جان لاشہ کی طرح بستر پر پڑا۔ زندگی کے دن پورے کر رہا تھا۔ اس عالم میں با اختیار امراء نے پر پزورے نکالنے شروع کئے۔ ہزبر میں سودائے سلطنت پیدا ہوا مگر ملک جلال الدین کے آگے ان کی ایک نہ چلی سب کو مار دھاڑ کر بھگا دیا۔ اکثر امراء اور ملوک نے ملک جلال الدین فیروز خلجی سے بیعت کی۔ سلطان معزالدین کي قباد نے اوائل سلطنت میں چند ترکوں کو بے گناہ قتل کرایا تھا۔ امراء کی خانہ جنگی میں ان کے لڑکوں کو انتقام لینے کا خیال آیا۔ وہ درانہ وار محل میں گھس گئے۔ بادشاہ کی حالت مردے سے بھی بدتر ہو چکی تھی۔ نیم جان لاشہ کی طرح توشک میں لیٹا پڑا تھا۔ کینہ توز ترکوں نے لاتیں مار مار کر بھر کس نکال دیا اور پھر نمڈے میں لپیٹ کر دریائے جمنا میں پھینک دیا۔ ایک شاعر\* کي قباد کے قتل کی کیفیت اس طرح بیان کرتا ہے۔

بناگہ در قصر شاہ آمدند - بخون پدر کینہ خواه آمدند  
 بیکن جاخانہ\*\* تن شاہ را - پیچید آن قوم وحشت گرا  
 بگردندش آنگہ لکد مال وزود - فلک طرفہ بازی بخسرو نمود  
 سلطان کی بیکسانہ شہادت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔  
 کہ سفلہ پرور زمانے نے یہ معمول بنا رکھا ہے۔ کہ شرفاء کو ذلیل کرتا اور اراذل کو سر چڑھاتا ہے۔

\* تاریخ فرشتہ

\*\* یعنی گیم



چنین بازی این گنبد نیلگون - نماید درین دیر شن در فزون  
 کشاند شہانرا بدست خساں - کسانرا کند عاجز و ناکساں  
 سر تاجداران بجاک افگند - تن سرکشاں در مفاک افگند  
 کہتا ہے کہ یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ اس بے وفا دنیا کی  
 طرف متوجہ نہیں ہوتے - تخت و تاج اور عظمت شاہی سے انہوں نے منہ  
 پھیر لیا ہے - نہ زمین والوں سے طمع رکھتے ہیں اور نہ گردش  
 افلاک سے خوف کھاتے ہیں

ازاں رو درین عالم بے وفا - نہ بستند دل اہل ملک و لا  
 سر از تاج شاہی و گردن کشی - کشیدند با صد رضا و خوشی

نہ آسید از عالم خاک شاں

نہ بیمے ز دوران افلاک شاں

المختصر ۵۶۸۳ میں سلطان محمد شہید ہوا - ۵۶۸۶ میں  
 سلطان غیاث الدین بلبن فوت ہوا - ۵۶۸۸ میں سلطان محمد کا اکلوتا  
 لڑکا کیخسرو اور اس کے خاندان کے دوسرے مقتدر اراکین ختم  
 ہوئے - اور ۵۶۸۹ میں معزالدين کيقباد اپنے خانہ زاد غلاموں کے  
 ہاتھوں قتل ہو گیا - اس طرح ایک شہزادے کی بے جا جسارت نے  
 نہ صرف اس کا بلکہ پورے خاندان کا خاتمہ کرا دیا -

نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ غَضَبِ اللَّهِ وَ غَضَبِ الْأَوْلِيَاءِ





# از حقی الی ربک

شیخ صدر دین عارف پادشاہ      بچوں ندائے از حقی از حق شنود  
رخت بست آن از فنا سوائے بقا      با پدر پیش حسد اگر وہ قعود

از برائے سال و سال آں ولی

گفت حافظ صد دین آں شنود



حضرت شیخ العارفؒ کی تاریخ وصال میں تذکرہ نویسوں کا اتفاق نہیں ہو سکا۔ مراۃ الاسرار اور سفینۃ الاولیاء میں ۶۸۴ھ درج ہے۔ اور فرشتہ ۶۷۶ھ لکھتا ہے۔ اول الذکر اس لئے قابل قبول نہیں۔ کہ ۶۸۳ھ میں سلطان محمد کا مشہور عالم سانحہ پیش آیا۔ اور عام مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے۔ کہ شیخ العارفؒ شہزادہ سے کافی عرصہ بعد تک مسند غوثیہ پر متمکن رہے تھے۔ مؤخر الذکر روایت اس لئے غلط ہے کہ قطب الاقطاب کی تاریخ وصال ۶۳۵ھ ہے۔ اور وہ سالہا سال تک اپنے والد ماجد کے بعد صاحب سجادہ رہے تھے۔ جامع السلاسل کے فاضل مؤلف\* نے ”صدرالدين عارف“ کے مادہ سے آپ کی تاریخ وصال نکالی ہے۔ جو ۶۰۹ھ ہوتی ہے۔ تذکرہ ملتان\*\* سے بھی اسی روایت کی توثیق ہوتی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ :-

”وفاتش بست و سیوم ماہ ذی الحج سال ہفصد و نہ

ہجری و قبرہ، مع قبر ایہ الی آخرہ“

حضرت غوث العلمینؒ کی اولاد کرام کے پاس جو تاریخی ریکارڈ چلا آتا ہے اس سے بھی مؤخر الذکر بیان کو تقویت پہنچتی ہے\*\*\* بزم صوفیہ کے نزدیک آپ نے ظہر و عصر کے درمیان

\* جامع السلاسل کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ شیخ عارف خطاب اوست، عالم بود با عمل و دانشورے کامل، وفات اوشاں در سال ہفت صد و نہ ہجری کہ با ”صدرالدين عارف“ در شہار برابر است نور اللہ مرقدہ

\*\* از شیخ محمد یوسف گردیزی بقلم عبدالجی عرضی نویس

\*\*\* خاندانی ریکارڈ کے الفاظ ملاحظہ ہوں وفات ایشاں روز سہ شنبہ بست و سیوم ماہ ذی الحج سال ہفصد و نہ ہجری الی آخرہ۔



انتقال فرمایا۔ عمر شریف کی بھی صحیح تعیین نہیں ہو سکی۔ اگر تاریخ وصال ۵۰۹ھ تسلیم کر لی جائے۔ تو شیخ العارفؒ کی عمر ۸۸ سال کہی جا سکتی ہے۔ اور ہمارے نزدیک یہی روایت زیادہ موثق ہے۔ بعض مؤرخین نے ۵۰۹ھ کو تاریخ وصال تسلیم کرنے سے اس لئے انکار کیا ہے کہ ۵۶۹ھ میں جب سلطان علاؤالدین خلجی کی فوجیں سلطان جلال الدین کے لڑکوں کو گرفتار کرنے کے لئے ملتان پہنچی تھیں تو شہزادے حضرت قطب الاقطاب کی خدمت میں حاضر ہو کر سفارش طلب ہوئے تھے۔ اور وہ ثبوت میں تذکرہ ملتان کے یہ الفاظ پیش کرتے ہیں:۔

”در اوائل ایام سلطنت چہل ہزار سوار بسر کردگی  
الغ خان و ظفر خان بر سر ملتان کہ پسران سلطان  
جلال الدین مرحوم قرار گرفتہ بودند فرستاد و لشکر  
باستعجال رسیدہ ملتان را محاصرہ کرد بعد از مدت  
سہ ماہ کار بر اہل حصار دشوار ساختہ ، سپاہ از  
پسران جلال الدین منحرف شدہ بالغ خان پیوست ،  
چون پسران سلطان مرحوم بیتاب شدہ قذوۃ العارفين  
شیخ رکن الدین ابوالفتح قریشی قدس سرہ، را وسیلہ  
انگیختہ امان خواستند و ملاقات کردند ، الغ خان  
باقتضائے اہلیت شرائط تعظیم بجا آوردہ ہمراہ خود  
بدہلی برد،،\*“

ان کا کہنا ہے کہ حضرت شیخ العارفؒ زندہ ہوتے

\* تذکرہ ملتان قلمی نسخہ بقلم عبدالجی عرضی نویس صفحہ ۲۹



تو شہزادے انکی خدمت میں ہی حاضر ہوتے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ۵۶۹۷ میں ملتان شیخ العارفؒ کے سایہ ہا پایہ سے محروم ہو چکا تھا۔ لیکن ہم اس اعتراض کو اس لئے وقیع خیال نہیں کرتے۔ کہ علماء اور مشائخ بالعموم آخری ایام میں گوشہ نشین ہو جاتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ ۵۶۹۷ میں جبکہ حضرت کی عمر شریف ۷۶ برس کی ہو چکی تھی۔ آپ نے عوام سے ملنا جلنا ترک کر دیا ہو۔ اور ضرورت مند حضرت قطب الاقطابؒ سے ہی ملتے ملاتے ہوں اور ویسے بھی قطب الاقطابؒ تو غوث العلمینؒ کے وقت سے ہی مرجع انام بن چکے تھے۔ محض اسی واقعہ کی بنا پر ۵۷۰۹ کو سال وصال تسلیم نہ کرنا انصاف سے بعید ہے۔

اس امر میں بھی کافی اختلاف ہے کہ شیخ العارفؒ کے وصال کے وقت قطب الاقطاب موجود تھے یا نہیں۔ انوار غوثیہ کا بیان ہے کہ آپ موجود تھے اور اپنے والد ساجد کا جنازہ آپ نے ہی پڑھایا تھا۔ لیکن شیخ جمال الدین ابوبکر حاکمیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ شیخ العارفؒ کے وصال کے وقت حضرت قطب الاقطاب ملتان میں موجود نہ تھے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :-

حضور (شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگان رحمة الله عليه) نے ایک دن مجھے بلا کر خرقة خلافت سے مشرف فرمایا۔ اور حصار کی طرف جانے کی اجازت دیتے ہوئے چشم پر آب ہو کر ارشاد کیا کہ (شیخ الاسلام)

\* شیخ جمال الدین ابوبکر رحمة الله عليه شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگان قدس سرہ کے چھوٹے بھائی اور آپ کے خلیفہ تھے۔ آگرہ میں فوت ہو کر دفن ہوئے مزار نور بار حالیہ انقلاب میں شہید ہو چکا ہے۔ (فریدی (رح))



”صدرالدین عارفؒ کی وفات کے وقت شیخ زکن الدینؒ موجود نہ تھے۔ اور شیخ فریدالدین مسعودؒ کی رحلت کے وقت شیخ نظام الدینؒ حاضر نہ ہو سکے۔ اے میرے بھائی ابو بکر! مجھے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم بھی میرے سفر آخرت کے وقت موجود نہ ہو گے

پس میں نے تم کو خدا کے سپرد کیا۔“ \*

”بزم صوفیہ“ کا دعویٰ ہے \*\* کہ حضرت قطب الاقطاب سلطان علاؤالدین خلجی کے زمانہ میں ایک بار دہلی تشریف لے گئے تھے۔ شیخ اکرام الحق صاحب مؤلف ”آب کوثر“ لکھتے ہیں۔ کہ آپ علاؤالدین کے زمانہ میں دو مرتبہ دہلی گئے تھے \*\*\* ہو سکتا ہے کہ ۹۰۵ھ میں آپ دہلی ہوں اور آپ کی عدم موجودگی میں ہی شیخ العارفؒ کا وصال ہو گیا ہو۔

حضرت شیخ العارفؒ ساتویں صدی ہجری کی عظیم شخصیت تھے۔ آپ نے اپنے ذاتی کہالات کی بنا پر اس کشش میں کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی۔ جو حضرت غوث العلمینؒ کے زمانہ میں طالبان معرفت کو اکناف عالم سے ملتان کھینچ لایا کرتی تھی۔ یہ سلسلہ حضرت زکریا قدس سرہ کے بعد بھی جوں کا توں قائم رہا۔ ہزاروں تشنگان علوم کو کوئی غیر مرئی طاقت بے اختیار اس چشمہ شیریں پر کھینچ لاتی تھی۔ اور آپ انہیں قطب و ابدال کے مراتب علیا پر فائز کر کے رخصت فرماتے تھے۔ حضرت نے اپنی ساری عمر شریف ملتان میں بسر کر دی شاہان اسلام کے

\* تذکرہ قطبیہ از شیخ جمال الدین ابوبکر مزار شریف در آگرہ۔

\*\* بزم صوفیہ صفحہ ۲۶۳۔

\*\*\* آب کوثر صفحہ ۳۰۳۔



دعوت ناموں کے باوجود کبھی درباروں میں چل کر نہ گئے۔ اور نہ کبھی سندھ یا شمالی پنجاب کا دورہ فرمایا۔ کیونکہ اب خدا کے فضل سے جنوبی ایشیاء کے گوشہ گوشہ میں حضرت غوث العلمینؒ کے خلفاء موجود تھے۔ اور اصلاح احوال و تبلیغ اسلام کا تسلی بخش کام کر رہے تھے۔ آئے دن ملک کے طول و عرض سے تبلیغی جماعتیں ملتان پہنچتی ہیں اور آپ سے ہدایات حاصل کرتی ہیں۔ اگر آپ باہر تشریف لے جاتے تو تبلیغی امور کی تکمیل میں ایک خلا سا پیدا ہو جاتا۔ دوسری وجہ یہ تھی۔ کہ شیخ العارفؒ کو اپنے والد بزرگوار حضرت غوث العلمینؒ سے بے پناہ محبت تھی۔ اور وہ ان کے مرقد شریف کی جدائی کو گوارا نہ کر سکتے تھے۔ ان کا سرمایہ حیات پدر بزرگوار کے قائم کئے ہوئے مشن کو کامیابی سے چلانا، ان کے مرقد پر حاضری دینا اور قرآن شریف کی تلاوت کر کے ان کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب کرنا تھا۔ اگر شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگی رحمة اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ العارفؒ کے وصال کے وقت قطب الاقطاب موجود نہیں تھے۔ تو یہ بیان بعید از قیاس نہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بزم صوفیہ اور آب کوثر کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت عارف باللہ نے آپ کو منصب ”شیخ الاسلامی“ کے سلسلہ میں سلطان علاؤالدین کے ہاں دہلی بھیجا ہو۔ یا عین ممکن ہے کہ قطب الاقطابؒ ان دنوں ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے خلفاء کی تبلیغی و اصلاحی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے لئے سندھ تشریف لے گئے ہوں والعلم عند اللہ۔



## ضريح مقدس

حضرت شيخ العارفؒ کی زندگی کا  
نمایاں پہلو یہ ہے کہ انہوں نے

نہ تو نامور باپ کی طرح مرشد کی تلاش میں بلخ اور بخارا کا سفر کیا  
اور نہ ہی حریم معرفت تک پہنچنے کے لئے انہیں سلوک کی پریچ  
وادیوں کو طے کرنا پڑا۔ وہ غوث الاغواث کے بیٹے تھے۔ غوث کی گود  
میں پلے پوسے۔ اور انکی توجہ کے فیضان سے ایک ہی جست میں  
معرفت کی تمام منزلیں طے کر گئے۔ عمر کا بیشتر حصہ اسی نائب رسول  
کے قدموں میں بسر ہوا۔ جب وہ رفیقِ اعلیٰ کو لبیک کہ گئے۔ تو  
ان کا سجادہ اس شان سے سنبھالا کہ دوست دشمن سب عیش عیش  
کر اٹھے۔ بقیہ زندگی جلیل القدر باپ اور عظیم الشان مرشد کے مزار  
نوربار کی مجاورت اور ان کے مشن کی تکمیل میں ختم کر کے ان کے پہلو  
میں جا لیٹے۔ حضرت غوث العلمین کے چہ اور صاحبزادے بھی تھے۔ اور  
وہ بڑے عالم فاضل تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی قبریں بھی اسی قبہ کے  
نیچے ہوں، ممکن ہے کہ باہر دفن ہوں یقینی طور پر کچھ کہا نہیں  
جا سکتا۔ لیکن یہ شیخ العارفؒ کا ہی مقام ہے۔ کہ زندگی بھر میں  
ایک لحظہ کے لئے بھی آپ قبلہ و کعبہ سے جدا نہ ہوئے۔ اور جب جان  
”جان آفرین“ کے سپرد کی۔ تو پھر والد ماجد کے ساتھ ایک ہی کٹھرے  
میں پہلو بہ پہلو اس شان سے سوئے کہ قیامت تک نہ کوئی اٹھا سکے اور نہ  
کوئی جدا کر سکے۔ جن لوگوں کی چشمِ تصور کام کرتی ہے وہ دیکھتے  
ہیں کہ حضرت غوث العلمینؒ اور شیخ العارفؒ ایک ہی سائبان کے  
نیچے تشریف فرما ہیں۔ اور حضرت معمول کے مطابق اپنے فرزندِ ارجمند  
سے مصروفِ گفتگو ہیں۔ آنکھوں والوں کا تو کہنا ہی کیا ہے۔



وہ سچ سچ آپ کے دربار میں حاضری دیتے اور اپنا نصیبہ وصول کرتے ہیں۔ اسی ملتان میں کئی بخت بیدار ہر رات اور کئی شب جمعہ اور کئی اعراس کی تقریب پر باریابی کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ اور کئی ایسے بد قسمت بھی ہیں جنہیں سالہا سال گذر گئے دروازے پر بیٹھے ہیں۔ مگر مزار نور بار پر حاضری دینے کی بھی توفیق نہیں ہوئی! سچ ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت غوث العلمینؒ کا ہوتا ہے صفر اور حضرت شیخ العارفؒ کا ۲۳ ذی الحج کو عرس ہوتا ہے۔ پاکستان کے طول و عرض سے علماء اور مشائخ مدعو کئے جاتے ہیں۔ جو قال اللہ وقال الرسول سے متلاشیان حق کے دلوں کو گرماتے ہیں۔ اس مبارک تقریب پر اکناف عالم سے جو ارواح صادقہ یہاں جمع ہوتی ہیں۔ ان میں ابدال بھی ہوتے ہیں اور اوتاد بھی اور وہ اپنی نشست و برخاست اور اوراد و اذکار کے طور طریقوں سے پہچانے جا سکتے ہیں لیکن ارادت کی نظر شرط ہے۔ حکیم الامت نے کیا خوب کہا ہے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی عقیدت ہو تو دیکھ ان کو  
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں





بزرگداشت عارف



چونکہ حضرت شیخ الامام العارف صدرالحق والدین رضی اللہ عنہ عرصہ تک درس تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے رہے تھے۔ اس لئے آپ نے مبتدیوں کے لئے ”تصریف جدولی“ کے نام سے ایک رسالہ مرتب فرما دیا تھا۔ جو عرصہ تک عربی مدارس میں متداول رہا۔ اس کے علاوہ ایک اور علمی یادگار ”کنوزالفوائد“ بھی آپ سے موسوم کی جاتی ہے یہ حضرت کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ جسے آن کے ایک فاضل مرید خواجہ ضیاء الدین نے مرتب کیا تھا۔ یہ گراں قدر متحفہ اس وقت ناپید ہے۔ محدث دہلوی نے ”اخبارالاکھیار“ میں اس کے چند اقتباسات درج کئے ہیں جن کا متن، ترجمہ اور شرح کے ساتھ ہم ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

خواجہ ضیاء الدین قدس سرہ، لکھتے ہیں کہ :-

”قال الشيخ الامام العارف صدرالحق والدین رضی اللہ عنہ فی بعض الوصایا لبعض المریدین فی کلام القدسی حکایتہ، عن اللہ تعالیٰ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا اِلهَ اِلاَّ اللہُ حَصْنِي فَمَنْ دَخَلَهُ، آمِنَ مِنْ عَذَابِي“

یعنی

کلمہ لا اِلهَ اِلاَّ اللہُ حصن من است  
هر کہ در آید ایمن گردد از عذاب

حصن الہی

من—حصن است و حصار—حصار آست کہ گرد بر گردد در گیرد



فَانَا گاہ نگاہ دارد و گاہ ندارد و حصن آن است کہ گرد گیرد و نگاہ دارد۔“

ترجمہ

یہ وہ وصیتیں ہیں جو حضرت شیخ العارفؒ نے اپنے مریدوں کو ارشاد کی تھیں۔ آپ نے فرمایا ”حدیث قدسی میں ہے۔  
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ حَصْنِي فَمَنْ دَخَلَهُ آمِنًا مِنْ عَذَابِي - یعنی اللہ کریم فرماتے ہیں۔ کہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے۔ جو اس میں داخل ہوا وہ میرے عذاب سے نجات پا گیا۔ قلعہ کی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں لا الہ الا اللہ کو حصن کہا گیا ہے حصار نہیں۔ حصار وہ ہے کہ احاطہ میں لے لے لیکن کبھی نگاہ میں رکھے اور کبھی نہ رکھے۔ اور حصن وہ ہے کہ احاطہ میں بھی لے اور نگاہ میں بھی رکھے۔  
پھر ارشاد ہوتا ہے:-

”و در آمدن دریں حصن بر سہ نوع است، ظاہر و باطن و حقیقت،

حصنِ الہی میں داخلہ

ظاہر آنکہ خوف و رجا بجز از خداے قادر قیوم زائل گرداند کہ اگر ہمہ عالم خصم شود یا دوست بجز حکم او هیچ نفع و ضرر و خیر و شر نتواند رسانید۔ قولہ، تعالیٰ

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ

بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ،

باطن آنکہ تحقیق کہ ہر چہ پیش از مرگ زندگانی دریں سرائے فانی رسد جاودانی نیست و رقمِ قلمِ عدم برو رفتہ بقولہ تعالیٰ ”كُلُّ مَنْ



عَلَيْهَا فَاِنَّ ، ثباتے ندارد و بہستی و نیستی آن التفات نہ نماید در باطن  
آن در آمدہ باشد ۔ حقیقت آنست کہ آرزوئے بہشت و خوفِ دوزخ در  
دل نیارد ، جز بحق قرار نگیرد ۔

فِي مَقْعَدٍ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ

چون آنجا رسد بہشت خود در تبع او گردد و دوزخ از وہے گریزاں  
باشد،، ۔

ترجمہ

حصن الہی میں داخل ہونے کا ظاہری راستہ

اس قلعہ میں داخل ہونے کی تین صورتیں ہیں، ظاہری، باطنی اور

حقیقی۔ داخلے کی ظاہری صورت یہ ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈرے اور نہ امید رکھے کیونکہ اگر ساری کائنات دشمن بن جائے تو اس کے حکم کے سوا ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ اور اگر سارا جہان دوست بن جائے اور رب کائنات کا منشا نہ ہو تو کوئی اسے نفع نہیں پہنچا سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بَصْرًا فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ

وَإِنْ يَرِدْكَ بَخِيرٌ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ \*

پروفیسر محمد طاہر فاروقی، ایم اے اسی مسئلہ پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مقام توحید کی معرفت کے بعد سالک کی نظروں میں خدا کے سوا کسی کی کوئی اہمیت نہیں رہتی

\* یعنی خدا ہی سب نفع و ضرر کا مالک تمام بندوں پر غالب و قاهر اور رقی سے خبردار ہے۔ اگر کسی کو تکلیف یا راحت پہنچانا چاہے تو نہ کوئی مقابلہ کر کے روک سکتا ہے اور نہ اس کے غلبہ و اقتدار کے پنجے سے نکل کر بھاگ سکتا ہے۔  
(از تشریحات علامہ شبیرا حمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ)



وہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتا وہ کسی سے مرعوب و خائف نہیں ہوتا وہ اپنی ذات کے لئے کسی شے کا خواہشمند نہیں ہوتا۔ ذاتی اغراض و مقاصد اس کے لئے لفظ بے معنی ہوتے ہیں۔ اسکی نفرت، اسکی محبت، اس کا عمل، اسکی عبادت ہر شے خدا کے لئے ہوتی ہے۔ یہ ”عبدیت و للہیت“ اس کو بے پناہ قوتیں عطا کرتی ہے۔ وہ خدا کے سامنے جھکتا ہے تو خدا ہر شے کو اس کے سامنے جھکا دیتا ہے۔ ترجانِ فطرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے۔

دریں سے خانہ ہر مینا زبیمِ محتسب لرزد

مگریک شیشہٴ عاشق کہ ازوے لرزہ برسنگ است

حصن الہی میں داخل ہونے | اس قلعہ میں داخل ہونے کا باطنی  
کا باطنی راستہ | راستہ یہ ہے۔ کہ سالک اس حقیقت

پر یقین کر لے کہ موت سے پہلے انسان کو جو زندگی نصیب ہوتی ہے۔ یہ ”حیاتِ مستعار“ ہے اور اس کے لئے نیستی کا حکم ہو چکا ہے۔ قرآن مجید میں آیا ہے ”کل من علیہا فان“ یعنی دنیا کی کسی چیز کو ثبات نہیں۔ اس لئے اس کا ہونا یا نہ ہونا دانشوروں کے نزدیک بے معنی ہے چنانچہ شاعر انقلاب بے اختیار پکار اٹھتا ہے

الہی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا

حیاتِ جاوداں میری نہ مرگِ جاوداں میری

ایک اور مقام پر ”زندگی“ اور ”غمِ زندگی“ سے متعلق اپنے تاثرات

کا اظہار اس طرح کرتا ہے



دمِ زندگی رمِ زندگی ، غمِ زندگی سمِ زندگی

غمِ رم نہ کر سمِ غم نہ کھا کہ یہی ہے شانِ قلندری

حصنِ الہی میں داخل ہونے کا حقیقی راستہ

اس قلعہ میں داخل ہونے کا حقیقی راستہ یہ ہے۔ کہ بہشت کی

خواہش اور دوزخ کا خوف دل میں نہ آنے دے۔ اور سوائے قرب

الی اللہ کے اور کوئی آرزو نہ رکھے۔ فی مقعد صدق عند ملیک

مقتدر\* جب سالک اس مقام پر پہنچ جاتا ہے بہشت خود بخود اسکی

تحویل میں آجاتی ہے۔ اور دوزخ اس سے کوسوں دور بھاگتی ہے۔

چنانچہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ نے اسی مقام

سے ہی بارگاہِ الہی میں عرض کی تھی۔

چہ بودے کہ دوزخ ز من پُرشدے

مگر دیگران را رہائی شدے

یعنی ”اے پروردگار! کیا ہو جاتا اگر تو دوزخ کو مجھ سے

بھر دیتا۔ اور دوسروں کو چھوڑ دیتا“ ترس دوزخ اور قلب مومن

کی عکاسی اس سے بہتر کیا ہو سکتی ہے! اسی طرح ترجانِ فطرت

نے بہشت کی آرزو کا خاکہ اپنے الفاظ میں اس طرح اڑایا ہے۔

تو در زیر درختاں ہمچو طفلانِ آشیاں بینی

بہ پرواز آ کہ صیدِ مہر و ماہے توں کردن

پھر کہتے ہیں۔

ز جوئے کہکشای بگذر ز نیلِ آسماں بگذر

ز منزلِ دل بمیر اگرچہ باشد منزلِ ماہے

\* یعنی متقین اپنی سچائی کی بدولت اللہ و رسول کے سچے وعدوں کے موافق ایک

پسندیدہ مقام میں ہونگے جہاں اس شہنشاہِ مطلق کا قرب حاصل ہو گا۔ [القمر]

(از تشریحات مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ)



ایک اور مقام پر کہتے ہیں -

اگر عنان تو جبریل و حور مے گیرند  
کرشمہ بر دل شان ریز و محرمانہ گذر

پھر کہتے ہیں -

شاید جنون ما پہنائے دو گیتی نیست

این راہگذر مارا، آن راہگذر مارا

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی مجددی نقشبندی اسی سلسلے میں رابعہ بصریہؒ کا ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ ایک ہاتھ میں پانی کا کوزہ اور دوسرے میں آگ لٹے جاتی تھیں لوگوں نے سوال کیا ”اے بی بی! کہاں کا ارادہ ہے؟“ فرمایا ”جا رہی ہوں کہ دوزخ کو بچھا دوں اور بہشت کو جلا کر خاک سیاہ کر دوں۔ تا کہ لوگ محض دوزخ کے خوف اور بہشت کے لالچ سے خدا کی عبادت نہ کریں“ \*

ایک اور تقریب پر شیخ العارفؒ  
قدس سرہ العزیز نے اپنے مریدوں

معرفتِ الہی

کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا -

”اول قدم در متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
ایمان آوردن است بدانچہ براو ایمان آوردن و ثابت  
بودن بر آن - و آن ممکن نگردد الا بدانکہ بندہ بدل  
اعتقاد کند، بے شک و بے شبہ و بزبان اقرار آرد  
بطوع و رغبت با محبت و معرفت کہ خداوند جل و



علا یکی ست در ذات و یگانہ است در صفات خود  
 موصوف است ہمیشہ بصفات کمال، قدیم است با جملگی  
 اسماء و صفات و افعال، منزہ است از ادراکِ اوہام  
 و افہام، مقدس است از ساتِ حدوث و عوارض و  
 اجسام۔ ہمہ عالمِ آفریدہ اوست، چونی و چگونگی  
 بر ذات و صفات او درست نیست۔ از ہیچ وجہ  
 ہیچ چیز نماند و ہیچ چیز بہیچ وجہ بدو نماند۔

ترجمہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی پہلی شرط ایمان  
 لانا ہے۔ ایمان لانا اور اس پر ثابت قدم رہنا اور یہ اس وقت  
 ممکن ہے۔ جبکہ بندہ شک و شبہ کی جگہ رغبت، محبت اور معرفت  
 کے ساتھ دل میں اعتقاد رکھے اور زبان سے اقرار کرے کہ اللہ  
 تبارک و تعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا اپنی صفات میں یگانہ اور تمام  
 صفات کمالیہ سے مستصف ہے۔ تمامی اسماء صفات اور افعال کے لحاظ  
 سے قدیم ہے اوہام و افہام کی۔ ادراک سے بالاتر ہے۔ حدوث،  
 عوارض اور اجسام کی علامتوں سے پاک ہے۔ تمام جہان اسی کا  
 پیدا کیا ہوا ہے۔ اسکی ذات میں چون و چرا کرنا جائز نہیں۔  
 نہ وہ خود کس حیثیت سے کسی چیز سے مشابہ ہے اور نہ کوئی  
 چیز کسی حیثیت سے اس کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔

اس مقام کی معرفت کے لئے ضروری ہے کہ سالک نفی اور اثبات کے  
 مقامات کو طے کرے۔ نفی کے بغیر مقامِ اثبات تک رسائی نہیں



ہوسکتی۔ جب سالک تمام ممکنات اور موجودات وغیرہ کو ”لا“ کی تلوار سے مٹا چکتا ہے تو اس وقت اس پر ذات واجب کا اثبات منکشف ہوتا ہے۔ جسکی رسائی مقام اثبات تک نہیں ہو سکتی۔ اور مقام ”لا“ یعنی نفی ہی کی دلدل میں دھنس کر رہ جاتا ہے۔ وہ ابدی مرگ کا شکار ہو جاتا ہے۔ عشق کی تکمیل اور ایمان کی پختگی اثبات کے بغیر ناممکن ہے۔ اقبال نے ”لا“ و ”الا“ کے اسرار و رموز پر خوب کھل کر طبع آزمائی کی ہے۔ توحید کی معرفت میں ان سے کافی مدد مل سکتی ہے اس لئے درج ذیل کرتا ہوں\*

نکتہ سے گویم از مردانِ حال - امتاں را ”لا“ جلال الا جمال  
لا و الا احتساب کائنات - لا و الا فتح باب کائنات  
هر دو تقدیر جہان کاف و نون - حرکت از لا زائد از الا سکون  
تا نہ رمز لا الہ آید بدست - بند غیر اللہ را نتوان شکست  
در جہاں آغاز کار از حرف لا ست - این نخستین منزل مرد خدا ست  
ملّے کز سوز او یکدم تپید - از گل خود خویش را باز آفرید  
پیش غیر اللہ لا گفتن حیات - تازہ از ہنگامہ او کائنات  
از جنونش ہر گریباں چاک نیست - در خور این شعلہ ہر خاشاک نیست  
جذبہ او در دل یک زندہ مرد - سے کند صدرہ نشین را رہ نورد  
بندہ را با خواجہ خواہی درستیز - تخم لا در مشت خاک او بریز  
هر کرا این سوز باشد در جگر - هولش از هول قیامت بیشتر  
لا مقام ضرب ہائے پے بہ پے - این غورعد است نے آواز نے  
ضرب او ہر بود را سازد نبود - تا بروں آئی ز گرداب وجود

\* سیرت اقبال از علامہ طاہر فاروقی، ایم۔ اے۔ صفحہ ۳۰۳



مرد مومن از کمالات وجود - از وجود غیر او هر شے نمود  
 گر بگیرد سوز و تاب از لا اله - جز بکام او نگرود مہر و مہ  
 در مقام لا نیا ساید حیات - سوئے الا بے خرامد کائنات  
 لا و الا ساز و برگ آمتان - نفی بے اثبات مرگ آمتان

در محبت پختہ کے گردد خلیل

تا نگرود ”لا“ سوئے ”الا“ دلیل

لا اله سرمایۂ اسرار ما - پردہ بند از شعلۂ افکار ما  
 حرفش از لب چون بدل آید ہمی - زندگی را قوت افزاید ہمی  
 پھر کہتے ہیں :

نقطۂ ادوار عالم لا اله

انتہائے کار عالم لا اله

حضرت شیخ العارفؒ اپنے ارشادات  
 کے سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے

مقام رسالت

فرماتے ہیں :-

”پیغامبران صلوات اللہ علیہم فرستادہ اویند و حضرت  
 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاضل ترجملہ پیغمبران  
 است، آنچه او فرمودہ است، راست و درست است  
 و دران ہیچ تفاوت نیست خواه عقل کیفیت آن را دریابد  
 خواه در نیا بد - تسلیم باید کرد - تا درستی اعتقاد حاصل  
 آید بدانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواست و دانست  
 و بکیفیت مشغول نگشت و اگر بر تاویل موافق آیات  
 و اخبار محکم حمل افتد روا باشد و علامت صحت ایمان



در دل آنکه اگر نیکوئی کند شاد شود و اگر بدی کند بدش آید و علامت استقامت در ایماں یقین باشد بآنکه خدا و رسول خدا دوست تر باشند نزد او از غیر ایشان از روئے ذوق و حال نه از روئے علم و ایماں“

یعنی

تمام انبیاء علیہم السلام اسی کے فرستادہ ہیں۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں میں افضل ہیں۔ اور جو کچھ آپ نے فرمایا ہے۔ وہ صحیح اور درست ہے۔ اس میں کوئی تفاوت نہیں۔ خواہ عقل کی وہاں تک رسائی ہو یا نہ ہو۔ اور اگر فہم و ادراک میں نہ آسکیں تو بھی انہیں تسلیم کر لینا چاہئے۔ تاکہ اعتقاد درست رہے\* کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام الہی کو جانا اور مانا لیکن اسکی کیفیت اور کنہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی۔ ہاں اگر خداوند تعالیٰ کے احکام کی تاویل آیات بینات اور احادیث پاک کے مطابق ہو۔ تو جائز ہے\*\*

\* سرمد احمد خان نے مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی ”مولانا! دین کی کوئی بات عقل کے خلاف نہیں ہونی چاہئے“۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا خان صاحب! آپ نے تو الٹ کہہ دیا صحیح یہ ہے کہ عقل کی کوئی بات دین کے خلاف نہیں ہونی چاہئے بوجوئے عقل قربان کن بہ پیش مصطفیٰ۔

\*\* رسول پر وحی آسانی آتی ہے اس لئے اس کی تعلیم درحقیقت خدا کی دی ہوئی تعلیم ہے اور کتاب آسانی وہ دستور العمل اور قانون حیات ہے۔ جو خود خدا بندوں کے لئے تجویز اور پسند کرتا ہے رسول کی نگاہ علم و حکمت کی ان گہرائیوں کو چیرتی

بقیہ بر صفحہ ۲۶۶



ایمان کی صحت کی علامت یہ ہے۔ کہ اگر بندہ نیک کام کرے تو اس کو خوشی محسوس ہو۔ اور اگر اس سے بُرائی سرزد ہو۔ تو اُسے بُرائی بُرائی معلوم ہو۔ اور ایمان کی استقامت کی علامت یہ ہے۔ کہ وہ علم و ایمان کی بجائے ذوق و حال کی بنا پر خدا اور رسول خدا کو محبوب ترین رکھے\*

خواجہ ضیاء الدینؒ مزید لکھتے ہیں کہ :-

فاذ کرونی اذ کر کم

”قال قدس سرہ؛ فی وصایاہ لبعض المریدین ”ہیچ نفسے بے ذکر بر نیارد کہ بزرگانِ گفتہ اند۔ ہر کہ از نفسے بنفسے شود بے ذکر حال خود ضائع کردہ باشد و از وسوسہ و حدیثِ نفس در ذکر گریزد چون بدیں صفت مدام ذاکرباشد وسوسہ و حدیثِ نفس بنور ذکر سوختہ گردد و نور ذکر در دل

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۵ ہے جس کا ادراک عقل کو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے احکام الہی میں چون و چرا کی جسارت قطعاً نا مناسب ہے۔

غنچہ از شاخسارِ مصطفیٰ - گل شو از بادِ بہارِ مصطفیٰ  
از بہارش رنگ و بو باید گرفت - بہرہ از خلق او باید گرفت  
از مقام او اگر دور ایستی - از میان محشر ما نیستی

\* اقبال (رح) ذوق و وجدان کو تخلیقی عشق سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ شدتِ احساس کی حالت ہے جو نہایت ہی پُر اسرار طریقے پر انسانی شخصیت کو لازوال بنا دیتی ہے چنانچہ لکھتا ہے -

مے ندانی عشق و مستی از کجاست - این شعاع آفتابِ مصطفیٰ است  
زندہ تا سوز او در جان تست - این نگہ دارندہ ایمان تست  
با خبر شو از رموز آب و گل - پس بزن بر آب و گل اکسیر دل



فروء آیدت و حقیقت ذکر در دل متفکن گردد -  
 و ذکر با مشاہدۃ مذکور بود - و دل بنور یقین  
 منور گردد - ابن است مقصود طالبان و مقصود سالکان ع  
 این کار دوست است کنوں تا کرارسد“

یعنی

کوئی سانس ذکر کے بغیر باہر نہیں نکلتا چاہئے \* کیونکہ  
 بزرگوں نے کہا ہے کہ جو کوئی ذکر کے بغیر سانس نکالتا ہے -  
 وہ اپنا حال ضائع کرتا ہے - ذکر کے وقت وسوسہ اور حدیث نفس  
 سے اجتناب کرنا چاہئے جب اس طریق سے ذکر میں مصروف رہے  
 گا - تو وسوسہ اور حدیث نفس ذکر کے نور سے از خود جل

\* چنانچہ حضرت غوث العلمین خواجہ بہاء الحق والدین ابو محمد زکریا ملتانی  
 رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مقام تھا - ایک مرتبہ چند درویش انہیں ملنے کے لئے ملتان  
 آ رہے تھے - جب کوہ سلیمان کے قریب پہنچے تو ایک چڑیا نے دوسری چڑیوں سے  
 مخاطب ہو کر کہا - افسوس کہ - خواجہ بہاؤالدین کا وصال ہو گیا یہ بچارے  
 ملتان جا کر کیا کرینگے - اس پر وہ درویش بڑے متردد ہوئے - کہ جب شیخ  
 ہی نہیں رہے تو ملتان جانے سے کیا فائدہ ! لیکن انجام کار طے پایا - کہ ملتان ضرور جانا  
 چاہئے - اگر شیخ کا انتقال ہو گیا ہے تو قبر پر فاتحہ پڑھنے سے تو محروم نہ رہیں -  
 لیکن جب وہ ملتان پہنچے تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حضرت غوث (رح) منبر  
 پر بیٹھے وعظ فرما رہے ہیں - درویشوں کو فکر مند دیکھ کر حضرت نے فرمایا -  
 اے یاران ! تعجب نہ کرو - تم نے راستہ میں جو کچھ سنا وہ بھی صحیح تھا اور  
 جو کچھ اب دیکھ رہے ہو یہ بھی صحیح ہے - ایک لمحہ اس فقیر پر ایسا آیا تھا -  
 کہ اس کا دل خدا کی یاد سے غافل ہو گیا تھا جس پر فرشتوں نے مشہور کر دیا  
 کہ بہاؤالدین مر گیا - چڑیوں نے یقیناً کسی فرشتے سے یہ بات سنی ہوگی - الغرض  
 یہی قدسی نفوس وہ با عظمت لوگ تھے - جن کا ایک سانس بھی ذکر کے بغیر باہر  
 نہیں نکالتا تھا - [فریدی]



جائینگے۔ نورِ ذکرِ دل کی گہرائیوں تک اترتا چلا جائے گا۔ اور اس میں ذکر کی حقیقت متمکن ہو جائے گی۔ پھر ذکر مشاہدہ مذکور کے ساتھ ہوگا۔ اور دل نور یقین کے ساتھ جگمگا اٹھے گا۔ یہی طالبوں اور سالکوں کا مقصود ہے

خواجہ ضیاءالدينؒ اپنے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے

و اذ کر ربک اذا نسیت

میں کہ :-

ایضاً فی و صایاہ قدس سرہ، ”قال الله تعالى يا ايها الذين آمنوا اذكروا الله ذكرا كثيرا، اذا اراد الله تعالى بعبد خيرا و كتبه، عبدا سعيدا و فقه، لدوام الذكر باللسان مع مواطاة القلب ورقاه عن ذكر اللسان الى ذكر القلب حتى لو سكت اللسان لا يسكت القلب و هو ذكر الكثير و لا يوصل العبد لذلك الا بعد التبري عن النفاق الخفي المشار بقوله عليه السلام اكثر منا فقى امتي قراءها اراد به نفاق الوقوف مع غير الله تعالى و تعلق الباطن بسواه فاذا وفق العبد لتجريد الظاهر عما لا يحل ثم عما لا يحمده و اكرم بتفريد الباطن بتخلية عن الخواطر الرديه والا خلاق المذمومة يوشك ان يتجلى نور الذكر في باطنه فيقطع عنه الوسوس الشيطانية والهوا جس النفسانية و تجوهر نور الذكر في باطنه حتى يكون ذكره، يتجلى مشاهدة المذكور وهذه هي الرتبة العظمى و المنحة الكبرى التي تمد اليها اعناق ارباب معالي الهمم من اولى الايدي والابصار من الامم و الله الموفق والمعين“



یعنی

فرماتے ہیں کہ اے اللہ کے بندو! خدا کا ذکر کثرت سے کرو۔

تا کہ خویش از گریہ ہائے نیم شب سیراب دار

کز درون او شعاع آفتاب آید برون

ہاں سنو! جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ بھلائی

کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اس کو عبد سعید لکھ دیتا

ہے۔ اور اسے زبان کے ذکر کے ساتھ قلب کی

موافقت کی توفیق عنایت کرتا ہے۔ اور زبان کے

ذکر سے قلب کے ذکر کی جانب ترقی دیتا ہے۔

یہاں تک کہ اگر زبان ذکر سے خاموش رہتی ہے

تو قلب خاموش نہیں ہوتا۔ یہی ذکر کثیر ہے

اور اس ذکر تک بندہ اس وقت تک نہیں پہنچتا

جب تک کہ وہ نفاق سے بری نہ ہو۔ جس کا

اشارہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس

ارشاد گرامی میں ہے کہ بیری امت کے اکثر

منافق اس کے قاری ہیں۔ اس نفاق سے مراد غیر

خدا کے ساتھ وقوف اور تعلق باطن ہے۔ اس سے

پرہیز لازمی ہے۔ باطن کا لگاؤ صرف خدا کے ساتھ

ہونا چاہئے۔ پس جب بندہ کو تجرید ظاہری یعنی

ناپسندیدہ چیزوں سے علیحدگی کی توفیق ہوتی ہے۔

اور وہ بڑے وساوس اور اخلاق مذمومہ سے پاک



و صاف ہو کر تفرید باطن سے معزز ہوتا ہے۔  
 تو عین ممکن ہو جاتا ہے کہ اس کے باطن میں نور کا  
 ذکر متجلی ہو جائے۔ اور شیطانی وساوس اور  
 نفسانی خواہشات اس سے دور ہو جائیں۔ اس  
 کے باطن میں نور کے ذکر کا جوہر اس طرح  
 ضیا بار ہو کہ اس کا ذکر مشاہدہ مذکور  
 کو متجلی کر دے۔ اور یہ وہ مرتبہ بلند اور  
 عطیہ عظمیٰ ہے۔ کہ اس کے حصول کے لئے امت  
 کے اصحاب ہمت اور ارباب بصیرت کی گردنیں  
 بڑھتی ہیں۔

✓ حضرت شیخ العارفؒ کا عربی قصیدہ

حضرت حاکمؒ کی شان میں

حضرت شیخ العارفؒ کی شعر و شاعری کا ایک جگر پارہ  
 پیر غلام دستگیر صاحب نامی مؤلف تاریخ جلیلہ کی وساطت سے  
 موصول ہوا ہے۔ جو حضرت نے سلطان التارکین حمیدالدین حاکم  
 رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق موزوں فرمایا ہے۔ جہاں یہ اشعار حضرت  
 حاکم کی شان بلند کے مظہر ہیں وہاں عربی ادب میں بھی خاص  
 مقام رکھتے ہیں۔ اگر اس قصیدہ میں کہیں ادبی سقم نظر آئے تو  
 اسے نقل در نقل کا نتیجہ سمجھا جائے۔ فرماتے ہیں:۔

۱ - يَا مَنْ بَنَى قَصْرًا رَفِيْعًا بِالْعُلَى

وَشَيْدَ اَرْكَانِ الزَّهَادَةِ وَالْتَقَى



اے وہ ذات ! جس نے طریقت کی رفعتوں میں قصر رفیع تعمیر کیا - اور زهد و تقویٰ کے ارکان مضبوط کئے -

۲ - أَنْتَ الْعَجِيزَةُ فِي آخِرِ زَمَانِنَا

وَإِظْهَرْتَ مَحْضَ كَرَامَةِ بَالَا نْتَهَى

آپ ہمارے آخری زمانہ میں معجزہ ہیں - اور آپ نے آخری وقت میں کرامت کا اظہار کیا -

۳ - شَبْلِيُّ وَقْتٍ فِي الزَّمَانِ رَائِيَهُ

فِي الْفَضْلِ شَمْسًا طَالِعًا بِالْأَهْتَدَى

آپ اس زمانہ کے شبلی ہیں، اے مخاطب ! تو انہیں فضیلت میں ہدایت کا چمکتا ہوا آفتاب دیکھے گا -

۴ - اَعْنِي حَمِيدَ الْحَقِّ قُطْبَ دِيَارِنَا

وَجَنِيدَ ثَانٍ حَالِيًا أَهْلُ النَّهْلِ

میری مراد حضرت حمیدالدين حاکمؒ ہیں جو ہمارے علاقہ کے قطب ہیں - جنیدؒ ثانی ہیں اور اہل بصیرت کو محبوب ہیں -

۵ - صَدْرَ الْمَشَائِخِ حَاكِمٍ فِي دَهْرِنَا

أَحْيَى رُسُومَ الشَّرْعِ بَيْنَ الْوَرَى

آپ مشائخ کے سردار اور ہمارے زمانہ میں طریقت کے حاکم ہیں - جنہوں نے لوگوں کے درمیان شریعت کے احکام زندہ کئے -



۶ - فِي الْفَقْهِ أَبْهَىٰ وَالْأُصُولُ مَدَارُهُ،

وَأَعْلَمُ مِنْ عَلَمَانَا فِي مَنْ بَقِيَ

وہ علم فقہ میں سب سے زیادہ روشن اور علم اصول میں اس کا مرکز ہیں۔ اور ہمارے بقیہ علماء میں سب سے زیادہ عالم ہیں۔

۷ - سَجَبَانُ عَصْرٍ فِي الْعُلُومِ بِفَضْلِهِ

نِعْمَانُ وَقْتُ بَاهِرٍ بِلِمْتَهَلِي

آپ اپنی فضیلت علمی کے سبب سے تمام علوم میں سجبان زمانہ ہیں۔ اپنے دور کے حضرت نعمان بن ثابت (امام ابو حنیفہ) رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور انتہائی علوم پر غالب ہیں۔

۸ - وَرِعَ تَقَىٰ وَاصِلُ الْحَقِّ ذَاتُهُ،

وَأَزْكَىٰ بِفَضْلِ نَبِينَا خَيْرِ الْوَرَىٰ

آپ پرہیزگاری میں صاحب تقویٰ ہیں۔ آپ کی ذات واصل حق ہے۔ اور آپ ہمارے نبی افضل الخلائق کے فضل سے زیادہ حصہ پانے والے ہیں۔

۹ - هُوَ الْحَاكِمُ الْقَرَشِيُّ فِي الْأَسْنَادِ

قُطْبُ الزَّمَانِ وَقُدْوَةٌ فِي الْأَصْفِيَاءِ

آپ نسبت خاندان میں حاکم قریشی ہیں۔ زمانہ کے قطب ہیں۔ اور صوفیوں کے مقتداء ہیں۔



اس کے علاوہ حضرت نے ”نور عرب“ اور ”سہ بیت“ کے عنوان سے بھی چند اشعار موزوں فرمائے تھے۔ ان کا ادبی پایہ اس قدر بلند تھا۔ کہ عراقی کو کہنا پڑا۔

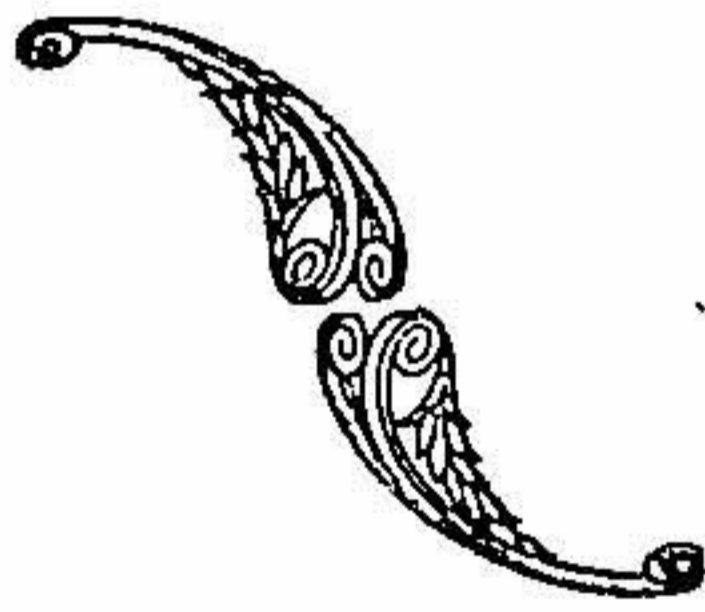
زندہ کردی شکستہ را بسہ بیت - کز دم عیسوی نشان دارد  
 حرزِ جانِ ساختم سہ بیت ترا - کہ دو صد فتنہ در اسان دارد  
 نور عرب کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

خستہ چوں خواند نظمِ عرب - پائے بر فرقِ فرقداں دارد  
 خواستم تا جواب گویم، عقل - گفت کہ طاقت و توان دارد!

عاجز آید ز دستِ مدح و ثنائش

ہر کہ پا در رہِ بیاں دارد

افسوس ہے کہ اس وقت یہ تمام جواہر پارے نایاب ہیں۔





قطب الاقطاب شیخ الاسلام

رکن الحق والذین ابو الفتح فیض اللہ

طاب اللہ ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ

رحلت

عمر شریف

ولادت

۷ جمادی الاول ۷۳۵ھ

۸۶ سال

۹ رمضان ۷۲۹ھ

مزار شریف

قلعہ ملتان

آپ کا مفصل تذکرہ الگ شائع ہو رہا ہے



شَيْخُ الْإِسْلَامِ  
صَدِّقُ الدِّينِ مُحَمَّدٌ حَامِي  
مَدِينَةُ الْعَرَبِيَّةِ



حضرت قطب الاقطاب ۱۱ کی اولاد دیرینہ نہیں تھی۔ انہوں نے اپنے بھتیجے شیخ صدرالدين محمد ۱۱ کو بطور اولاد کے پرورش کیا تھا اور بڑے بڑے علماء ان کی تعلیم و تربیت پر مامور فرمائے تھے۔ سلطان التاریکن حمیدالدين حاکم ۱۱ ان کے نگرانِ اعلیٰ تھے۔ کبھی کبھی خود بھی انہیں پڑھاتے تھے۔ جوان ہو کر یہ بڑے خدا رسیدہ اور فاضل انسان نکلے۔ وصال کے وقت قطب الاقطاب نے ان کے حق میں وصیت فرمائی۔ چنانچہ قطب الاقطاب ۱۱ کے بعد خاندانِ غوثیہ کے اکابرین نے دستارِ غوثیت آپ کے سر پر رکھی اور قطب الاقطاب کی مسند پر لا بٹھایا\* آپ نے خانقاہ اور مدرسہ کے

\* اسلامی دنیا کا مشہور سیاح ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ شیخ الاسلام رکنالدين ملتانی کی وفات کے بعد شیخ ہود اپنے دادا کی وصیت کے بموجب خانقاہ کے متولی مقرر ہوئے۔ لیکن شیخ رکنالدين کے ایک بھتیجے نے تنازعہ کیا۔ اور کہا کہ میں اپنے چچا کی میراث کا زیادہ مستحق ہوں۔ پھر وہ دونو بادشاہ کے پاس دولت آباد گئے۔ دولت آباد ملتان سے اسی (۸۰) منزل ہے۔ بادشاہ نے شیخ کی وصیت کے بموجب شیخ ہود (رح) کو سجادہ نشین مقرر کر دیا۔ یہ شخص ہود عمر میں بڑا تھا۔ اور شیخ رکنالدين (رح) کا بھتیجا ابھی نوجوان تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ شیخ ہود (رح) کی نہایت تعظیم و تکریم کی جائے۔ شہر کے مشائخ اور حکام کو ہدایت ہوئی کہ اس کا استقبال کرنے جائیں۔ جب وہ دارالخلافتہ میں پہنچا۔ تو شہر کے کل علماء اور مشائخ اس کے استقبال کے لئے باہر آئے میں بھی ان میں شامل تھا۔ شیخ پالکی میں سوار تھا۔ جسے آدمی اٹھائے ہوئے تھے۔ اور اس کے گھوڑے کو تل چل رہے تھے۔ میں نے اسے سلام کیا۔ لیکن اس کا پالکی میں سوار ہونا پسند نہ آیا۔ میں نے کسی سے ذکر کیا کہ شیخ کو چاہئے۔ کہ وہ گھوڑے پر سواری کرے۔ اور علماء اور مشائخ جو اس کے استقبال کو آئے ہیں۔ انہیں اپنے جلو میں لے کر چلے۔ کسی نے یہ بات



نظام پر خاص توجہ دی اور لنگر خانہ کی وہی شان قائم رکھی۔ جوان کے آباء کرام کے زمانہ میں تھی۔ یہ وہ زمانہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۶

شیخ ہود (رح) تک پہنچا دی۔ وہ فوراً پالکی سے برآمد ہوئے۔ کہا دوستو! معاف کرنا درد کے سبب گھوڑے پر سوار ہونے سے معذور تھا۔ لیکن اب آپ کا ساتھ دوں گا۔ شیخ یہ کہہ کر بڑی تکلیف سے گھوڑے پر سوار ہوئے اور شہر میں داخل ہوئے۔

بادشاہ نے شیخ کے اعزاز میں بڑی ضیافت کی۔ اور اس میں علماء اور مشائخ خواہ وہ مقامی تھے یا بیرونی ممالک کے سب مدعو کئے گئے۔ جب کھانا کھا چکے تو ہر ایک کو علیٰ قدر استحقاق نذر بھی دی گئی۔ چنانچہ قاضی القضاة کو پانچ سو (۵۰۰) دینار اور مجھے اڑھائی سو (۲۵۰) دینار ملے یہ اس ملک کا دستور ہے کہ ہر ایک دعوت پر سہانوں کو نذریں بھی دی جاتی ہیں پھر شیخ ہود ملتان کی طرف رخصت ہوئے اور بادشاہ نے ان کے ساتھ شیخ نورالدین شیرازی کو بھیجا۔ کہ ملتان پہنچ کر شیخ کو دادا کا سجادہ نشین کرے۔ چنانچہ ملتان میں شیخ نورالدین نے بادشاہ کے خرچ پر بہت بڑی ضیافت کا اہتمام کیا اور شیخ ہود کو بموجودگی حکام اور مشائخ دادا کی مسند پر بٹھایا۔ شیخ ہود (رح) کئی سال تک سجادہ نشین رہا۔ ایک دفعہ عہدالملک حاکم ملتان و سندھ نے بادشاہ کو لکھا۔ کہ شیخ ہود (رح) اور اس کے رشتہ دار اوقاف خانقاہ کو بے جا امور پر صرف کرتے ہیں۔ زائرین اور درویشوں کو روٹی نہیں ملتی۔ اس اطلاع سے بادشاہ سخت جھنجھلا یا اور اس نے حکم دیا کہ ان سب کا مال ضبط کر لیا جائے۔ عہدالملک نے انہیں طالب کر کے بعض کو قتل کیا اور بعض کو مارا پیٹا اور کچھ دنوں تک ان سے ہر روز بیس ہزار دینار وصول کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ان کے پاس کچھ نہ رہا۔ اور وہ پیسہ پیسہ کے محتاج ہو گئے۔

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ ان کے گھروں سے بڑی دولت اور بے انتہا سامان نکلا تھا۔ چنانچہ ایک جوتی کا جوڑا تھا۔ جس پر جواہر اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ اس کی قیمت سات ہزار دینار آنکی گئی۔ بعض کہتے تھے کہ جوتی کا یہ جوڑا شیخ ہود (رح) کی بیٹی کا ہے اور بعض کہتے تھے کہ اس کی لونڈی کا ہے۔ جب شیخ ہود (رح) پر زیادہ سختی ہوئی۔ تو اس نے ترکستان بھاگ جانے کا ارادہ کیا مگر راستے



تھا جبکہ حضرت غوث العلمینؒ کے اکابر خلفاء اور نامور مرید ایک ایک کر کے اس دنیا سے زخمت ہو چکے تھے۔ اس عہد کی یادگار صرف سلطان التارکینؒ کی ذات رہ گئی تھی۔ یہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۷

میں گرفتار ہو گئے۔ جب بادشاہ کے حضور میں پیش ہوئے۔ تو اس نے شیخ سے پوچھا کہ کہاں بھاگ چلے تھے؟ شیخ نے اپنی صفائی عرض کی۔ لیکن بادشاہ کہاں مانتا تھا۔ وہ اور برہم ہوا اور بگڑ کر بولا کہ تیرا ارادہ تھا کہ تو ترکستان بھاگ جائے اور وہاں جا کر کہے کہ میں بہاء الدین زکریا ملتانی (رح) کا بیٹا ہوں اور بادشاہ نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے۔ اور ترکوں کو مدد پر بلا لائے۔ اس کے بعد شیخ کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ اور وہ شہید کر دئے گئے۔ اخیر میں لکھتا ہے کہ ”خدا اس پر رحمت کرے“۔ آخری جملہ اس امر کا آئینہ دار ہے کہ ابن بطوطہ شیخ اور اس کے خاندان کے بارہ میں اچھی رائے رکھتا تھا۔ اور جو کچھ ان سے مؤاخذہ ہوا اسے جائز نہیں سمجھتا تھا۔ ورنہ وہ یہ الفاظ نہ کہتا جیسا کہ ہم عراقی (رح) کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں۔ ابن بطوطہ کی تمام یادداشتیں اور دیگر سامان سمندر میں غرق ہو گیا تھا۔ وہ صرف جان سلامت لے جا سکا۔ وطن پہنچ کر اس نے حافظے کی مدد سے سفر نامہ مرتب کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس میں وہ با حسن وجوہ کامیاب نہ ہوا۔ کہیں واقعات خلط ملط ہو گئے۔ اور کہیں نام کچھ کے کچھ لکھے گئے۔ یقیناً یہاں بھی اسے سہو ہوا ہے۔ کیونکہ حضرت غوث العلمین (رح) کے خاندان میں شیخ ہود (رح) نام کا کوئی بزرگ نہیں گذرا۔ البتہ مخدوم عبدالرشید حقانی قدس سرہ کے پوتے کا نام شیخ ہود (رح) ہے۔ چونکہ شیخ عبدالرشید اور حضرت غوث العلمین (رح) چچا زاد بھائی تھے۔ اس لئے شیخ ہود شیخ کبیر (رح) کے پوتے بھی کہلائے جا سکتے ہیں۔ نیز شیخ ہود کی دادی حضرت غوث العلمین کی حقیقی بہن تھی۔ ممکن ہے کہ مخدوم عبدالرشید (رح) کی سجادگی کا تنازعہ برپا ہوا ہو۔ اور حضرت قطب الاقطاب (رح) نے شیخ ہود کے علم و فضل اور ان کی کہرسنی کا خیال کر کے سجادگی کے لئے ان کی سفارش یا وضیت کر دی ہو۔ حضرت مخدوم عبدالرشید (رح) کا مقبرہ ملتان کے مضافات میں واقع ہے۔ اس لئے دعوت وغیرہ کا اہتمام یا سجادگی کا اعلان بہر حال ملتان میں ہی ہوا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ شیخ ہود (رح) اور ان کے اقارب



بڑی عمر کے بزرگ تھے۔ انہوں نے شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی اور سید احمد توختہ رحمہما اللہ علیہم کے نورانی چہرے دیکھے تھے۔ ان کے دم قدم سے حضرت شیخ الاسلام صدرالدين محمدؒ کو بڑا سہارا تھا۔ ۲۲ ربیع الاول ۷۳۷ھ کو بزم غوثیہ کی یہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۸

بھی ملتان میں ہی رہتے ہوں۔ اس امر کے صحیح ہونے کا ایک اور قرینہ بھی ہے کہ حضرت مخدوم عبدالرشید حقانی قدس سرہ کی اولاد کے مزارات قصبہ مخدوم رشید سے بہت دور واقع ہیں۔ ان کا یہ بعد کسی خانگی انتشار کا ہی نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ شیخ ہود (رح) کا شجرہ حسب ذیل ہے :

مخدوم عبدالرشید حقانی قدس سرہ

مخدوم ابوبکر (رح)      مخدوم محمد (رح)      مخدوم حسن (رح)      مخدوم صدرالدين (رح)

سلطان ایوب قتال (رح)      مخدوم لعل حافظ (رح)      مخدوم یعقوب (رح)      مخدوم ہود (رح)

حضرت قطب الاقطاب کے وصال کے وقت ان کے حقیقی بھتیجے شیخ صدرالدين محمد کے علاوہ مولانا علاؤالدین ، مولانا نصیرالدین ، مولانا نورالدین ، شیخ موسیٰ ، مولانا حسین ، مولانا ادریس ، مولانا عبدالغفار اور مولانا جہاؤالدین جیسے اعزا و اقارب موجود تھے۔ جو اپنے زہد و تقویٰ اور علم و فضل میں اس قدر شہرت رکھتے تھے۔ کہ دور دور سے لوگ ان کے ہاں دین کی کتابیں پڑھنے آتے تھے۔ اور یہ بزرگوار کئی تو حضرت قطب الاقطاب کے چچا زاد بھائی تھے اور کئی ان بھائیوں کے لڑکے تھے۔ جو شیخ صدرالدين محمد کے بعد سجادگی کے صحیح وارث تھے۔ ان کی موجودگی میں شیخ ہود (رح) سجادگی کا دعویٰ کیسے کر سکتے تھے بہر حال تاریخی ریکارڈ اور خاندانی شجروں سے صاف ظاہر ہے۔ کہ شیخ صدرالدين محمد حضرت قطب الاقطاب کے بعد بارگاہ غوثیہ کے متولی اور صاحب سجادہ بنے تھے نیز ان کا خاندان عتاب سلطانی سے بھی محفوظ رہا تھا چونکہ شیخ ہود (رح) حضرت قطب الاقطاب کے قریبی رشتہ دار تھے اس لئے ابن بطوطہ سے ان کے تنازعہ سجادگی میں سہو ہو گیا۔

(فریدی)



شمع بھی بجھ گئی \* حضرت شیخ الاسلام کو ان کے انتقال کا بڑا صدمہ ہوا۔ اور انہیں حضرت قطب الاقطاب کے پہلو میں دفن کیا۔ لیکن ایک سال بعد مو مبارک سے ان کے اعزا و اقارب آئے اور ان کا صندوق نکال کر لے گئے۔ کہتے ہیں کہ جب صندوق نکالا گیا تو وہ سر تا سر مشک و عنبر ہو رہا تھا۔ خانقاہ کا گرد و پیش معطر ہو گیا اور ملتان شہر کے تمام لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا۔ اس کے بعد بڑی شان سے آپکا جنازہ اٹھا اور سینکڑوں آدمیوں نے ہاتھوں ہاتھ مو مبارک تک پہنچایا چنانچہ آپ کا مزار نور بار مو مبارک کے قلعہ میں آج تک مرجع خاص و عام چلا آتا ہے۔ سلطان التارکین کے وصال کے بعد کافی عرصہ تک شیخ الاسلام صدرالدين محمد خانقاہ غوثیہ پر معتکف رہے۔ حضرت غوث العلمین کے زمانہ سے شیخ الاسلامی کا منصب اس خاندان میں چلا آتا تھا وہ حضرت قطب الاقطاب کے ساتھ ختم ہو گیا۔ چونکہ سلطان محمد تغلق اپنے تشدد کے سبب بہت بدنام ہو رہا تھا۔ اس لئے آپ نے حکومت سے رابطہ قائم رکھنے کی کوشش نہ فرمائی اور نہ ہی سلطان نے آپ کو دہلی حاضر ہونے کی تکلیف دی۔ ۲۱ محرم ۷۵۲ء

\* مؤلف تذکرہ حمیدیہ نے سیدالسادات شاہ راجن قتال (رح) سے روایت کی ہے۔ کہ دفعۃً ملتان میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ اس شہر کی ایک طرف غرق ہونے کو ہے ایک درویش نے سلطان التارکین سے آ کر عرض کی کہ ”حضرت! یہ کیا مشہور ہو رہا ہے!“

آپ نے فرمایا ”خیر ہے، یعنی ملتان غرق نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ ان دنوں کوئی صاحب رحلت کر جائینگے۔ چنانچہ اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ (صفحہ ۳۸)



کو سندھ میں ہندوستان کا یہ جبار اور قہار شہنشاہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کی جگہ امراء نے سلطان فیروز شاہ کو تخت پر بٹھایا۔ یہ نہایت نیک نفس نوجوان تھا اور درویشوں سے بے پناہ عقیدت رکھتا تھا \* اس لئے وہ ٹھٹھ سے براستہ سہوان ملتان

\* عقیف شمس سراج نے سلطان فیروز شاہ کی صغرسنی کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ وہ بیان کرتا ہے۔ کہ ایک دفعہ سلطان تغلق کے ہمراہ فیروز شاہ محبوب الہی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور شیخ کو کچھ ایسے ادب و احترام سے ملا۔ کہ وہ بہت خوش ہوئے۔ فرمایا بیٹے! کیا نام ہے؟ عرض کی بندے کو کمال الدین کہتے ہیں فرمایا عمر بکمال، دولت بکمال، نعمت بکمال۔

ایک دفعہ سلطان تغلق بزمانہ صوبیداری دیپال پور شیخ علاؤ الدین سجادہ نشین فرید الدین مسعود گنج شکر (رح) کی خدمت میں بمقام اجودھن حاضر ہوا۔ مجد تغلق اور فیروز شاہ بھی ہمراہ تھے۔ شیخ کے پاس کپڑے کا تھان پڑا تھا۔ خادم کو حکم دیا۔ کہ اس میں سے  $\frac{1}{4}$  گز کپڑا کاٹ کر پیش کرو۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ حضرت نے اپنے دست مبارک سے یہ کپڑا سلطان تغلق کو مرحمت فرمایا۔ پھر خادم کو ارشاد ہوا کہ  $\frac{1}{2}$  گز کپڑا اور کاٹو یہ کپڑا حضرت نے جو نا خان (مجد تغلق) کو مرحمت فرمایا۔

کمسن کمال الدین (فیروز شاہ) معصومانہ انداز سے شیخ کو دیکھ رہا تھا۔ حضرت نے خادم سے فرمایا کہ اسے چالیس گز کپڑا دے دو۔

حضرت نے سہانوں سے مسکرا کر فرمایا کہ اس کپڑے کو سر پر باندھ لو۔ ملک تغلق نے جلدی سے باندھ لیا۔ مگر مجد تغلق کو کافی وقت صرف کرنا پڑا۔ لیکن فیروز شاہ باندھتے باندھتے تھک گیا۔ اس کے سر پر ایک بڑا سا گٹھڑ بن گیا۔ اسی حالت میں تینوں کو رخصت کیا۔ ملک تغلق عزیزوں کے ہمراہ بوریہ نشین درویش کے حجرہ سے نکل کر جا رہا تھا اور شیخ کی نگاہیں ان کا تعاقب کر رہی تھیں۔ جب وہ دروازہ سے گذر گئے۔ تو حضرت نے مسکرا کر حاضرین کی طرف دیکھا۔ اور فرمایا کہ یہ تینوں افراد صاحب تخت و تاج ہونگے۔ رمز شناس نگاہیں تاز گئیں کہ یہ ابائی کے گز نہیں تھے۔ بلکہ بادشاہت کے سالوں کی تعداد تھی۔ اور دیکھنے والوں نے دیکھ لیا۔ کہ جتنا جتنا کپڑا شیخ کی بارگاہ سے ان افراد کو عطا ہوا تھا اتنے سال انہوں نے حکومت کی۔



پہنچا۔ حضرت غوث العلمین بہاء الحق والدين ابو محمد زکریا و حضرت سلطان الاولیاء شیخ محمد یوسف گردیزی قدس اللہ اسرارہم کے مقابر پر حاضری دی اور ان کے توسل سے اپنی کامیابی کی دعا مانگی۔ شیخ الاسلام صدرالدين محمد کو علم ہو چکا تھا۔ کہ دہلی میں خواجہ جہاں وزیر اعظم نے ایک مجہول النسب لڑکے کو سلطان محمد کا لڑکا ظاہر کر کے تخت نشین کر رکھا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سلطان کو اس سے مقابلہ کرنا پڑے اس لئے جیب خاص سے گراں قدر رقم بطور ہدیہ پیش کی۔ آپ کی دیکھا دیکھی ملتان

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۱

اسی طرح یہ تینوں بخت بیدار ایک دفعہ شیخ شرف الدین بو علی قلندر (رح) کی خدمت میں بمقام پانی پت حاضر ہوئے۔ حضرت قلندر نے خادموں کو حکم دیا۔ کہ ہر سہ مہانوں کو کھانا پیش کریں۔

خدا نے کھانا ایک ہی برتن میں رکھ کر پیش کیا۔ جب وہ کھانے بیٹھے تو حضرت قلندر نے خدام سے فرمایا کہ کیا ہی عجیب اتفاق ہے کہ تین فرمانروا ایک ہی برتن میں کھانا کھا رہے ہیں چوتھی بشارت فیروز شاہ نے سندھ میں سنی جب امراء تخت و تاج کے لئے جا نشین کا انتخاب کر رہے تھے۔ حضرت خواجہ نصیرالدين چراغ دہلوی نے جو لشکر شاہی میں موجود تھے۔ فیروز شاہ کو پیغام بھیجا کہ ”وعدہ کرو۔ کہ تم مخلوق خدا کے ساتھ عدل و انصاف کرو گے۔ ورنہ ہمیں ان بیکس بندگان خدا کے لئے اللہ تعالیٰ سے کوئی اور فرمانروا طلب کرنا پڑے گا۔“

فیروز شاہ نے جواب دیا۔ کہ میں خلقت کے ساتھ حلم و بردباری کرونگا۔ اور اتفاق و محبت سے ان پر حکمرانی کرونگا۔

حضرت نے فرمایا کہ اگر تم خلق خدا کے ساتھ خلق و مروت کرنے کا وعدہ کرتے ہو تو ہم نے بھی تمہارے لئے خدا سے حکومت طلب کر لی۔ ساتھ ہی فیروز شاہ کو ۳۹ کھجوریں بطور تحفہ ارسال کیں جنہیں بشارت پر بشارت خیال کیا گیا۔

(تاریخ فیروز شاہی)



کے تاجروں نے اشرفیوں کی تھیلیاں لا کر نذر گزاریں۔ جس سے لاکھوں روپے خزانے میں جمع ہو گئے۔ سلطان نے کہا صاحبو! اس وقت ضرورت کے پیش نظر آپ کا یہ ہدیہ قبول تو کر لیتا ہوں مگر یہ مجھ پر قرض ہے۔ دہلی پہنچ کر واپس کر دوں گا \* روانگی کے وقت شیخ الاسلام صدرالدین محمد سے عرض کی کہ آپ کے آباء کرام گاہے گاہے دارالسلطنت میں تشریف لا کر سلاطین وقت کی بزرگانہ نصائح سے راہنمائی فرمایا کرتے تھے۔ آپ بھی انکی سنت کو پورا کرنے کے لئے ضرور تشریف لایا کریں۔ شیخ کو سلطان کا یہ نیاز وانکسار اور انداز بیان بے حد پسند آیا۔ اور دہلی آنے کا وعدہ فرما لیا۔ چنانچہ جب سلطان بنگال کی مہم سے فارغ ہو کر دہلی واپس آیا۔ اور جشن استقلال منعقد کیا۔ تو اس موقع پر شیخ صدرالدین محمد تشریف لے گئے۔ ان دنوں سلطان سرسہ اور ہانسی کے درمیان لہراس بزرگ \*\* کے مقام پر ایک جدید شہر کی تعمیر کرا رہا تھا۔

\* تمام تاریخیں اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ سلطان نے دہلی پہنچتے ہی اس قرض کا پیسہ پیسہ ادا کر دیا تھا۔

\*\* لہراس بزرگ ایک مشہور گاؤں تھا۔ پانی یہاں تقریباً معدوم تھا۔ عراق و خراسان کے تاجر جب یہاں آ کر ٹھہرتے تھے تو انہیں ایک گھڑے پانی کے لئے چار چارجیٹل ادا کرنا پڑتے تھے۔ فیروز شاہ نے اس جگہ کو پسند کر کے حصار کی تعمیر شروع کرا دی۔ تمام ملوک و امرا کو خدمتیں تقسیم کر دیں اور چند سال میں یہ حصار (جو پتھر اور چونے سے بنایا گیا تھا) مکمل ہو گیا۔ اور اس کا نام حصار فیروزہ رکھا۔ اس کے بعد چاروں طرف خندق کھدوائی۔ اور اس کی مٹی سے حصار کے گرد دمدمہ بنوایا۔ شہر کے اندر بہت بڑا تالاب تعمیر کرایا۔ جس کے پانی سے خندق بھی ہر وقت لبریز رہا کرتی تھی مزید برآں ایک بہت بڑا محل بھول بھلیاں کی طرز کا تعمیر کرایا۔ اور متعدد دیگر محلات بنوائے جو اب کھنڈر بن چکے ہیں۔ (اسلامی ہند بحوالہ تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۱۹)



اسے دیکھنے کے لئے دہلی سے نکلا۔ اور کلانور کے مضافات میں شکار کھیلتا اور رعایا کو انعام و اکرام سے مالا مال کرتا حصار جا پہنچا۔ کئی دن شہر میں چراغاں رہا۔ اور امراء نے اپنے اپنے محلات کو آراستہ کر کے سلطان کی ضیافتیں کیں۔ اس کے بعد قصر شاہی میں دربار منعقد ہوا۔ جس میں امراء اور کاریگروں کو خلاع فاخرہ سے نوازا گیا۔ حضرت شیخ صدرالدين محمد کو ملتان سے آئے کافی عرصہ ہو گیا تھا۔ آپ نے واپس جانے کے لئے اجازت چاہی۔ سلطان نے آپ کو شیخ الاسلامی\* کے منصب کو قبول کرنے کی درخواست کی\*\*۔ اور ساتھ ہی گراں بہا خلعت، شمشیر مرصع اور زرین ہودج کا ہاتھی نذر کیا۔ اس کے بعد بڑے اعزاز و اکرام سے آپ کو رخصت کیا۔ شیخ صدرالدينؒ محمد شیخ الاسلامی کے فرائض کی تکمیل کے

\* شہاب الدين ابو العباس احمد دمشقی المتوفى ۷۳۹ھ نے مسالك الابصار في ممالك الامصار کے نام سے ایک ضخیم کتاب مرتب کی تھی جو بیس جلدوں پر مشتمل تھی۔ اب اس کی صرف پانچ جلدیں نظر آتی ہیں مگر وہ بھی یورپ کے کتب خانوں میں، پاک و ہند میں اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے۔ اس میں اس نے شیخ مبارک کی روایت سے محد تغلق کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ اس میں منصب شیخ الاسلامی کی بابت لکھتا ہے کہ اسلامی دور میں قاضی القضاہ اور شیخ الاسلامی کے دو موقر عہدے ہوتے تھے جنہیں دس دس قصابات جاگیر میں ملتے تھے۔ ان کی آمدنی ساٹھ ہزار تنکہ سے کم نہ ہوتی تھی۔ قاضی القضاة کا کام مقدمات کی سماعت اور احکام سزا وغیرہ دینا تھا۔ شیخ الاسلام کا کام شرع کے مطابق مسائل عامہ طے کرنا تھا۔ علماء و فقہاء کے جملہ امور قاضی القضاة سے اور مشائخ و فقراء کے تمام معاملات شیخ الاسلام کی وساطت سے طے پاتے تھے۔

(اسلامی ہند صفحہ ۲۰۱)

\*\* تاریخ معصومی از سید نظام الدین محد معصوم نامی، تاریخ ہند از مولوی ذکاؤ اللہ، خلاصتہ الاحباب از محد افضل



لئے گاہے گاہے بادشاہ کے پاس تشریف لے آئے تھے۔ وہ کس شان سے آتے تھے، بادشاہ کس ادب و احترام سے ان کا استقبال کرتا اور ان کے ارشادات کی تعمیل کرتا تھا وہ عقیف شمس سراج کی زبان سے سننے۔ لکھتا ہے کہ ”شیخ الاسلام ہمیشہ ایک پہر گزرنے کے بعد بادشاہ کی ملاقات کو آتے تھے۔ اس وقت بادشاہ محل چھجہ\* میں قالین کے اوپر بیٹھتا تھا۔ جب شیخ الاسلام محل کے قریب پہنچتے۔ تو سلطان باہر نکل کر ان کا استقبال کرتا اور اپنے ہاتھ شیخ الاسلام کے قدموں تک لے جاتا۔ حضرت بادشاہ کو دعا دیتے اور اپنے سینے سے لگاتے۔ اس کے بعد بادشاہ اور شیخ الاسلام دونو ایک مسند پر تشریف فرما ہوتے اور اس مجلس میں قاضی بغدادی اور ملک کبیر کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کو شریک ہونے کی اجازت نہ ہوتی۔ یہ دونو معتمد امراء بادشاہ کے پس پشت استادہ رہتے تھے۔ بادشاہ بڑے ادب و احترام سے شیخ الاسلام سے خیریت مزاج دریافت کرتا اور دینوی و دنیاوی معاملات پر گفتگو رہتی اس دوران میں قسم قسم کے طعام، بہترین شربت، سیوہ جات اور پان سے خاطر تواضع ہوتی رہتی۔ اس کے بعد شیخ الاسلام بادشاہ سے رخصت ہو کر تشریف لے جاتے

\* ملاقات کے لئے بادشاہ کے تین محل مشہور تھے۔ ایک کا نام ”محل صحن گلی“ اس کو محل انگور بھی کہتے تھے۔ دوسرے کا نام ”محل چھجہ چوبین“ تھا اور تیسرے کو محل بارعام کہتے تھے۔ پہلے محل میں صرف خواتین، ملوک، امراء اور خاص خاص اہل قلم سے ملاقات ہوتی تھی دوسرا محل (چھجہ) گویا خلوت کدہ تھا اور نہایت ہی مخصوص امراء کے ساتھ وہاں نشست ہوتی۔ تیسرا محل دربار عام کے لئے تھا۔

(اسلامی ہند صفحہ ۲۲۰ بحوالہ سراج عقیف مؤلف تاریخ فیروز شاہی)



اور بادشاہ چند قدم تک انہیں خدا حافظ کہنے کے لئے جاتا۔ رخصت ہونے کے وقت بھی شیخ الاسلام بادشاہ کو دعا دے کر اپنے سینے سے لگاتے۔ اگر حضرت شیخ الاسلام کو بادشاہ سے کسی ضرورت کے لئے کچھ کہنا ہوتا۔ تو وہ اپنی زبان فیض ترجمان سے کچھ ارشاد نہ فرماتے بلکہ کاغذ پر لکھ لیتے اور اسے اپنے رومال میں لپیٹ کر وہیں چھوڑ آتے۔ بادشاہ حضرت کو رخصت کر کے واپس آتا اور قالین پر سے حضرت کے رومال اور کاغذ کو اٹھا کر سر آنکھوں سے لگاتا اور اس مکتوب گرامی کو شروع سے اخیر تک احتیاط سے پڑھتا اور اس کا جواب حضرت کی منشاء کے مطابق لکھ کر اپنے حضور میں مرتب کرا کے کسی معتمد امیر کے سپرد کرتا اور حکم دیتا کہ یہ خط جلد سے جلد شیخ الاسلام تک پہنچا دے۔ بالعموم یہ فرمان شیخ الاسلام سے پیشتر انکی قیام گاہ پر پہنچ جاتا!

ایک اور ملاقات کا ذکر عقیفہ اس طرح کرتا ہے :-

”ایک روز شیخ الاسلام صدرالدين محمدؒ بادشاہ کی مجلس میں تشریف فرما تھے اور وجہ معاش کا ذکر ہو رہا تھا۔ بادشاہ نے ان دنوں رعایا کے لئے وظائف کا کوئی تازہ حکم جاری کیا تھا۔ اس پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے شیخ الاسلام نے فرمایا :-

”رحلت کے وقت مؤمن کے قلب پر دورنج و الم طاری

ہوتے ہیں۔ ایک اندوہ دینی دوسرا رنج دنیاوی۔

اندیشہ دینی سے یہ مراد ہے کہ لمحات آخر میں بندہ

مؤمن اپنی فطری خصلت و کیفیت کے مطابق رنج و

غم میں مبتلا ہوتا ہے۔ کہ ایسے نازک وقت میں



اس کو نجات کی بشارت ہوتی ہے یا عذابِ آخرت کی۔ اس لئے کہ کسی شخص کو اپنے خاتمہ کا صحیح علم نہیں ہے اور یہ کہ سوائے انبیاء علیہم السلام اور عشرہ مبشرہ کے کوئی فرد عصمتِ انسانی کا مرتبہ نہیں رکھتا۔ دوسرا اندوہ جو مومن کے قلب پر طاری ہوتا ہے۔ وہ دنیاوی رنج و الم ہے۔ ہر شخص سکرات کے عالم میں اسی فکر و الم کا شکار ہوتا ہے کہ اس کے بعد اس کے بال بچے کس حالت میں زندگی بسر کریں گے۔ جہاں پناہ نے اپنے عہدِ معدلتِ مہد میں ہر مومن کو دنیاوی فکر و رنج سے نجات دے دی ہے۔ اس حکم میں رعایا کے لئے اطمینان اور حضرت بادشاہ کے لئے بے شمار ثواب ہے اور میرا ایمان ہے۔ آپ نے جو کہ مخلوق کا درجہ رکھتے ہیں مومن کے قلب کو دنیاوی رنج و غم سے نجات دلا دی ہے تو پروردگار عالم جو خالقِ مطلق ہے اور جس کا رحم و کرم بے شمار و لامحدود ہے۔ اپنے بندے کو دینی فکر (عاقبت کے غم) سے بھی نجات دے دیگا۔ اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ

دارالسلام میں جگہ عنایت فرمائے گا۔“

اس وقت دربار پر سناٹا سا چھا رہا تھا۔ جب شیخ الاسلام نے تقریر ختم کی۔ تو تمام حاضرین دربار سر بسجود ہو گئے اور دیر



تک رب العلمين کی بارگاہ ميں اپنے حسنِ خاتمہ اور بادشاہ کی سلامتی کے لئے دعا مانگتے رہے سلطان بھی یہ منظر دیکھ کر آبدیدہ ہو گیا۔ عرض کی:۔

”حضرت! آپ کو معلوم ہے کہ قدیم سلاطین نے صرف چند روز دنیا ميں حکمرانی کی اور اس کے بعد دنیا سے چل بسے، ہم کو بھی ایک روز اس جہان فانی سے سفر کرنا ہے

اس کے بعد بادشاہ نے یہ شعر پڑھا۔

چوں بزمِ ما بہ بينی خالی زما بگوئی  
روزے درين محبت غوغا زدے حسابی

شيخ الاسلام لشكر شاهي  
کے ساتھ

عفيف لکھتا ہے کہ فیروز شاہ  
کا لشکر ٹھٹھ (سندھ) کو جا رہا

تھا حضرت شيخ الاسلام بھی ہمراہ تھے۔ راستے ميں ایک مقام پر جب دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوئی۔ تو حضرت نے فرمایا:۔

”بادشاہ نے پہلی دفعہ ٹھٹھ پر حملہ کیا اور لشکر

شاہی دہلی سے روانہ ہوا۔ تو بادشاہ نے اجودھن

پہنچ کر شيخ فریدالحق والدينؒ کی زیارت کی لیکن

حضرت شيخ الاسلام بہاء الدين زکریاؒ کے آستانہ پر

حاضر نہیں ہوئے حالانکہ اس زمانہ تک اہل

بصیرت نے ان دونوں خانوادوں ميں کسی قسم کی تفریق

گوارا نہیں کی۔ اس مرتبہ آپ یہ نذر فرمائیں کہ

ٹھٹھ کے فتح ہونے کے بعد ملتان حاضر ہو کر



مشائخ کرام کے آستانوں پر حاضری دینگے۔ شیخ الاسلام کی یہ تقریر سن کر فیروز شاہ نے فرمایا۔ کہ یہ خطرہ بارہا میری طبیعت میں پیدا ہوا ہے۔ اس کے بعد بادشاہ کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ اور تھوڑی دیر رک کر بڑی عقیدت سے بولا کہ

”انشاء اللہ تعالیٰ اس مرتبہ یہ ارادہ ضرور کرونگا اور خدا کی مرضی و مشیت کے مطابق عمل کرونگا\*“

فیروز شاہ ملتان میں | سندھ کی مہم سے کامیاب و کامران ہو کر سلطان واپس لوٹا تو اس

نے راہ میں مشائخ ملتان کی زیارت کا قصد کیا۔ چنانچہ جب لشکر شاہی ملتان کے قریب پہنچا۔ تو شیخ الاسلام اور دیگر مخادیم و امرائے شہر نے ایک منزل آگے بڑھ کر سلطان کا استقبال کیا۔ اور شاہانہ شوکت کے ساتھ شہر میں لے گئے۔ پہلی دفعہ جب سلطان شہر میں آیا تھا۔ تو شہر والوں نے اپنی بساط سے بڑھ چڑھ کر اسکی مدد کی تھی۔ اس لئے اس کے دل میں اہل ملتان کی بڑی قدر تھی۔ وہ ہر ایک سے محبت سے پیش آیا پہلے اس نے غوث العلمینؒ اور سلطان الاولیاء شیخ محمد یوسف گردیزی قدس اللہ اسرارہم کے مقابر کی زیارت کی\*\* اور پھر دربار منعقد کر کے اس میں اہل

\* تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۱۶۴

\*\* سلطان اس حدیث کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا تھا۔ کہ جب تم کسی امر میں حیران ہو اہل قبور سے مدد طلب کرو۔ قولہ علیہ السلام اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا من اهل القبور، عفیف لکھتا ہے کہ سلطان نے چالیس سال کامل ہندوستان پر حکمرانی کی۔ اور اس مدت حکومت میں ہر وقت و ہر آن



شہر کو انعام و اکرام سے خوب نوازا۔ شیخ الاسلام صدر الدین محمد نے انہی ایام میں ایک خواب دیکھا۔ کہ حضرت غوث العظیم فرما رہے ہیں۔ بیٹا! تم لوگوں نے قطب الاقطاب کو میری پائنتی میں دفن کر دیا ہے اس سے مجھے سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ تم ان کے صندوق کو دوسرے مقبرے میں منتقل کر دو! شیخ الاسلام نے اس خواب کا ذکر سلطان سے کیا۔ اس نے کہا کہ یہ قبہ تو سلطان محمد نے اپنی زندگی میں حضرت قطب الاقطاب کو نذر کیا تھا۔ آپ لوگوں نے حضرت کو اس میں دفن کیوں نہ کیا! حضرت نے فرمایا۔ کہ حضرت قطب الاقطاب کا خیال تھا کہ یہ مقبرہ سرکاری خزانے سے تعمیر کیا گیا ہے۔ اس لئے انہوں نے اس کو اپنے لئے پسند نہ فرمایا۔ سلطان نے کہا۔ میں ذاتی واقفیت

بقیہ حاشیہ ۲۸۹

اس قانون کا پابند رہا کہ بغیر زیارت بزرگان و حاضری مزارات اہل اللہ بادشاہ نے کبھی سفر نہیں کیا۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ میں نے بارہا بادشاہ کو اولیاء اللہ کی مزارات پر حاضری دیتے دیکھا ہے۔ وہ انتہائی ادب کے ساتھ مشائخ کرام کے مقابر پر جاتا۔ پہلے قبر کے سرہانے کھڑا ہوتا۔ اور رضائے الہی حاصل کرنے کے لئے اپنا سر بے حد ادب کے ساتھ زمین تک لے جاتا۔ اس کے بعد دو یا تین اور مقامات پر اپنے سر کو زمین پر رکھ دیتا۔ پھر قبر شریف کے متصل ادب کے ساتھ بیٹھ جاتا۔ اور احکام شرع کے مطابق آیات قرآن پاک تلاوت کرتا۔ اس کے بعد اٹھ کر مزار پر انوار کا غلاف پکڑ کر اپنی حاجتیں بیان کرتا۔ زیارت سے فارغ ہو کر کچھ دیر مقبرہ کے گرد و پیش کا جائیزہ لیتا اور اس کی ملحقہ قبروں پر فاتحہ پڑھتا۔ زان بعد سرکاری ملازم مقبرہ کے لئے خاص رقم کڑھوں میں رکھ کر پیش کرتے جو متولی درگاہ کے سپرد کر دی جاتی۔ فقراء اور مساکین میں رقم تقسیم کرنے کے لئے ایک شخص کو مقرر کیا جاتا تھا۔ عقیف کے والد اور چچا بارہا اس خدمت پر مقرر کئے گئے تھے۔

(تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۱۴۰)



کی بنا پر دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ اس مقبرے پر سرکاری روپیہ صرف نہیں ہوا۔ اپنی قبر کے لئے کون پسند کرتا ہے۔ کہ اس پر مشتبہ مال سے عمارت تیار ہو۔ سلطان تغلق نے بزمانہ صوبیداری دیپال پور محال خالصہ کی آمدنی سے اسے تیار کرایا تھا۔ نہایت متدین معمار اسکی تعمیر پر لگائے گئے تھے۔ اسی طرح جو مقبرہ کوٹلہ تغلق آباد میں تعمیر ہوا ہے۔ اس پر بھی سلطان کی ذاتی رقم صرف ہوئی ہے۔ آپ بلا توقف حضرت کے جسد اطہر کو اس مقبرہ میں منتقل کریں۔ بلکہ یہ کام میری موجودگی میں ہو جانا چاہئے۔ سلطان کی اس تقریر سے شیخ الاسلام کی طبیعت شگفتہ ہو گئی۔ اور مقبرے کی تعمیر سے متعلق جو تشویش تھی وہ دور ہو گئی۔ چنانچہ اسی دوران میں ہی قطب الاقطاب کے صندوق کو حضرت غوث العلمین کی پائنتی سے نکال کر مقبرہ سلطانی میں منتقل کیا گیا۔ اس تقریب پر ملتان شہر کے تمام لوگ جمع تھے۔ لوگوں نے بڑھ بڑھ کر کندھا دیا۔ خود فیروز شاہ بھی تابوت اٹھانے میں شریک تھا۔ حضرت قطب الاقطاب کے خاندانی ریکارڈ میں ”انتقال تابوت“ کا واقعہ تفصیل سے درج ہے۔ لیکن مؤلف تذکرہ ملتان نے صرف اتنا لکھا ہے کہ :-

”بعد از وفات چوں سلطان تغلق در دہلی مدفون

گشت، قبہ کہ در ملتان برائے خود ساختہ بود،

سلطان السلاطین محمد فیروز شاہ شیخ رکن الدین

ابو الفتح فیض اللہ قریشیؒ را حسب الاشارة آن



بزرگ از خانقاه جد بزرگوارش بر آورده در قبہ

مذکور دفن کنائید“ (صفحہ ۳۲)

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد بموجب خلاصتہ الاحباب ۵۷۶ھ میں شیخ الاسلام صدرالدين محمد<sup>ؒ</sup> کا انتقال ہو گیا اور اپنے آباء کرام کے پہلو میں سپردِ خاک ہوئے۔

## شیخ الاسلام رکن الدین اسمعیل سمرقندی<sup>ؒ</sup>

شیخ الاسلام صدرالدين محمد<sup>ؒ</sup> کے بعد ان کے اکلوتے صاحبزادے شیخ رکن الدین اسمعیل سمرقندی<sup>ؒ</sup> سجادہ نشین ہوئے ان کے زمانہ میں دہلی کی سلطنت سخت کمزور ہو چکی تھی۔ بیک وقت دو بادشاہوں کا سکہ چل رہا تھا۔ پرانی دلی میں محمود شاہ بادشاہت کرتا تھا۔

اور وہیں کے وہیں فیروز آباد میں اسی کا ایک دوسرا عزیز ناصرالدين نصرت شاہ کے نام سے کوس لمن الملکی بجا رہا تھا۔ دونوں کے لشکر آئے دن ٹکراتے تھے مگر کوئی نتیجہ نہ نکلتا تھا۔ سارے ہندوستان میں الگ الگ پارٹیاں بنی ہوئی تھیں اور ہر ایک نے اپنے اپنے مقبوضات جدا بنا لئے تھے\* اس آئے دن کی خانہ جنگیوں کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہندوستان کے قدیم ترین دشمن مغل تیمور لنگ کی کمان میں گھٹا کی طرح اس ملک پر چڑھ آئے۔ امیر تیمور کے بھانجے میرزا پیر محمد جہانگیر نے لپک کر ملتان کو محاصرہ میں لے لیا۔ سارنگ خاں صوبیدار نے چھ ماہ تک مقابلہ کیا اور

\* منتخب التواریخ از ملا عبدالقادر بدایونی (رح)



نوبت بایں جا رسید کہ شہریوں کو چوھے بلی بھی کھانے کو نہ ملتے تھے۔ انجام کار تنگ آ کر سارنگ خاں نے شہر کے دروازے کھول دئے۔ چنگیزیوں نے خوب جی بھر کر شہر کو لوٹا۔ اور جسے چاہا قتل کیا۔ تیمور تلمبہ کو فتح کر کے موضع جنجان میں خیمہ زن تھا۔ کہ پیر محمد جہانگیر نے حاضر ہو کر لوٹ کا مال پیش کیا۔ یہاں سے تیمور گرجتا برستا دہلی پہنچا اور اسے لنگڑا لولا کر کے ۱۹ جمادی الآخر ۸۰۱ھ کو براہ نگر کوٹ افغانستان کی وادیوں میں غائب ہو گیا۔ حضرت شیخ رکن الدین اسمعیل قدس سرہ، اس حادثہ کے چند ماہ بعد اسی سال میں ہی فوت ہو گئے۔

شیخ الاسلام عمادالدین کمہی پھوڑ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت رکن الدین اسمعیل کے بھی صرف ایک ہی صاحبزادے تھے۔ شیخ عماد الدین جو آپ کے بعد آبائی مسند کے مالک بنے۔ خضر خاں کو ان سے بے حد عقیدت تھی۔ اس نے آپ کو شیخ الاسلامی کا منصب عطا کیا۔ ۸۲۸ھ میں اس نیک نام بادشاہ کا انتقال ہو گیا اس کے بعد سلطان مبارک شاہ تخت نشین ہوا۔ اس نے باپ کے علی الرغم تیموری ایالت کا جوا اپنے کندھے سے اتار پھینکا۔ شاہرخ میرزا کی طرف سے شیخ علی صوبیدار کابل نے ملتان اور شور کوٹ کے مقام پر دو تین سخت جنگیں لڑیں۔ مگر اسے شکست ہوئی۔ سلطان مبارک شاہ فتحیاب ہو کر ملتان آیا۔ اور حضرت غوث العلمین خواجہ بہاء الحق والدین زکریا ملتانیؒ اور سلطان الاولیاء شیخ محمد یوسف گردیزیؒ کے مقابر پر حاضر ہو کر فاتحہ پڑھا۔ شیخ الاسلام عماد الدین اور سجادہ نشین صاحب آستانہ یوسفیہ کو خلاع فاخرہ و مادہ فیل نذر کی۔ مجاوروں، درویشوں اور گوشہ نشین لوگوں کو انعام و اکرام



و صدقات و خیرات سے راضی کر کے دہلی کو لوٹ گیا۔ تیرہ سال نیک نامی سے حکومت کر کے یہ بادشاہ بھی قبر میں جا سویا۔ چونکہ اسکی اپنی اولاد نہ تھی اس نے اپنے بھتیجے سلطان محمد شاہ کو بمثل اولاد کے پرورش کیا تھا۔ اور اسی کے حق میں وصیت کر گیا۔ چنانچہ ۸۴۱ھ میں یہ شہزادہ بمقام دہلی تخت نشین ہوا۔ ۸۴۸ھ میں ملتان آیا۔ اور اپنے چچا کی طرح بارگاہِ غوثیہؒ و آستانہ یوسفیہؒ پر حاضر ہوا۔ فاتحہ پڑھا، شیخ الاسلام عمادالدینؒ و سجادہ نشین صاحب آستانہ یوسفیہ کی خدمت میں گراں بہا خلعتیں نذر کیں۔ اور مجاوروں، درویشوں اور زائرین کو انعام و اکرام سے خوش کیا۔ شیخ الاسلام عمادالدینؒ کی تاریخ وصال نہیں مل سکی۔ یہ چھ بیٹوں کے باپ تھے۔ ان کے انتقال پر ان کے بڑے صاحبزادے شیخ صدرالدين حلیمؒ سجادہ نشین ہوئے۔

## شيخ الاسلام صدرالدين حلیمؒ

ان کے دور میں لودھی افغانوں کو فروغ نصیب ہوا۔ چونکہ لودھیوں کا حضرت غوث العلمینؒ کے خانوادہ سے روحانی جسمانی رابطہ رہا ہے۔ اس لئے یہاں ان کا اجالا ذکر کیا جاتا ہے۔ فرشتہ اور مولوی ذکاؤ اللہ اپنی تاریخوں میں لکھتے ہیں۔ کہ لودھی افغانوں کی ایک جماعت تھی۔ جو ہندوستان میں تجارت کے لئے آیا جایا کرتی تھی۔ سلطان فیروز شاہ کے زمانہ میں ملک بہرام نام ایک لودھی سردار اپنے بڑے بھائی سے ناراض ہو کر ملتان چلا آیا۔



اور یہاں کے صوبیدار مردان دولت کا نوکر ہو گیا۔ اس کے پانچ بیٹے تھے ملک سلطان شاہ، ملک کالا، ملک فیروز، ملک محمد، ملک خواجہ۔ باپ کے مرنے کے بعد یہ پانچوں بیٹے بھی ملتان آگئے۔ جب خضر خان ملتان کا صوبیدار بنا۔ تو اس نے سلطان شاہ کو اپنی ملازمت میں لے لیا۔ اقبال خاں کی لڑائی میں اس نے مردانہ وار جنگ کی۔ اور اقبال خاں کا سر کاٹ کر خضر خاں کے قدموں میں لا پھینکا۔ خضر خاں نے اس خدمت کے صلہ میں اسے اسلام خاں کا خطاب اور سرہند کی حکومت سپرد کی۔ اس کے اور بھائی بھی ہمراہ تھے اور وہ فوج میں افسر تھے۔ ان میں سے ملک کالا نیازی افغانوں کی لڑائی میں مارا گیا۔ اسکی بیوی حاملہ تھی۔ اور ملتان میں رہتی تھی وضع حمل کے ایام قریب تھے۔ کہ اتفاقاً اُس پر مکان کی چھت آ پڑی۔ وہ تو اس صدمہ سے مر گئی۔ لیکن جنین زندہ رہا۔ جو اُس وقت ماں کا پیٹ چاک کر کے نکالا گیا۔ یہی وہ یتیم ”بلو“ تھا جسکی قسمت میں آئندہ بہلول لودھی ہونا لکھا تھا۔ یہ ایک ماہ کا تھا۔ کہ اسے اسلام خاں کے پاس لے آئے۔ اس نے اسے پالا پوسا، تربیت کیا۔ ایک لڑائی میں بہلول نے شجاعت و جلالت کے ایسے جوہر دکھائے کہ اسلام خاں نے خوش ہو کر اس سے اپنی لڑکی کی شادی کر دی۔ اسلام خاں کافی طاقت کا مالک تھا اور بارہ ہزار افغانوں کو اپنے گھر سے تنخواہ دیتا تھا۔ یہ افغان اکثر اسکی برادری کے تھے۔ جب اسلام خاں کی رحلت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کے ہوتے ہوئے بہلول خاں کو قائم مقام مقرر کیا۔ اور اپنی پگڑی



اس کے سر پر بندھوائی۔ اسلام خان کے مرنے کے بعد اس کے  
بھائی ملک فیروز اور بیٹے قطب خان نے بہلول کا مقابلہ کیا لیکن  
دونوں کو شکست ہوئی۔ اور بہلول کا اقتدار بڑھ گیا۔

بہلول درویشوں کے سایہ میں  
بہلول کو درویشوں سے بڑی  
عقیدت تھی۔ ابتدائے حال میں

ایک دن وہ اپنے دو دوستوں کے ساتھ سامانہ کے مضافات کی سیر  
کرتا پھرتا تھا۔ کہ دفعۃً سیدا نام ایک درویش کے ہاں جا نکلا۔  
وہ مغلوب الحال بزرگ تھے۔ اور اوندھے لیٹے کچھ بڑبڑا رہے  
تھے۔ بہلول قریب پہنچ کر رک گیا۔

فقیر نے کہا ”تخت دہلی بدو ہزار تنکہ سے فروشم  
کسے خریدار ہست؟“\*

بہلول کی کمر کے ساتھ سولہ سو تنکہ کی ہمیانی بندھی  
تھی۔ اس نے کھول کر آگے رکھ دی۔ اور کہا ”خرید میکم  
الا بیش ازین، ہیچ ندارم“\*\*

درویش نے اسی حالت میں پڑے پڑے ہاتھ بڑھا کر رقم  
اٹھالی۔ اور کہا ”دادم۔!“

بہلول خورسند ہو کر آگے بڑھا۔ تو دوستوں نے اس کی سادہ  
لوحی پر مذاق کیا۔ بہلول بولا :-

”دوستو! منو یہ بات دو حال سے خالی نہیں اگر  
بادشاہ بن گیا۔ تو مفت میں تاج و تخت کا مالک  
ہو جاؤنگا۔ ورنہ درگاہ الہی سے درویشوں کی

خدمت کا صلہ تو ضرور ملے گا!“

\* دہلی کا تخت دو ہزار تنکہ میں فروخت کرتا ہوں کوئی خریدار ہے؟  
\*\* ”میں خرید کرتا ہوں لیکن اس سے زیادہ رقم نہیں رکھتا“



مولانا ذکاؤ اللہ لکھتے ہیں کہ مجذوب کی اس بشارت سے بہلول کو دہلی کی سلطنت کی دُھن صغر سنی سے لگ چکی تھی۔ اور اسے یقین ہو چلا تھا۔ کہ ایک نہ ایک دن مجھے تخت شاہی ضرور نصیب ہوگا۔ ایک روایت یہ بھی ہے۔ کہ بہلول کو عزت خاتون المعروف بہ ہیر سیال سے بھی دلی عقیدت تھی۔ جن دنوں یہ پنجاب کے صوبہ دار تھے۔ مائی ہیر جھنگ سے پیدل چل کر ان کے پاس لاہور پہنچی اور فرمایا۔

”بہلول میاں! دہلی کا تخت خالی ہے۔ فوراً پہنچ

کر سلطنت کا کام سنبھال!\*

چنانچہ جب بہلول دہلی پہنچا۔ تو واقعی تخت خالی ہو چکا تھا۔ اور اس کا مالک بدایوں کی آب و ہوا پر لٹو ہو کر وہیں خانہ نشین ہو گیا تھا۔ بہلول کو تخت پر قبضہ کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی اس اجال کی تفصیل ہم آئندہ اوراق میں بیان کرینگے۔ تقریباً انہی دنوں میں شیخ الاسلام صدرالدين حلیم کی وفات واقع ہوئی۔ انتہائی کوشش کے باوجود ہمیں انکی تاریخ وفات نہیں مل سکی۔ قیاس یہی ہے۔ کہ انہوں نے سلطان علاؤالدين محمد شاہ کا زمانہ نہیں پایا تھا۔

”حلیم“ کا لقب آپ کے سفر مندرہ کی یادگار ہے۔ شیر علی صاحب قانع\*\*

”حلیم“ کی وجہ تسمیہ

لکھتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ شیخ الاسلام صدرالدين ثالث<sup>ؒ</sup> سید محمد حسین گجراتی کے ہمراہ ٹھٹھہ کی جامع مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے تشریف

\* ذکر العارفین از مولانا غلام قادر صاحب اشرفی

\*\* تحفة الکرام جلد سوم صفحہ ۱۹۰ و ۲۳۹



لئے جاتے تھے۔ کہ حضرت نے راستے میں ہی شاہ صاحب سے نہایت لطيف پيرائے میں پوچھا۔ کہ ”پيرى چہ چیز را بايد گفت“ شاہ صاحب نے ادھر ادھر دیکھا۔ اتفاق سے مردہ بلی کے ایک خشک ڈھانچہ پر نظر جا پڑی۔ شاہ صاحب نے اس پر توجہ کی اور فرمایا برخیز! ”شاہ صاحب کا یہ کہنا تھا۔ کہ بلی زندہ ہو کر بھاگ گئی۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ ”پيرى ابن است“ شيخ الاسلام خاموشی سے راستہ طے کرتے رہے۔ جب مسجد کی دھلیز پر پہنچے۔ تو خادم سے فرمایا کہ بازار سے ایک جاہل کافر خرید لا۔ چنانچہ خادم نے تھوڑی سی دیر میں ایک برہمن کو لا کر پیش کر دیا۔ آپ نے اسے منبر پر بٹھا کر فرمایا۔ ”وعظ کر!“ برہمن نے کھڑے ہو کر بسم اللہ شريف کے چودہ معنی بیان کئے اور اس فصاحت و بلاغت سے تقریر کی کہ حاضرین دنگ رہ گئے۔

اب شيخ الاسلام شاہ صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا مردوں کا زندہ کرنا بدعت ہے۔ اس سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اور سکرات کی تلخی کو دوبارہ چکھنا پڑتا ہے۔ البتہ مردہ دلوں کا زندہ کرنا ہمارے مشائخ کا طریقہ رہا ہے۔“

شاہ صاحب کو یہ جواب بڑا پسند آیا اور انہوں نے فرمایا کہ آپ تو ”حليم“ ہیں اس پر حضرت نے فرمایا اور آپ ”مشائخ کی مراد“ ہیں۔ یہ الفاظ ان بزرگوں کی زبان سے کچھ ایسے وقت میں نکلے تھے کہ یادگار زمانہ بن کر رہ گئے۔ شيخ الاسلام صدرالدين ”حليم“ اور سيد محمد حسين ”مراد شاہ“ کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔



شیخ الاسلام محمد یوسف قاسمی  
نجدہ میں بارگاہِ غوثیہ

فرمانروائے ریاست مملکتان



شيخ الاسلام صدرالدين حليم قدس سره العزيز لا ولد تھے۔ ان کی وفات کے بعد انکے چھوٹے بھائی شيخ محمد يوسف قریشی آستانہ غوثیہ کے متولی اور سجادہ نشین قرار پائے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ دلی کی حکومت برائے نام رہ گئی تھی۔ ۸۴۷ھ میں سلطان علاء الدین محمد شاہ تخت نشین ہوا مگر یہ آرام طلب اور کمزور بادشاہ تھا۔ مغل فوج جو کابل غزنی اور قندھار میں رہتی تھی۔ مل کر ملتان پر چڑھ آئی۔ یہاں کوئی صوبے دار یا حاکم ایسا نہیں تھا۔ جو اس طوفان سے ٹکر لے سکتا۔ مغل بلا کسی مزاحمت کے شہر میں گھس آئے۔ اور ایسا ٹوٹا کھسوٹا۔ کہ بس قیامت آگئی۔ سارا شہر تباہ و برباد ہو گیا۔ مغلوں سے جو اٹھ سکا۔ اٹھا لے گئے اور جو نہ اٹھا سکے اسے جلا کر راکھ کر دیا۔

اس مصیبت کبریٰ کے بعد جب اہل ملتان کے ہوش بجا ہوئے۔ تو انہوں نے مل کر یہ صلاح کی۔ کہ اپنا خود مختار حاکم بنایا جائے۔ جو اس ملک کا خاطر خواہ انتظام کرے۔ اس سلسلے میں کئی نام پیش

ہوئے۔ ان میں حضرت غوث العلمینؒ قدس سره العزيز کے سجادہ نشین

شيخ محمد يوسفؒ کا نام نامی بھی تھا۔ انکی خدا ترسی، دینداری

اور انتظامی قابلیت مسلمہ تھی شہر بھر میں ہر دل عزیز تھے۔ سب نے باتفاق رائے انہیں اپنا بادشاہ بنایا۔ بقول مولانا ذکاء اللہ ۸۴۷ھ ہجری المقدس

میں شيخ محمد يوسفؒ کی تخت نشینی عمل میں آئی۔ تاریخ نظام الدین کا بھی یہی بیان ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ :-

”چوں در ۸۴۷ھ نوبت سلطنت و فرمانروائی دہلی



بسلطان علاؤالدین بن محمد شاہ رسید، امر حکومت و کار سلطنت مختل گشت و در ممالک محروسہ ہند طوائف بہر سید ولایت ملتان بواسطہ تواتر صدمات قہر مغول از حاکم خالی ماند چون بزرگی شیخ الطریقۃ بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ در قلوب اہل ملتان و جمہور زمینداران صوبہ بنوع قرار گرفتہ بود کہ زیادہ بران متصور نباشد۔ جمیع اہالی و اشراف و

عموم سکنہ و جمہور متوطنان آنحدود شیخ محمد یوسف را کہ تولیت خانقاہ و حراست و مجاورت روضہ رضیہ

شیخ بہاء الدین زکریا باو متعلق بود سلطنت و بادشاہی

برداشتہ بر منا بر ملتان و اوچہ وغیرہ بعضے قصبات

خطبہ بنام او خواندند و مشارء الیہ نیز با انتظام مہام

حکومت پرداختہ شروع در ازدیاد جمعیت و افزونی

لشکر نمودہ دلہائے زمینداران بخود رام ساخت و مہمات

ملکی را رونقے و رواجے داد،

الغرض ملتان، آج اور مضافات کے اکثر قصبات میں شیخ محمد یوسف

کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور اس نے تھوڑے سے عرصہ میں ملک کا

انتظام قائم کر دیا۔ لشکر میں خاصہ اضافہ کیا۔ اور اس حدود کے

جملہ زمینداران و طومان داران پر لطف و احسان کر کے انکے دلوں

کو مسخر کر لیا۔ چونکہ یہ طوائف الملوک کا زمانہ تھا۔ دلی کے

تخت کا رعب اٹھ چکا تھا۔ اس لئے ہر سردار جسکی تھوڑی بہت کچھ

جمعیت تھی۔ شاہی کے خواب دیکھنے لگ گیا تھا۔ بہلول لودھی



اسی طمع میں دہلی کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ آدھر سیوی (سندھ) میں رائے سہرہ نامی ایک لنگہ سردار کے دل میں بھی ہوس کا ناگ جھوم اٹھا۔ یوسف شاہ کی حکومت اسکی نگاہوں میں خار کی طرح کھٹکنے لگی۔ چونکہ لوگوں نے شیخ کو ازخود اپنا بادشاہ بنایا تھا۔ اور انکے حسن انتظام سے تمام لوگ خوش تھے۔ اس لئے رائے سہرہ کو علی الاعلان جنگ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اس نے کچھ سوچ کر حضرت کی خدمت میں ایک پیغام بھیجا۔ کہ

” ہم باپ دادا کے وقت سے آپ کے سلسلہ سے اعتقاد رکھتے چلے آئے ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ دہلی کی سلطنت فتنہ و خلل سے پر ہے۔ اور اسی دوران میں بہلول افغان نے دہلی میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا ہے۔ مناسب ہے، کہ آپ قوم لنگہ کی خاطر کریں اور اسے اپنے لشکر میں شامل کریں تاکہ ضرورت کے وقت وہ جان سپاری کریں بالفعل ارادت کی پختگی کیلئے اپنی لڑکی کو آپ کی زوجیت میں دیتا ہوں۔ \*“

\* آباء و اجداد مارا نسبت ارادت و اعتقاد بسلسلہ ایشاں درست شدہ و مملکت دہلی از آشوب و فتنہ خالی نیست۔ و مے گویند کہ ملک بہلول لودھی دہلی را متصرف شدہ خطبہ بنام خود خواندہ اگر شیخ متوجہ احوال جامعہ لنگہاں شود و مارا از جملہ لشکریاں خود داند بر خدمتے و ہمے کہ روئے دہد۔ در جان سپاری خود را معاف نخواہم داشت و بالفعل بجهت استحکام ارادت و جانسپاری دختر خود را بشیخ مے دہم و ایشاں را بدامادی خود قبول مے کم۔

(تاریخ نظام الدین)



شيخ محمد يوسفؒ جو اس سازش سے قطعاً بے خبر تھے۔ رائے سہرہ کی درخواست کو قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے اور اس کی لڑکی کو سلاطین کی رسم کے مطابق نکاح کر کے حرم میں داخل کیا۔

رائے سہرہ کبھی کبھی اپنی لڑکی سے ملنے کے لئے خفیہ طریق سے ملتان آتا اور شيخ کو عمدہ عمدہ تحفے پیش کرتا۔ اگرچہ حضرت اور رائے سہرہ میں حد درجہ بے تکلفی ہو چکی تھی۔ اور وہ شہر میں رہائش رکھنے کا آرزو مند تھا۔ لیکن پرسم سلاطین شيخ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ رائے ملتان شہر میں قیام کرے۔ وہ جب آتا شہر سے باہر آرتا اور بیٹی کو تنہا دیکھنے آتا۔ اس طرح جب اس کا اعتبار قائم ہو گیا۔ تو اس نے اپنی سوچی سمجھی سکیم پر عمل کرنے کا تہیہ کر لیا۔ شيخ محمد يوسف قریشی کو تاج شاہی سر پر رکھے بمشکل دو سال گزرے تھے کہ رائے سہرہ اپنے جنگ آزما جوانوں کو جمع کر کے ملتان پر چڑھ آیا۔ تاکہ کسی طرح مکرو حیلہ سے شيخ کو پکڑ کے خود حاکم ملتان بن جائے۔ جب وہ ملتان کے مضافات میں پہنچا۔ تو اس نے شيخ کو کہلا بھیجا کہ اس دفعہ اپنی قوم کے تمام جنگجو مرد ہمراہ لایا ہوں تاکہ آپ میری جمعیت دیکھ کر لائق خدمات تجویز فرمائیں۔ شيخ محمد يوسفؒ اپنی نیک دلی کے سبب رائے کے دھوکہ میں آ گئے اور وہ بلا کسی مزاحمت کے ملتان کے قلعہ تک آ پہنچا۔ اور معہ اپنے لشکر کے خیمہ زن ہو گیا۔

یہ تمام نام نمود دکھانے کے بعد رائے سہرہ عشا کے بعد ایک خدمتگار کے ہمراہ لڑکی کو ملنے کیلئے شاہی محل کو روانہ ہوا۔



اور ملازم کو یہ سکھا دیا کہ مکان کے کسی کونہ میں بزغاله ذبح کر کے اس کا خون میرے پاس لے آنا \* چنانچہ راتے سہرہ جب لڑکی کو مل کر آرام کے لئے ایک کمرہ میں جا لیٹا۔ تو خدمتگار گرم خون سے بھرا ہوا پیالہ لے آیا۔ اور اس نے غٹا غٹا چڑھا لیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے بے ہنگم شور سے سارا محل سر پر اٹھا لیا۔ اسکی لڑکی اور گھر کی خادمائیں دوڑتی ہوئی آگئیں۔ اس نے ہائے واہے کرتے ہوئے کہا۔ کہ بس میرے خاتمہ کا وقت قریب آ گیا۔ شدت درد سے پیٹ پھٹا جا رہا ہے میرے خویش و اقارب کو بلاؤ تاکہ ایک نظر انہیں دیکھ لوں۔ راتے سہرہ کی لڑکی نے شیخ کو اطلاع کی۔ انہوں نے اپنے معتمد آدمی امر واقعہ معلوم کرنے کے لئے بھیجے۔ ان کے سامنے راتے سہرہ نے استفراغ دموی کیا۔ جس سے انہیں یقین ہو گیا کہ راتے کا بچنا محال ہے۔ راتے خون کی قے بھی کر رہا تھا اور ساتھ ہی چلائے بھی جا رہا تھا۔ کہ میرے آدمیوں کو بلاؤ غضب ہے کہ تم اس وقت میں بھی مجھے خویش و اقارب سے ملنے نہیں دیتے۔ ادھر سوچی سمجھی سکیم کے مطابق اس کے تمام فوجی دروازہ پر جمع ہو گئے کہ ہم سردار سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہمارے آقا کو کیا ہو گیا؟!، جب وکلانے سلطنت نے یہ صورت حال دیکھی تو وہ مزاحم نہ ہوئے۔ اور راتے کے اکثر شمشیر آزما جوان اندر آ گئے۔

\* راتے سہرہ بعد از نمودن شانِ واجب شبے با یک خدمتگار بملاقات دختر آمد و بخدمتگار قرار دادہ کہ در زاویۂ خانہ بزغاله را بکارد رسانیدہ و خون مسفوح گرم را در پیالہ انداختہ بیارد۔  
(تاریخ نظام الدین)



رائے سہرہ جھوٹ موٹ کراہے جا رہا تھا۔ ساتھ ہی اسکی نگاہیں بے چینی سے اس امر کا جائزہ لے رہی تھیں کہ اس کا تیر نشانہ پر پڑا ہے یا نہیں، اسی اثنا میں خدمت گار نے اس کے پاؤں دبانے شروع کئے۔ یہ اس امر کی علامت تھی۔ کہ فوج اندر آ چکی ہے۔ آپ اپنا کام شروع کریں۔ اشارہ پاتے ہی رائے سہرہ مستعدی اور ہوشیاری سے بستر پر اٹھ بیٹھا۔ اپنے معتمد نوکروں کو حکم دیا۔ کہ قلعہ کے تمام دروازوں پر پہرہ لگا دیں تاکہ شیخ صاحب کا کوئی ملازم اندر نہ آسکے۔ پھر اپنی فوج کا ایک دستہ ہمراہ لے کر شیخ کی خلوت گاہ میں داخل ہوا۔ وہ نماز پڑھنے کے بعد بے خبر پڑے سوتے تھے، کہ دشمن سر پر آ پہنچا۔ اس عالم میں وہ کر ہی کیا سکتے تھے۔ انکے پلنگ کے چاروں طرف ننگی تلواروں کا پہرہ تھا۔ وہ حیرت سے کھڑے ایک ایک کا منہ تکتے تھے، کہ کیا یوں بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اتنے میں رائے سہرہ نے بڑھ کر انہیں گرفتار کر لیا۔ یہ سب کچھ اتنی ہوشیاری اور رازداری سے ہوا۔ کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو سکی۔ صبح کو اہل شہر نے یہی سنا۔ کہ شیخ محمد یوسف قریشی گرفتار ہو گئے۔ اور رائے سہرہ سلطان قطب الدین کے لقب سے تخت پر بیٹھ گیا۔

ملتان کی سیاسی فضا میں تھوڑی سی جنبش ہوئی۔ مگر جب شہر کے ہر چوک اور موڑ پر تلواریں چمکتی نظر آئیں۔ تو پھر ہر شخص نے صبر کا گھونٹ پی لیا۔

رائے سہرہ نے بہت جلد اعیان دولت پر قابو پا لیا۔ اور ساتھ ہی اس



نے شیخ محمد یوسف قریشی کے اعزا و اقارب کو انعام و اکرام سے نوازا۔ جس سے تمام لوگ اسکی حکومت پر راضی ہو گئے۔

شیخ محمد یوسف قریشیؒ کو ان کے اپنے محل میں نظر بند کر دیا گیا۔ جب انکی طرف سے کسی دغدغے اور خدشے کا امکان نہ رہا۔ تو ایک دن انہیں خاموشی کے ساتھ قلعہ سے نکل جانے کی اجازت دے دی اور وہ تیز رو گھوڑے پر سوار دہلی کو روانہ ہو گئے۔

تاریخ نظام الدین میں یہ واقعہ ذرا تفصیل سے درج ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ :  
”شیخ محمد یوسفؒ کو قلعہ کے شمالی دروازہ سے جو خانقاہ غوث العلمین کے قریب واقع تھا۔ نکل جانے کی اجازت دے دی۔

پھر اس دروازہ کو پختہ اینٹوں سے چن دیا گیا۔ ۱۰۰۲ھ تک یہ دروازہ اسی طرح مسدود تھا“۔ تاریخ کے اصل الفاظ یہ ہیں :۔

شیخ محمد یوسفؒ را از دروازہ کہ شمال رویہ و

قریب مزار نورالانوار شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین

زکریاؒ واقع است۔ بر آورده رخصت دہلی نمود و فرمود

تا آن دروازہ را بخت پختہ چیدند۔ و چنی گویند

کہ آن دروازہ تا ۱۰۰۲ھ مسدود است\*۔

ملتان میں یہ انقلاب ہو گیا۔ آدھر

خاندان سادات بھی آخری ہچکیاں

دلی نے انگریزی

لے رہا تھا۔ تاریخ خان جہان لودھی\*\* میں لکھا ہے کہ

\* ملا عبدالباقی بہاوندی مؤلف مائثر رحیمی نے ۱۰۳۰ھ میں بھی اس دروازہ کو جوں کا توں پایا تھا۔ (مائثر)

\*\* تاریخ خان جہان لودھی اور ”مخزنِ افغانہ“ دراصل ایک ہی کتاب کے دو

نام ہیں یعنی ”مخزنِ افغانہ“ پر جب نظر ثانی کی گئی تو کچھ حذف و اضافہ کے

بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۳۰۷



اس وقت سلطان علاؤ الدین عالم شاہ کی سلطنت کے متعلق عام طور پر یہ فقرہ ضرب المثل ہو گیا تھا۔ کہ ”بادشاہی شاہ عالم، از دہلی تا پالم“ \* المختصر سلطنت دہلی کا حدود اربعہ یہ رہ گیا تھا۔ ایک جانب صرف ایک میل اور باقی اطراف میں بارہ میل سے زائد زمین نہ تھی۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ بادشاہ کو بدایون کی آب و ہوا اسقدر اچھی معلوم ہوئی۔ کہ آسے دارالحکومت بنانے پر تیار ہو گیا پختہ کار امراء نے ہر چند منع کیا مگر وہ باز نہ آیا اور دلی، اپنے معتمد امیروں کے سپرد کر کے بدایون چلا گیا۔ بہلول لودھی جب دہلی پہنچا۔ تو آسے تخت حاصل کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی لیکن اسکے باوجود اس نے شرافت کا ثبوت اسطرح دیا کہ علاؤ الدین عالم شاہ کا نام خطبہ اور سکھ میں بدستور جاری رکھا\*\*۔ بادشاہ کو جب معلوم ہوا۔ تو وہ بہت خوش ہوا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۶ -

ساتھ اسکا نام تاریخ خان جہاں لودھی پڑ گیا۔ اس کے مصنف کا نام نعمت اللہ تھا۔ یہ دربار جہانگیر کا وقائع نویس تھا۔ اس کا باپ خواجہ حبیب اللہ ہراتی پینتیس سال اکبر کی ملازمت میں رہ چکا تھا۔ مخزن کے دیباچہ میں خواجہ نعمت اللہ لکھتا ہے کہ میں نے یہ کتاب خان جہاں لودھی کے حکم سے مرتب کی۔ اور اس کی ترتیب میں سامانہ کے حاکم ہیبت خان بن سلیم خان سے بڑی مدد ملی کیونکہ اس نے بھی افغانوں کی منتشر تاریخ کو یکجا فراہم کرنے کی کوشش کی تھی یہ کتاب برہان پور میں لکھی گئی اور ۱۰۲۱ھ/۱۶۱۲ء میں ختم ہوئی۔ مسٹر ڈورن نے مخزن کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے، اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نعمت اللہ فرشتہ کا معاصر تھا۔

\* پالم پور دہلی کے قریب ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔

\*\* تاریخ فرشتہ۔



اور اس نے لکھا کہ میرے باپ نے تمہیں بیٹا بنایا تھا۔ اس لئے تم میرے بھائی ہو۔ دہلی کی سلطنت میں تمہیں دیتا ہوں۔ اور خود بدایوں پر قناعت کرتا ہوں۔ جس پر بہلول شاہ نے ۸۵۵ میں خطبہ سے علاؤ الدین عالم شاہ کا نام خارج کرا دیا۔ اور چتر شاہی سر پر رکھ کر دہلی کا بادشاہ بن بیٹھا۔

سلطان بہلول لودھی سے شیخ محمد یوسف قدس سرہ کے گہرے

شیخ محمد یوسفؒ دہلی میں

مراسم تھے۔ جب انہیں علم ہوا۔ کہ وہ تخت نشین ہو چکا ہے تو یہ سیدھے انکے پاس پہنچے۔ اس نے آپ کا بڑا احترام کیا۔ اور ان کے بیٹے شیخ عبداللہ قریشی سے اپنی صاحبزادی کی شادی کر دی۔

شیخ محمد یوسف کو رائے سہرا کی کور نمکی سے جو دھچکا لگا تھا۔ اس کا زخم سلطان بہلول کے الطاف شاہانہ سے بھی مندمل نہ ہو سکا۔ وہ رائے سہرا سے انتقام لینے کیلئے سخت بیچین تھے۔ اسلئے نہیں کہ وہ ملتان پر حکمرانی کرنے کے آرزو مند تھے۔ بلکہ اسلئے کہ ملتان ان کا وطن تھا۔ ملتان میں انکے جد اعلیٰ کا مقبرہ تھا۔ جسکے وہ صاحب سجادہ تھے۔ وہ ہزار بادشاہتوں کے عوض بھی اس منصب کو دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ وہ چاہتے تھے۔ کہ رائے سہرہ سے جس نے نمک جرامی کا داغ ماتھے پر لگا کر ان سے ملتان کی بادشاہت چھینی ہے عروس البلاد ملتان کو آزاد کرائیں حضرت غوث العلمین قدس سرہ کی عطا کردہ مسند پر بیٹھ کر خلق خدا کو نیکی کا راستہ دکھائیں۔ چنانچہ وہ جب کبھی موقع پاتے۔ سلطان کو ملتان پر حملہ کرنے کا مشورہ دیتے۔ لیکن



وہ اپنی مصلحتوں کے پیش نظر ملتان کی طرف متوجہ ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔ کیونکہ ابھی تخت و سلطنت کے کئی طاقتور دعوے دار موجود تھے۔ جون پور کی سلطنت الگ گلے کا ہار بنی ہوئی تھی۔ اس لئے شیخ کو محض وعدوں سے خوش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سولہ سال گذر گئے۔ اور رائے سہرہ ۸۴۷ھ/۱۴۶۹ء میں سلطان قطب الدین لنگاہ کے نام سے ایک طویل عرصہ بادشاہت کرنے کے بعد فوت ہو گیا۔ اسکے بعد اس کا بڑا لڑکا شاہ حسین لنگاہ کے نام سے تخت پر بیٹھا۔ یہ بڑا قابل اور مستعد حکمران تھا۔ ایک غاصب سلطنت کا بیٹا ضرور تھا۔ مگر اسکے علاوہ اس میں اور کوئی عیب نہ تھا۔ اس نے علماء اور مشائخ کی پرورش کی اور علوم متداولہ و فنون جاریہ کو ترقی دی۔ اس نے اپنے لشکر فراہم کر کے شور کوٹ کا رخ کیا۔ اور اُسے فتح کر کے شاداں و فرحاں واپس ملتان آیا۔ پھر کچھ عرصہ آرام کرنے کے بعد ”کونکر“ پر چڑھ دوڑا۔ اور اس طرف دھنکوٹ تک اپنی سلطنت کو وسیع کیا۔ یہ ابھی اس نواح میں حدود کا انتظام کرتا پھرتا تھا۔ کہ شیخ محمد یوسف کے پیہم اصرار و تقاضا کے پیش نظر اور اس وقت کو غنیمت جان کر سلطان بہلول نے اپنے بیٹے باربک شاہ کو ملتان کی مہم پر روانہ کیا۔ اور تاتار خان لودھی کو بھی ہدایت ہوئی۔ کہ وہ پنجاب کے لشکر کے ساتھ اس فوج کی مدد کرے یہ دونو سردار متواتر کوچ کرتے ہوئے ملتان کو روانہ ہوئے اتفاق سے انہیں ایام میں سلطان حسین کا حقیقی بھائی جو کوٹ کروڑ کا حاکم تھا۔ اس سے منحرف ہو گیا اور اس نے سلطان شہاب الدین لنگاہ کے



نام سے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ سلطان حسین نے اس فتنہ کے مٹانے کو تمام امور پر مقدم جانا بگولے کی طرح اڑتا ہوا کوٹ کروڑ پہنچا۔ اور سلطان شہاب الدین کو زندہ گرفتار کر کے ملتان کو واپس چلا آتا تھا کہ دوران سفر میں اسے خبر ملی کہ باریک شاہ اور تاتار خاں ملتان کے مضافات میں عید گاہ کے قریب پہنچ کر خیمہ زن ہیں۔ اور قلعہ گیری کے انتظام میں مصروف ہیں۔ سلطان حسین اس خبر کے سنتے ہی شباشب دریائے سندھ سے بھاگا اور طلوع صادق سے پہلے ملتان پہنچ کر قلعہ میں داخل ہو گیا۔ اسی وقت اپنی تمام فوج کو جمع کر کے بڑی موثر تقریر کی اور کہا کہ تمام فوج سے شمشیر زنی کی توقع نہیں ہو سکتی۔ بعض کو عیال و اطفال کی محبت دامنگیر ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ لوگ جنگ و جدل میں مفید ثابت نہیں ہوتے لیکن وہ دوسرے کاموں میں بڑی مدد دے سکتے ہیں۔ جیسے قلعہ کی حفاظت۔ لشکر کو رسد پہنچانا وغیرہ۔ لہذا میری طرف سے کسی پر جبر نہیں۔ جو وطن پر جان قربان کر سکتا ہو۔ جو بے تکلف تلوار چلا سکتا ہو۔ وہ صبح کو میدان میں نکلے۔ باقی قلعہ کا خیال رکھیں۔ چنانچہ بارہ ہزار سوار و پیادہ جنگ کیلئے تیار ہو گئے۔ جب صبح ہوئی تو ملتان کا یہ لشکر جرار نقارہ بجاتا ہوا شہر سے برآمد ہوا۔ سلطان حسین باریک شاہ کی فوج کے سامنے ڈٹ گیا۔ اور حکم دیا کہ تمام سوار پیادہ ہو جائیں۔ خود بھی گھوڑے سے اتر پڑا۔ اور کہا کہ تمام فوج ایک ہی دفعہ تین تیر دشمن پر چلائے۔ پہلی ہی بار بارہ ہزار تیر کان سے نکلے۔ باریک شاہ کی فوج گھبرا آٹھی۔ دوسری بوچھاڑ نے ان



میں انتشار پیدا کر دیا۔ اور تیسری میں وہ لشکر اس طرح بھاگا۔ کہ شدت خوف سے چنیوٹ تک کہیں دم نہ لیا۔ اس مہم میں بجائے اسکے کہ ملتان ہاتھ آتا۔ دلی کا لشکر اپنا وقار کھو بیٹھا اور لاکھوں روپوں کا سامان بھی یہیں چھوڑ گیا۔

انہی ایام میں ملک سہراب خان دودائی بلوچ کہ اسمعیل خان، حاجی خاں اور فتح خان کا باپ تھا۔ اپنے قبائل کے ہمراہ کیچ مکران سے شاہ حسین کی خدمت میں آیا۔ سلطان حسین نے باریک شاہ کی مہم سے تازہ تازہ نجات پائی تھی۔ بلوچوں کی آمد کو اس نے فال نیک تصور کیا۔ اور قلعہ کروڑ سے دھنکوٹ تک کا تمام علاقہ اسکی قوم کو جاگیر میں دے دیا۔ اس خبر کے سنتے ہی بلوچستان سے بہت سے بلوچ شاہ حسین کی خدمت میں آگئے۔ روز بروز انکی جمعیت زیادہ ہوتی گئی۔ سلطان نے سندھ کے کنارے جو باقی دیہات معمور اور آباد تھے۔ انہیں بلوچوں کی تنخواہ میں دے دیا۔ رفتہ رفتہ سیت پور سے دھنکوٹ تک تمام ریاست بلوچوں سے متعلق ہو گئی۔

سلطان سکندر لودھی سے معاہدہ ۱۳۸۸ء میں سلطان بہلول فوت ہو گیا اور اسکی جگہ اسکا چھوٹا

لڑکا نظام شاہ سلطان سکندر لودھی کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔ اسے بھی کئی حریفوں سے ٹکر لینا پڑی۔ پہلی لڑائی اسکے چچا زاد بھائی سے ہوئی اسے شکست دی اور پھر بڑی دریا دلی سے اسے معاف بھی کر دیا۔ اسکے بڑے بھائی باریک شاہ صوبہ دار جونپور نے کچھ ہل چل کی تھی۔ مگر چند دنوں بعد وہ بھی مطیع ہو گیا۔ سلطان حسین سابق شاہ جونپور نے اپنا ملک واپس لینا چاہا۔ بڑی



شان سے مقابلے میں آیا۔ مگر شکست کھائی۔ بہار۔ ترہت اور گوالیار کی مہمات میں سلطان سکندر اسقدر الجہا کہ وہ ۱۳۹ء تک دلی واپس نہ آسکا انجام کار اس نے آگرہ کو دلی کی جگہ دارالخلافت بنا لیا۔

سلطان حسین لنگاہ نے جب سکندر لودھی کو مخالفوں میں گھرا ہوا دیکھا تو اس نے تعزیت و تہنیت کا ایک خط مع قیمتی تحائف کے ایلچیوں کے ہاتھ اسکو ارسال کیا اور ساتھ ہی اس امر کی درخواست کی کہ آپس میں مصالحت کا عہد نامہ ہو جائے۔ سلطان سکندر نے اپنے ماحول کے پیش نظر اسی کو غنیمت جانا۔ اور باہمی مصالحت پر راضی ہو گیا۔ ایک عہد نامہ لکھا گیا جس کا نفس مضمون یہ تھا :-

”دونوں سلاطین ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں گے۔

اور کسی ایک کی فوج اپنی حد سے تجاوز نہ کرے گی

اور جب ایک کو مدد و معاونت کی ضرورت ہوگی تو

دوسرا دریغ نہ کرے گا۔“

اس عہد نامہ پر اعیان و اشراف کی شہادتیں ثبت کی گئیں۔ اور ایلچیوں کو خلعت فاخرہ دے کر بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا گیا۔

ملتان کی مردم خیزی کا اعتراف

سلطان حسین کی جب ادھر سے خاطر جمع ہوئی تو اس نے سلطان

مظفر گجراتی سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری کیا۔ اور قاضی محمد

کو اس لئے گجرات روانہ کیا۔ کہ وہاں کے محلات دیکھ کر نقشے

تیار کر لائے۔ تاکہ ملتان میں بھی ویسی عمارتیں تیار کی جائیں۔

چنانچہ قاضی محمد احمد آباد پہنچا۔ اور سلطان کی خدمت میں باریاب



ہو کر تحائف و ہدایا پیش کئے۔ سلطان بڑے اخلاق سے پیش آیا۔ اور اسکی بڑی عزت کی۔ جب قاضی صاحب واپس آنے لگے۔ تو انہوں نے سلطان کی خدمت میں محلات کے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، سلطان نے داروغہ محلات کو حکم دیا۔ کہ ”سہان عزیز کو تمام عمارات کی سیر کرائے“۔ قاضی محمد نے محلات شاہی دیکھ کر انکے خاکے تیار کر لئے۔ جب واپس ملتان پہنچا۔ تو اس نے شاہ حسین کی خدمت میں عرض کی۔ کہ ”اے بادشاہ! زبان احمد آباد کے محلات کی تعریف بیان کرنے سے قاصر ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اگر آپ تمام مملکت ملتان کا ایک سال کا محصول صرف کر ڈالیں تو بھی احمد آباد کے محلات جیسا ایک محل تعمیر نہیں ہو سکتا“ \* سلطان یہ حال سن کر مغموم ہوا۔ عہدالملک وزیر حاضر ہوا۔ اور اس نے بادشاہ کو مغموم پایا۔ تو وجہ دریافت کی سلطان نے کہا۔ ”کہنے کو تو بادشاہ کہلاتا ہوں مگر لوازمات شاہی سے محروم ہوں۔ قیامت کے دن جب بادشاہوں کے ساتھ اٹھایا جاؤنگا۔ تو ان کے سامنے میری کس قدر سبکی ہوگی!“ عہدالملک نے عرض کی ”حضرت اس جہت سے ملول و مغموم نہ ہوں۔ حق سبحانہ، و تعالیٰ نے ہر مملکت کو ایک صفت کے ساتھ مخصوص کیا ہے جسکے سبب سے وہ اور ملکوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ اگرچہ گجرات دکن۔ مالوہ اور بنگالہ زرخیز ملک ہیں اور اسباب تنعم وہاں احسن طور

\* چون قاضی محمد از گجرات بملتان آمد بعد اداۓ رسالت خواست کہ شمشہ از خوبہائے منازل سلاطین گجرات معروض دارد۔ دید کہ زبان بیان لال است و پائے مرکبش لنگ۔ گستاخی نموده بعرض رسانید کہ اگر محصول تمام مملکت ملتان را بتعمیر یک قصر خرچ شود معلوم نیست کہ با تمام رسد۔ (تاریخ نظام الدین)



پر حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن مملکت ملتان مردم خیز ہے۔  
 ملتان کے بزرگ جہاں جاتے ہیں۔ وہیں ان کی عزت ہوتی ہے۔  
 شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ کے خانوادہ میں ابھی تک کئی ایسے  
 نفوس موجود ہیں۔ جو اپنے تمام کہالات میں شیخ محمد یوسف پر  
 فوقیت رکھتے ہیں اور شیخ محمد یوسف کا درجہ دہلی میں یہ ہے  
 کہ سلطان بہلول نے اسکے بیٹے کے ساتھ اپنی لڑکی بیاہ دی ہے  
 اور بطور پیر و مرشد کے انکی عزت کرتا ہے۔ اسی طرح بخاری  
 خاندان کے چند افراد آج اور ملتان میں ایسے موجود ہیں۔ جو  
 کہالات ظاہری و باطنی میں دہلی کے حاجی عبدالوہابؒ پر شرف  
 رکھتے ہیں علماء کے طبقہ میں مولانا فتح اللہ اور انکے شاگرد  
 مولانا عزیز اللہ ملتان کی خاک پاک سے پیدا ہوئے ہیں اگر ہندوستان  
 انکے وجود پر فخر کرے تو بے جا نہ ہوگا۔ جب عہد الملک نے  
 یہ تقریر کی تو سلطان حسین کا رنج خوشی میں بدل گیا \*

\* عہد الملک کہ شغل وزارت باو مفوض بود قدم جرأت پیش نہادہ معروض داشت  
 کہ بقائے ملک بقیامت بقرون باد سبب حزن معلوم نیست گفت کہ لفظ بادشاہی  
 بر من اطلاق کردہ اند و از معنی بادشاہی محروم ہوں۔ باوجود روز قیامت با بادشاہان  
 خواہم بود۔ عہد الملک گفت خاطر بادشاہ ازین جہت مکدر و ملول نباشد زیرا کہ  
 حق سجانہ و تعالیٰ ہر ملکہ را بفضل خاص مخصوص ساختہ کہ در مملکت دیگر  
 عزیز و محترم است۔ مملکت گجرات و دکن و مالوہ و بنگالہ اگرچہ زرخیز اند  
 و اسباب تنعم آنجا بوجہ احسن میسر مے شود فاما مملکت ملتان مردم خیز است۔  
 چہ بزرگان ملتان ہر جا کہ رفتند معزز گشتند و الحمد للہ و المنتہ کہ از طبقہ علیہ  
 شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہ چند کس در ملتان حاضر اند کہ در  
 جمیع کہالات بر شیخ یوسف قریشی کہ سلطان بہلول پسرش را دختر دادہ وچہ مقدار  
 عزتش نگاہ مے دارد ترجیح دارند و همچنین از طبقہ بخاریہ چند کس در آج و  
 ملتان موجود اند۔ کہ در کہالات ظاہری و باطنی بر خدمت حاجی عبدالوہاب  
 شرف دارند و از طبقہ علماء مثل مولانا فتح اللہ و شاگرد او مولانا عزیز اللہ از خاک  
 پاک ملتان مخلوق شدہ اند کہ اگر مملکت ہندوستان بوجود این عزیزان افتخار  
 کند بیہودہ نگفتہ باشد۔ (تاریخ نظام الدین)



شیخ محمد یوسف قریشیؒ جب لودھی سلاطین کی مدد سے مایوس ہو گئے تو وہ گجرات کو روانہ ہوئے۔ یہاں سہروردی سلسلہ کے ایک بااثر بزرگ حضرت قطب عالمؒ رہتے تھے۔ جن کا بادشاہ بڑا احترام کرتا تھا۔ اور یہ حضرت قطب الاقطاب رکن عالم قدس سرہ کے مرید در مرید تھے افسوس ہے کہ زندگی نے وفا نہ کی اور ابھی یہ چتوڑھی پہنچے تھے کہ ان کا طائر روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔ اور وہ اعلیٰ علیین کے ایسے مقام پر پہنچ گئے، جہاں کوئی کسی سے انتقام نہیں لیتا۔ آپ کا مزار نور بار چتوڑ میں مرجعِ خلائق ہے۔

### شیخ محمد یوسف کا انتقال

شیخ محمد یوسف قریشیؒ کے چار صاحبزادے تھے۔ شاہ نعمت اللہ،

### اولادِ امجاد

شیخ یحییٰ، شیخ شہر اللہ اور شاہ عبداللہ قریشی۔ رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔

آپ زندگی بھر دہلی میں رہے۔ آپ کا شیخ علاؤ الدینؒ نام ایک فرزند

### ۱۔ شیخ نعمت اللہ

تھا جو لا ولد فوت ہو گیا۔

شیخ محمد یوسف قریشیؒ جب ملتان سے روانہ ہونے لگے تھے۔ تو

### ۲۔ شیخ یحییٰ

انہوں نے شیخ یحییٰؒ کے فرزند شیخ برہان الدین اسمعیلؒ کو ملتان

میں چھوڑا تھا۔ جو ان کی عدم موجودگی میں بارگاہِ غوثیہؒ کی تولیت کے

فرائض انجام دیتے رہے تھے۔ ۱۸۹۲ء میں ان کا انتقال ہوا۔ تو شیخ یحییٰؒ

کو منصبِ سجادگی مرحمت ہوا۔ ان کے وصال پر شیخ محمد یوسفؒ کے

تیسرے صاحبزادے شیخ شہر اللہ صاحبؒ ملتان پہنچے اور حضرت

غوث العلمین؛ حضرت قطب الاقطاب اور مائی پاک دامن رحمہم اللہ



علیہم کے مستقل سجادہ نشین قرار پائے۔ چونکہ آپ داخل نسب ہیں اس لئے آپ کا ذکر تفصیل کے ساتھ اپنے مقام پر ہی ہوگا۔

آپ شیخ محمد یوسفؒ کے تیسرے صاحبزادے تھے۔ آپ بہت بڑے فضل و کمال کے مالک تھے۔ آپ نے

۳۔ شیخ عبداللہ قریشیؒ  
دہلوی۔

ابتدائے حال میں ایسی ایسی ریاضتیں کی تھیں۔ جو انسانی طاقت سے بعید معلوم ہوتی ہیں۔ اخبار الاخیار\* کی روایت ہے کہ ابتدائے سلوک میں جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے۔ تو ہزار رکعت سے کم نہ پڑھتے۔ اور جب قرآن مجید پڑھنے بیٹھتے تو جب تک تین ختم نہ کر لیتے۔ مصحف مقدس کو بند نہ کرتے۔ اور ایک ساعت کے ذکر سے انہیں اس قدر فوائد اور برکات حاصل ہوتے تھے۔

جو عام طور پر دوسروں کو دن بھر کی مشغولی سے بھی حاصل نہیں ہوتے۔ ان کے اس مرتبہ عظیمہ اور جلالت قدر کو دیکھ کر سلطان بہلول لودھی نے انہیں اپنی دامادی میں لے لیا تھا۔ اس شہزادی سے آپ کے چار صاحبزادے تولد ہوئے۔ شیخ احمد، شیخ محمود شیخ نصر اللہ اور شیخ رکن الدین۔ جب لودھی خاندان کا ستارہ غروب ہو گیا۔ تو ان بزرگوں کی اولاد سندھ اور جنوبی ہند کی طرف منتقل ہو گئی۔ حضرت شیخ عبداللہ پر بالعموم سکرو جذب کا عالم طاری رہتا تھا۔ اس لئے آپ کا مرید صادق شیخ حاجی عبدالوہابؒ اپنی تفسیر میں آپ کو رئیس العقلاء و المجانین کے لقب سے یاد کرتا

• فرمود دار ابتدائے سلوک کہ اگر نماز سے گذار دیم کمتر از ہزار رکعت نبودے۔ و اگر تلاوت سے کردیم از سہ ختم کم نمے کردیم و فائدہ کہ بر ذکر یک ساعت مرتب سے شد زیادہ از آن ہمہ بود اخبار الاخیار صفحہ ۲۱۴

✓  
ص  
۳۳۳  
۳۲۲



ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے :-

”انی كنت ليلة في خدمته مرشدي رئيس العقلاء  
والمجانين عبدالله بن يوسف القرشي وكان يعلمني  
مما علمه الله فلما انتهى الى كفيته المشاهدة فقال  
ان هذا العلم لا يدخل في التقرير ولكن اذا حصل  
واسترشد يرشد وقال ذلك لان القلوب في كونها  
وعاء الاحوال متفاوتة لا يوجد قلبان متفقان في  
وجدان ثمرات الاحوال اصلاً۔

یعنی ”میں ایک رات اپنے مرشد رئیس العقلاء و  
المجانین شاہ عبدالله قریشیؒ کی خدمت میں تھا۔  
اور وہ مجھے اپنے خداداد علم میں سے کچھ سمجھا  
رہے تھے۔ یہاں تک کہ آپ شاہدہ کی کیفیت  
تک پہنچے اور فرمایا کہ یہ علم تقریر سے نہیں  
سمجھایا جاسکتا۔ بلکہ جب یہ نعمت حاصل ہو  
جاتی ہے تو انسان خود بخود منزل مقصود تک  
پہنچ جاتا ہے۔ دلیل دیتے ہوئے فرمایا۔ یہ اس  
لئے کہ چونکہ ”قلب“ احوال مختلفہ کا ظرف ہے۔  
بدیں وجہ احوال کے ثمرات میں دو دل ہرگز  
متفق نہیں ہو سکتے۔“

حضرت کے جذب و سکر کا ذکر کرتے ہوئے محدث دہلوی\*  
لکھتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ شیخ عبدالله قریشیؒ ایک قصر رفیع کی



چھت پر بیٹھے تھے۔ دفعہ آپ پر کیفیت طاری ہوگئی۔ اور اسی حالت میں مربع نیم بسمل کی طرح تڑپتے تڑپتے زمین پر آگرے۔ لیکن انہیں کوئی چوٹ وغیرہ نہ لگی۔

ایک اور دفعہ جذب و سکر کے عالم میں ایک بزغاله کو پکڑ کر زمین پر پٹخ دیا۔ جس سے وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔ لوگوں نے عرض کی۔ حضور! ایک جاندار کو بلا وجہ آپ نے جان سے مار دیا۔ مناسب تو یہ تھا کہ آپ مردوں کو زندہ کرتے آٹا آپ زندوں کو مارنے لگے۔!، آپ یہ سن کر کھڑے ہو گئے۔ اور بزغاله کو ٹھوکر مار کر فرمایا۔ آٹھ! مردوں کو بدنام نہ کر۔، قدرت الہی سے اسی بزغاله میں اس وقت جان پڑگئی اور آٹھ کھڑا ہوا۔

ایک اور مرتبہ آپ پر جذب کی حالت طاری تھی۔ نوکروں سے فرمایا۔ کہ گھر کا تمام سامان باہر نکال دو تاکہ آسے آگ لگائیں۔ آپ کا صاحبزادہ شیخ احمد ان دنوں خورد سال تھا۔ اور اتفاق سے اس وقت پاس کھڑا تھا۔ نہایت معصومیت سے بولا ”اباجان! گھر سے ایک ایک چیز کا نکال کر نذر آتش کرنا تو بڑی دردسری کا کام ہے۔ بہتر یہ ہے کہ سارے سامان کو گھر کے اندر ہی آگ لگادیں۔ تاکہ سب کچھ ایک ہی دفعہ جل کر راکھ ہو جائے“۔ شاہ عبداللہ اپنے بیٹے کی سعادت مندی سے بڑے خوش ہوئے۔ اور اس کے حق میں دعا کی۔ \*

\* روزے شاہ عبداللہ در حالت سکر بود۔ بخدمت گاران ارشاد کرد کہ ہر متاعی کہ در خانہ است بیرون آرید و آتش زئید تابسوزد، پسر حضرت شاہ عبداللہ بقینہ حاشیہ بر صفحہ ۳۱۹



۲۲۔ صفر . . . ۵۹۰ میں آپ کا انتقال ہوا۔ \* اور پرانی دہلی میں دفن ہوئے۔ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ کہ جس قصر رفیع کی چہت سے حضرت گرے تھے۔ وہ اب تک آپ کے مقبرہ کے پہلو میں ایستادہ ہے حضرت مولانا آخر میں لکھتے ہیں کہ ”یزار و بتبرک“ یعنی میں نے اس نور بار مقام کی زیارت کی ہے اور اس سے برکت حاصل کی ہے۔

آپ کے خلفاء اور مریدوں میں حاجی  
شيخ عبدالوہاب بخاری رحمۃ اللہ علیہ

### آپ کے خلفاء و ارادتمندان

کا ذکر عام تذکروں میں ملتا ہے۔ مولانا محدث لکھتے ہیں۔ کہ حاجی عبدالوہاب بخاری کو اپنے پیر شاہ عبدالله قریشی سے اس قدر محبت تھی کہ گویا وہ اپنے زمانہ کے مولانا روم اور شمس تبریز تھے۔ مولانا کے اپنے الفاظ یہ ہیں :-

”اورا باشاہ عبدالله نسبت محبت و نیاز و طلب واستر شاد  
چنداں بود کہ آنچه مے گویند کہ فنافی الشیخ مے  
باشد این چنین خواہد بود۔ و نسبت صحبت او باوے  
بطریق تشبیہ مناسب حکایت مولانا روم است  
باشمس تبریز قدس اللہ اسرار ہم \*“

حاجی عبدالوہاب کی ایک تفسیر مشہور ہے۔ اس کی بڑی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۸

شیخ احمد خورد سال دران وقت حاضر بود۔ بخدمت پدر بایستاد و گفت بیرون  
آوردن اسباب یکان یکان از اندرون خانہ خالی از تکلف نیست۔ ہم در خانہ آتش  
زنیم کہ ہمہ بیکبارگی بسوزد حضرت شاہ بروے دل خوش شد و در حق وے

دعاے خیر کرد۔ خزینۃ الاصفیاء جلد دوم صفحہ ۷۳

\* خزینۃ الاصفیاء جلد دوم بحوالہ معارج الولايت

\*\* اخبار الاخیار صفحہ ۲۱۵



خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام قرآن کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت یا ذکر سے متعلق ثابت کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں عشق و محبت کے بے شمار اسرار و رموز اس صحیفہ صدق میں درج ہیں۔ چنانچہ مولانا نے سورہ مریم کے چند اقتباسات اخبار الاخیار میں درج کئے ہیں۔ افسوس ہے کہ ہم بوجہ عدم گنجائش یہاں درج کرنے سے قاصر ہیں۔ انشاء اللہ قطب الاقطاب کی سیرت میں ہم نہ صرف حاجی عبدالوہاب کے ان جگر پاروں کو تفصیل سے پیش کریں گے۔ بلکہ آپ کے کشمیری خلفاء کے مجاہدانہ کارناموں کو بھی شرح و بسط کے ساتھ منظر عام پر لاسکیں گے۔ حضرت شیخ عبدالوہاب کا ۳۰۹ھ میں انتقال ہوا۔

سید جمال الدین سہروردی  
قدس سرہ

یہ اپنے بڑے بھائی شیخ عبدالوہاب بخاریؒ کے خلیفہ اعظم تھے۔ ان کے زمانہ میں کشمیر میں چک

قوم کے لوگوں کی حکومت تھی۔ وہ متشدد قسم کے شیعہ تھے۔ انہوں نے سنیوں کو تنگ کر رکھا تھا \* انہیں اپنے عقائد کے مطابق نماز تک پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ سید جمال الدین کو ان واقعات کا علم ہوا۔ تو یہ صرف صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے کشمیر تشریف لے گئے۔ ایک دنیا کو اپنے فیض باطن سے بہرہ مند کیا۔ حضرت مخدوم شیخ حمزہ کشمیری قدس سرہ کو حضرت کے فضل و کمال کا علم ہوا۔ تو وہ حاضر ہو کر صدق ارادت سے مرید ہوئے۔ اور خرقہ خلافت سلسلہ عالیہ سہروردیہ حاصل کیا۔

\* اب کوثر از شیخ محمد اکرام ایم۔ اے صفحہ ۳۶



حضرت کچھ عرصہ کشمیر میں رہ کر واپس دہلی تشریف لائے۔ اور ۸۰۸ھ میں عالم فانی سے عالم جاودانی کو انتقال فرمایا۔

کشمیر میں سہروردی فقراء | شیخ حمزہؒ کے خلفاء میں بابا روبی ریشیؒ علامہ فیروز الدینؒ مفتی

کشمیر بابا داؤد خاکیؒ اور شیخ نوروز کشمیریؒ زیادہ مشہور ہیں۔ بابا داؤد کے بابا نصیب الدینؒ اور ان کے شیخ یعقوب کشمیریؒ خلیفہ مجاز تھے۔ شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں۔ کہ جب شیعہ چکوں نے سنیوں پر کثرت سے مظالم شروع کئے۔ تو بابا داؤد خاکیؒ اور شیخ یعقوب صیرفیؒ وغیرہ کا ایک وفد اکبر کے پاس فریاد لے کر گیا۔ اور اکبر نے اسی سال یہ ملک فتح کر کے مقبوضات مغلیہ میں داخل کر لیا \* صاحب خزینۃ الاصفیاء نے کشمیر کے جن سہروردی درویشوں کا ذکر کیا ہے۔ ہم انہیں شجرہ کی صورت میں درج کر رہے ہیں۔ تاکہ ناظرین کرام کو ان کے روحانی رابطے کا آسانی سے پتہ چل سکے۔ شیخ حمزہ کشمیریؒ کے ارادتمندوں میں بابا روبی ریشیؒ خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ ریشی دراصل ”رشی“ کا بگڑا ہوا لفظ ہے۔ کشمیری ہندو، مسلمان درویشوں کو بھی رشی کہنے لگے تھے۔ جو بعد میں ”ریشی“ بن کر رہ گیا۔ یہ لوگ نہایت سادہ زندگیاں بسر کرتے تھے۔ اور ہندو اور مسلمانوں دونوں میں یکساں قبولیت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ شیخ نورالدین جنہیں ہندو ”ندہ رشی“ کہتے ہیں۔ تمام ریشیوں کے مرشد تھے۔ جیسا کہ ”داؤد خاکیؒ“ فرماتے ہیں

شیخ نورالدین ریشی، پر جمع ریشیاں



سيد جمال الدين بخاري سہروردی التوفي ۹۰۸ھ [دہلی]

شيخ حمزہ كشميری ۹۸۳ھ

بابا روبي ريشی رح ۱۰۲۳ھ علامہ فيروزالدين مفتی كشميری رح ۹۷۳ھ

بابا داداؤد خاکی رح ۹۹۳ھ شيخ نوروز كشميری رح ۹۸۸ھ

ملا عبدالوهاب رح

بابا نصيب الدين كشميری رح ۱۰۳۷ھ

خواجہ مسعود بان پور رح ۱۰۲۱ھ

شيخ عبدالرحيم رح شيخ يعقوب شيخ بهرام رح مولانا جيلدا كشميری رح ۱۱۱۰ھ

۱۱۱۰ھ كشميری رح

شيخ حسن لالور رح

بابا جاجا رح شاه محمد قادری رح مير محمد علي كشميری رح ۱۱۱۷ھ

۱۱۱۷ھ كشميری رح

۱۱۱۳ھ كشميری رح

۱۱۰۶ھ

۱۱۰۲ھ

۱۰۹۹ھ

۱۱۱۷ھ

۱۱۰۷ھ

۱۱۱۳ھ

بابا عبدالله سہروردی رح

بابا عثمان قادری رح

خواجہ حبيب الله كشميری رح ۱۱۰۵ھ

مير ابو الفتح رح ۱۱۲۵ھ

۱۱۳۵ھ

بابا محمد مہدی كشميری رح ۱۱۵۰ھ

سہروردی ۱۱۱۷ھ

شيخ اسما عيل رح

مير شرف الدين كشميری رح ۱۱۳۵ھ

۱۱۳۵ھ

شيخ عبداللطيف رح ۱۱۳۳ھ مولانا عنایت الله كشميری رح



حضرت شیخ صدق الدین البغ

المعروف

مخدوم شہزادہ  
علیہ السلام  
رحمۃ اللہ علیہ



مخدوم شہرا اللہؒ کا مختصر سا ذکر شیخ یحییٰؒ کے ضمن میں آچکا ہے۔ آپ کے حالات زندگی مولانا جہالیؒ نے تفصیل سے لکھے ہیں فرماتے ہیں کہ لنگاہوں کے غدر کے باعث جب مخدوم شہرا اللہ اپنے والد ماجد کے ساتھ دہلی میں مقیم تھے۔ تو میرا ان کے ہاں اکثر آنا جانا ہوا کرتا تھا۔ اور وہ بھی مجھے بڑی محبت سے ملتے تھے۔ جب حالات سازگار ہوئے۔ اور سلطان حسین کی طرف سے انہیں کئی دعوت نامے موصول ہوئے۔ تو وہ دہلی سے بڑے ٹھاٹھ کے ساتھ ملتان کو روانہ ہوئے۔ ارادتمندوں نے شہر کے باہر آپ کا استقبال کیا۔ اور آبائی مسند پر لا بٹھایا۔

مولانا جہالی فرماتے ہیں۔ کہ کچھ عرصہ بعد میں حج کی غرض سے دہلی سے روانہ ہوا۔ جب ملتان پہنچا۔ تو شیخ الاسلام کے آستانہ پر حاضر ہو کر فاتحہ پڑھا۔ مخدوم شہرا اللہؒ کا نیاز حاصل کیا۔ وہ مل کر بے حد خوش ہوئے اور رہنے کو وہی تازیخی حجرہ مرحمت فرمایا۔ جس میں حضرت شیخ الاسلام مصروف عبادت رہا کرتے تھے۔ حضرت کی مجھ پر اس قدر شفقت تھی کہ یہیں کھانا طلب کر کے میرے ساتھ تناول فرمایا کرتے \* مولانا لکھتے ہیں کہ میں نے اس حجرہ شریفہ میں چہلم پورا کیا ایک رات حضرت شیخ الاسلام زکریا قدس سرہ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے قدمبوس ہو کر عرض کی۔ قبلہ عالم! آپ کا یہ غلام حج اور زیارت روضہ رسول کے لئے گھر سے نکلا ہے۔ دعا فرمائیے کہ حق تبارک و تعالیٰ صحت و



سلامتی کے ساتھ روضہ مطہرہ کی زیارت سے مشرف فرمائے۔ اور وہاں سے کعبۃ اللہ پہنچائے۔ حضرت نے میرا ہاتھ تھام کر قبلہ کی طرف رخ کیا۔ اور میرے حق میں دعا فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا۔ ”جاؤ! بخیریت پہنچو گے۔ اور جب تجھے بخت بیدار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر لے جائے۔ تو میرا بھی سلام عرض کرنا۔!“ \*

صبح سویرے شاداں و فرحاں میں حضرت مخدوم شہرا اللہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خواب کا واقعہ پیش کرنے کے بعد عرض کی۔ کہ بڑی سرکار سے اجازت حاصل کر لی ہے۔ اب آپ بھی رخصت فرمائیں۔ تاکہ آپ کی دعاؤں کے سایہ میں بخیر و عافیت منزل مقصود کو پہنچوں۔

حضرت مخدوم نے بے پناہ اشتیاق سے اصرار کرتے ہوئے فرمایا۔ خدا کی قسم! آپ کو ابھی ایک ماہ اور یہاں ٹھہرنا ہوگا۔ ہماری طرف سے قطعاً کوئی رخصت نہیں ہے۔!!“

اخلاص اور محبت سے بھرے ہوئے اس حکم کا کیا جواب ہو سکتا تھا۔ میں نے حضرت مخدوم کے ارشاد کو سر آنکھوں پر رکھا لیکن عرض کی۔ کہ چونکہ یہاں سے رخصت مل چکی ہے۔ اب دوسرا مہینہ حضرت قطب الاقطابؒ کے آستانہ پر بسر کرنے کی اجازت

\* یک اربعین دراں حجرہ متبرکہ کشیدم تاشبے حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین قدس سرہ رادر خواب دیدم۔ از حضرت ایشاں التماس فاتحہ کردم کہ حق تبارک و تعالیٰ بصحت و سلامت بزیارت سرور کائنات مشرف گرداند۔ و از انجا بکعبۃ اللہ رساند حضرت شیخ الاسلام دست گرفته رو بقبلہ آور دند و دعا ارزانی داشتند۔ و فرمودند، بروا بسلاست خواہی رسید۔ چون بروضہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم خواہی برسی سلام من برسانی میر العارفین صفحہ ۶۶



بخشے۔ حضرت نے یہ ترمیم منظور فرمائی۔ اور میں بارگاہِ غوثیہ سے بارگاہِ قطبیہ میں منتقل ہو آیا۔ حضرت مخدوم ازراہ درویش نوازی یہاں تشریف لائے۔ اور ایک فرح بخش مقام میرے لئے مخصوص فرمایا۔ اس کے بعد حضرت اغلب اوقات یہاں تشریف لاتے اور خاکسار سے تبادلہ خیالات فرمایا کرتے\* یہاں ایک بزرگ مولانا کمال الدین آجی ایک حجرہ میں معتکف تھے۔ وہ ہر وقت ذکرِ الہی میں مصروف رہتے تھے۔ صرف نماز کے لئے باہر تشریف لاتے تھے۔ ذکر میں انہوں نے اس قدر مداومت کر لی تھی۔ کہ اغلب اوقات آن کا دل متحرک رہتا تھا۔ چنانچہ لوگوں کو باآسانی معلوم ہو سکتا تھا کہ ان کا دل ذکر میں ہے۔ یہ مولانا بڑی عمر کے تھے اور اسی خاندان سے نسبت رکھتے تھے۔ انہیں احياء العلوم سے بڑا شغف تھا۔ یہ کتاب ہر وقت ان کے سرہانے دھری رہتی تھی۔ اور عوارف المعارف کے اکثر مقامات انہیں ازبر تھے۔

خاندانِ غوثیہ کے معمولات  
کی ایک جھلک

مولانا جامی اگرچہ سالم اوقات  
مقابلہ قدسیہ پر معتکف رہے لیکن  
اس پر بھی وہ "خاندانِ غوثیہ"

کے حالات سے بے خبر نہیں رہے۔ جیسا کہ عام مشائخ میں ہاتھ پاؤں چومنے کا رواج چلا آتا ہے۔ یہ بات خاندانِ غوثیہ میں نہ اس وقت تھی اور نہ اب ہے۔ میں نے کئی بار سہروردی سلسلہ کے مشائخ اور حضرت غوثِ العلمین کی اولاد اجماد کو دیکھا ہے۔ کہ اگر کوئی مرید ان کے ہاتھ چومنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ فوراً

\* حضرت شیخ صدرالدين شہرالله رحمۃ اللہ علیہ اغلب درآن بقعہ ہایوں تشریف فرمودند و درویش نوازی سے کردند۔ سیرالعارفین از مولانا جامی۔



ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ اور لوگوں کو ایسا کرنے سے منع کرتے ہیں۔ غالباً مولانا جالیؒ نے بھی یہی مشاہدہ کیا ہوگا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ :-

”اکثر مریدان و پیوستگان حضرت شیخ الاسلام صاحب کشف و کرامت بودہ اند و اہل کمال، و در شریعت و طریقت مستقیم الحال۔ و حضرت ایشانرا رسمے نبود کہ پیوستگان و معتقدان سر بر زمین نہند۔ و یا سجدہ کنند چو پیش ایشان سے آمدند سلام علیکم بروفق سنت نبوی سے گفتند و ایشان نیز علیکم السلام سے فرمودند“ \*

پیر قادر بخش ولد پیر علی اکبر  
قریشی مکنہ وٹلی پرگنہ نمکسار

شیخ شہر اللہ کا مقام

نے فارسی زبان میں مشائخ سہرورد کے مناقب نظم کئے ہیں۔ ان کا یہ قلمی گلدستہ ”گل بہار“ کے نام سے موسوم ہے۔ اور اس پر مصنف کے ۱۸ ذی قعدہ ۱۲۱۸ء کے تکمیلی دستخط بھی موجود ہیں۔ اس میں انہوں نے مخدوم شہر اللہؒ کے حالات میں ایک واقعہ نظم کیا ہے کہ ایک مرید ان کی خدمت میں آیا۔ اور عرض کی حضرت! لڑکی جوان ہونچکی ہے مگر سرمایہ نہیں رکھتا۔ کہ اس کی شادی خانہ آبادی کے فرائض سے عہدہ برآ ہوسکوں۔ فرمایا ”کوئی پتھر یا ڈھیلا لے آ!“

غرض مند تڑپ کر نکلا اور لپک کر پتھر کا ایک ٹکڑا لے آیا۔ شیخ نے اسے ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھ کر دم کیا۔ وہ فوراً زر خالص بن گیا۔ اس شخص نے اس زریارہ سے نہ صرف لڑکی کی شادی



کے اخراجات پورے کئے۔ بلکہ بقیہ سرمایہ تجارت میں لگا کر آسودہ حال ہو گیا۔

پیر صاحب کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

- شیخ شہر اللہ قطب حق پرست - عم برهان الحق ، ما بودہ است  
شہر در شہر است شہرت ہائے او - تو چہ دانی رتبہ والائے او  
یک مریدے آمد اورا عرض کرد - کائے تو ہستی مردان مرد  
دخترے دارم کہ اینک شد جوان - فکر عقد اوست پیشم ہر زمان  
گفت سنگے یا کلوخے را بیار - وانگھے پیش مصلایم بدار  
پارہ سنگ آن مرید زار و ریش - در حضور قطب عالم کرد پیش  
چار قل را خواندہ و بروے دسید - زر شد از تقدیر یزدان مجید  
گشت فارغ از نکاح و خانہ ساخت - در تجارت مایہ کاشانہ ساخت  
ابن چنین خیلے عجائب ہا ازو است - سرگذشت بس غرائب ہا ازو است  
لیک من تا کے سیر خواہم نوشت - مختصر از مختصر خواہم نوشت

یا الہی بند گیا یم رساں

در جناب قطب والایم رساں

شیخ شہر اللہ قدس سرہ نے شب شنبہ

بتاریخ ۲۳ ذی الحج ۹۲۰ھ دار فانی

وفات

سے عالم باقی کو انتقال فرمایا۔ اور ملتان میں اپنے بزرگوں کے پہلو میں مجو خواب ہوئے۔ آپ نے تین صاحبزادے چھوڑے تھے۔ مخدوم بہاء الدینؒ شیخ محمد اسمعیلؒ اور شیخ محمد صدرالدینؒ۔ چونکہ اول الذکر صاحب سجادہ ہیں ان کا ذکر بعد میں تفصیل سے ہوگا۔ پہلے چھوٹے صاحبزادگان کا ذکر اجالی طور پر پیش کیا جاتا ہے۔



## شيخ محمد اسمعيلؒ قریشی

یہ حضرت مخدوم شہر اللہؒ کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ نہایت عالم، زاہد اور بے پناہ اثر و نفوذ کے مالک تھے ۱۷۳۳ء کے اواخر میں جب شاہ حسن ارغون نے دوبارہ ملتان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ تو اہل ملتان نے آپ کو برسم رسالت شاہ حسن کی خدمت میں روانہ کیا۔ تاکہ اسے اس ارادہ سے منع کرسکیں۔ حضرت نے سندھ پہنچ کر مرزا کو سفارش کی۔ چونکہ وہ ملتان پر حملہ کرنے کا پختہ ارادہ کرچکا تھا۔ اس لئے صلح کی گفت و شنید کامیاب نہ ہوسکی۔ شیخ نے جب یہ صورت حال دیکھی۔ تو انہوں نے اہل ملتان کو شاہ حسن کے ارادہ سے مطلع کر دیا۔ اور خود سندھ کی زیرین وادی میں چلے گئے۔ اور بدین کے قصبہ میں مستقل طور پر آباد ہو گئے۔ خدا کو یہی منظور تھا۔ کہ خاندان غوثیہ کے چند گھرانے یہاں آباد ہوں۔ اور جہاں جہاں نیر اسلام کی ضیا پاشیاں نہیں ہوسکیں ان کے دم قدم سے وہاں آجالا ہو کر رہے۔ اس لئے قادر قدیر نے آپ کو نہ صرف یہاں آباد کیا۔ بلکہ بے شمار اولاد عنایت کی اور اولاد بھی ایسی کہ ان میں ہر ایک اپنے زمانہ کا عارف اور قطب الاقطاب تھا۔ شیخ نے سندھ میں تبلیغ اسلام کا بڑا کام کیا۔ وہ اس وادی کے ہر گاؤں اور ہر قریہ میں پہنچے اور ہزاروں گم شدگان بادیۃ ضلالت کو صراط المستقیم پر گامزن فرمایا۔ وہ لقمہ و دق صحراؤں، خوفناک جنگلوں اور طوفان خیز سمندروں کو اس طرح طے کرتے تھے جیسے کوئی چمن میں سیر کر رہا ہو۔ ان کے تبلیغی کارنامے اور مجاہدانہ سرگرمیاں آج تک اہل اللہ کے لئے مشعلِ راہ بنی ہوئی ہیں۔



شیخ اسماعیل سسّی پنوں

کے مزار پر

صاحب تحفۃ الکرام نے حضرت سے متعلق ایک دلچسپ حکایت بیان کی ہے کہ شیخ سسّی پنوں\* کی زیارت

کے لئے ان کے مدفن پر پہنچے۔ اپنا اونٹ جنگل میں چھوڑ دیا اور خود ان کے مدفن پر معتکف ہو کر بیٹھ رہے۔ طے کیا کہ جب تک اس عجوبہ کشور عشق و عاشقی کا بنظرالعین مشاہدہ نہیں کرونگا۔ کوئی چیز نہیں کھاؤنگا۔۔۔ تین یوم اسی بیچ پر گذر گئے۔ اور حضرت بے آب و دانہ اس مقام پر پڑے رہے۔ چوتھے دن ایک بڑھیا کھانا لے کر آئی۔ اور شیخ کے پیش کیا۔

شیخ نے فرمایا۔ کہ ”بی بی میں عہد کر چکا ہوں کہ جب تک سسّی اور پنوں کو نہیں دیکھ لوں گا۔ کچھ نہیں کھاؤنگا!“

بڑھیا نے کہا ”اے درویش! سسّی میں ہوں اور پنوں کے دیکھنے کا خیال چھوڑ دے۔ کہ زمانہ اعتماد کے لائق نہیں۔ میں نے اتنے زمانہ سے بڑا دکھ اٹھایا ہے۔ اور یہ قصہ نہایت دردناک ہے“

شیخ نے فرمایا کہ ”میں کیسے باور کروں کہ تو ہی سسّی ہے۔ وہ تو نوجوان صاحب حسن و جمال تھی۔ اور تو عجوزہ لاغر!

\* سسّی پنوں کا معاشقہ محتاج تعارف نہیں۔ سسّی شہر بہنپور کی ایک حسینہ تھی۔ پنوں خاں کیچ کا شہزادہ اس پر عاشق ہو گیا۔ بڑی مشکلات کے بعد ان کی شادی ہوئی۔ لیکن عین شب عروسی میں پنوں خاں کے بھائی آکر اسے دھوکہ سے اٹھا لے گئے۔ سسّی پیادہ پاء ان کے تعاقب میں دوڑی اور بیابان میں ہلاک ہو گئی۔ پنوں خاں کو جب ہوش آیا تو وہ بھی سسّی کی تلاش میں دوڑا۔ اور اس کی قبر پر آیا اس میں شگاف ہوا۔ اور یہ طالب و مطلوب مل گئے۔ میر مرحوم بھکری نے اس قصہ کو ”حسن و ناز“ کے نام سے فارسی میں منظوم کیا تھا۔ جو اب نایاب ہے۔ پھر نواب مجیب خاں نے ۱۱۳۷ء میں اردو زبان میں بطور مثنوی کے مرتب کیا۔ ممکن ہے یہ قصہ بھارت میں مل سکتا ہو! [فریدی]۔



آپ کا اتنا کہنا تھا کہ بڑھیا آنکھوں سے اوجھل ہوگئی اور اس کی جگہ ایک خویر و حسینہ ظاہر ہوئی۔ جس کے پیروں اور ہاتھوں میں سہاگ کی مہندی لگی تھی اور ہاتھ میں جنا کی چھڑی تھی۔ اس نے کہا ”اے مرد دانشور! میں نے تیرا کہا مانا اب کھانا کھا لے!“

شیخ نے فرمایا ”اے بی بی! ٹھیک ہے میں نے تجھے تو دیکھ لیا۔ لیکن تیرے محبوب کو دیکھے بغیر کھانا کیسے کھا سکتا ہوں۔ تو جانتی ہے کہ یہ فقیر کا عہد ہے۔ اور درویش لوگ عہد توڑا نہیں کرتے۔“

سسّی آبدیدہ ہو کر بولی ”اے بھلے آدمی! میں وادی عشق کی بڑی کلفتیں اٹھا چکی ہوں۔ اپنے آپ کو مٹانے کے بعد محبوب کو پایا ہے۔ اگر تیرے ساتھ اونٹ نہ ہوتا تو باور کر لیتی۔ لیکن میں اونٹ والوں سے ایک دفعہ اپنا محبوب چھنوا چکی ہوں۔ دوبارہ دھوکہ میں کیسے آسکتی ہوں!“

شیخ نے کہا۔ ”بی بی میں قریشی اور شیخ الاسلام زکریا ملتانی کا پوتا ہوں۔ نہ بلوچ نہ بلوچوں کا وکیل۔ مجھ سے اس قدر وہم کیوں کرتی ہے۔ جا خان پنل کو لے آ۔ ورنہ میں اسی طرح پڑا رہونگا۔ اور فاقہ سے جان دے دونگا۔“

سسّی نے جب دیکھا کہ درویش اس قدر بضد ہے تو وہ قبر میں گئی۔ اور پنوں خاں کو کمر تک باہر نکال لائی۔ اس کے بعد دونوں روپوش ہو گئے۔ اس واقعہ کو مختلف مؤرخین نے مختلف پیرائے میں لکھا ہے۔ مرزا محمد کاظم برلاس مراد آبادی یہ واقعہ درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ :-



اسی طرح اکثر بزرگوں نے ان آفتاب و ماہتابِ کشورِ عشق کو مختلف حالتوں میں دیکھا ہے۔ لیکن کوئی مسافر جو اس طرف سے گذرے اور ان کے حال کی تفتیش کرے کسی نہ کسی مصیبت میں ضرور پھنس جاتا ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ جو مسافر اس مقام پر شب بیداری کرے اسے غیب سے طعام پہنچتا ہے \*

شیخ کا ”بدین“ میں انتقال ہوا۔ مقبرہ دیہہ سال میں میرواہ کے کنارے واقع ہے۔ ہر وقت زائرین کا تانتا لگا رہتا ہے۔

دل تو اس امر کا آرزومند تھا۔ کہ حضرت کی تمام اولاد کا تفصیل سے ذکر کرتا لیکن افسوس ہے کہ ان بزرگوں کے حالات نہیں مل سکے۔ اور اگر کچھ مواد ملا ہے تو وہ سندھی میں ہے جس سے میں نابلد ہوں۔ اس لئے سر دست چند مشائخ کا ذکر کرتا ہوں۔ انشاء اللہ اگر زندہ رہا تو اس تذکرہ کے دوسرے ایڈیشن میں حضرت کی تمام اولاد کے حالات تفصیل سے درج کرونگا۔

### پیر سخی عثمان علی شاہ

آپ مخدوم شہاب الدین بن شیخ اسمعیلؒ کی اولاد سے تھے۔ آپ کے جد امجد پیر اللہ ورا یا شاہ صاحب بدین سے ترک سکونت کر قبضہ مؤ میں آئے تھے۔ یہیں عثمان علی شاہ صاحب پیدا ہوئے۔ آپ کی سخاوت کے بہت سے قصے مشہور ہیں۔ چند ایک ہدیہ ناظرین ہیں۔

ایک دفعہ آپ اپنی برادری کی کسی شادی میں شریک ہونے کے لئے

سواری کا اونٹ ایثار کر دیا

جارھے تھے۔ راستے میں ایک سائل نے خدا کے نام پر ان سے اونٹ طلب



کیا۔ آپ نے بلا توقف اونٹ کو روک لیا۔ کجاوہ اتروا کر نیچے رکھوایا۔ اور اونٹ اس کے حوالے کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ساربان ایک اونٹ لے کر سامنے سے گذرا۔ آپ نے فرمایا۔ ”تم کون ہو اور کہاں جاتے ہو؟“

اس نے عرض کی حضور! فلاں رئیس نے یہ اونٹ پیر عثمان علی شاہ کی خدمت میں پہنچانے کے لئے دیا ہے۔ اس لئے ”وہاں جا رہا ہوں۔“ لوگوں نے کہا۔ بھلے میاں! پیر عثمان علی شاہ صاحب تو یہی بزرگ ہیں۔ جو تم سے مصروف گفتگو ہیں۔ اس شخص نے اونٹ آپ کے حوالے کیا۔ اور آپ اس پر بال بچوں کو سوار کر کے اپنی منزل کو روانہ ہوئے۔

کہتے ہیں کہ آپ کے پاس بکریوں کا بہت بڑا ریوڑ تھا۔ اور حضور

### ایک اور اعجاز

سائلوں کو اس میں سے بکریاں عنایت کیا کرتے تھے۔ آپ کے چھوٹے بھائی مخدوم جعفر شاہ نے عرض کی۔ حضور آپ بکریاں خیرات کرتے جا رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا۔ کہ جب پھلنے پھولنے والیاں ہی نہ رہیں گی تو ریوڑ ختم ہو جائے گا۔ بہتر ہے کہ آپ بکریوں کی بجائے بکرے خیرات کیا کریں۔ چنانچہ طے پایا کہ اس سال جو بکرے پیدا ہوں وہ خیرات کئے جائیں اور بکریاں مخدوم جعفر شاہ کی ملک تصور ہو کر ریوڑ میں شامل رہیں۔

قدرت الہی سے اس سال ریوڑ میں تمام بکرے ہی پیدا ہوئے۔ اور آپ نے سب خیرات کر دئے۔



مخدوم جعفر شاہ نے جب یہ کیفیت دیکھی تو اس نے کہا۔  
بھائی جان! اس سال میں آپ کو بکرے نہیں دونگا۔ بلکہ بکریاں  
دونگا۔ خدا کی قدرت اس سال ریوڑ میں جو بچے پیدا ہوئے وہ سب  
کے سب مادہ تھے۔ سخی کا یہ اعجاز دیکھ کر آپ کے بھائی نے  
شرط لگانے سے توبہ کر لی۔

بیان کرتے ہیں۔ کہ آپ نے ایک  
دفعہ اپنا بڑا فرزند پر علی شاہ کسی  
سائل کو بخش دیا۔ آپ کے بھائی

اپنا جگر گوشہ خدا کی راہ  
میں بخش دیا

صاحب کو علم ہوا۔ تو وہ آفتاں و خیراں دوڑ کر سائل کے پاس پہنچے۔  
اور سائل کو معاوضہ دے کر بچے کو واپس لے آئے۔

ایک دفعہ آپ ٹنڈو غلام علی کے کسی  
مجمع میں کھڑے تھے۔ کسی سوالی  
نے آکر کہا۔ سخی عثمان! اپنے

اپنا لباس اتار کر سائل کو  
دے دیا۔

بدن کے سارے کپڑے خدا کی راہ میں اتار دیجیے!“ آپ نے کسی سے  
عاریتاً ایک تہمد لے کر باندھا۔ اور سب کپڑے اتار کر سائل کو  
دیدئے آپ کا وصال ۱۳۰۳ھ میں ہوا۔ اور قصبہ مؤمین  
دفن ہوئے۔ جہاں آپ کا عالی شان مقبرہ موجود ہے۔ اس کے قریب ہی  
آپ کا گاؤں ہے جو گوٹھ سخی عثمان علی شاہ کے نام سے مشہور ہے۔

شیخ عالیؒ

صاحب تحفۃ الکرام نے آپ کا مجمل سا ذکر اس طرح درج کیا  
ہے۔ کہ ترخان حکومت کے دوران میں آپ درویشانہ وار تن تنہا  
ٹہلتے ٹہلتے میں وارد ہوئے۔ اور اتفاق سے میر سید علی شیرازی



کے باغ میں جا نکلے۔ کنواں چل رہا تھا۔ پاس ہی ایک گھنا سایہ دار  
 درخت تھا آپ کو یہ مقام بڑا پسند آیا۔ بقول حکیم شیراز  
 ”درویش را هر کجا که شب آمد سرانے اوست“، دن اس جگہ بسر ہوا  
 اور رات کے لئے بھی یہیں پڑ رہے۔ مالی سرشام کنواں بند کر  
 بیلوں کو باندھ گھر چلا گیا۔ حضرت کو کنویں کی آواز اس قدر  
 پسند آئی کہ اس کا بند ہونا گوارا نہ ہوا۔ قدرت الہی سے رات  
 بھر کنواں بغیر بیلوں کے چلتا رہا۔ صبح کو جب مالی نے آکر دیکھا۔  
 تو وہ سخت حیران ہوا۔ ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ اور باغ کے  
 پودے پانی کی زیادتی سے ضائع ہو چکے تھے۔ اس نے سمجھا کہ یہ  
 اس درویش کی حرکت ہے۔ دوڑا دوڑا سید علی شیرازی کے ہاں پہنچا۔  
 اور یہ صورت حال بیان کی۔ اس نے حکم دیا۔ کہ فقیر کو باغ  
 سے نکال دو۔ اس نے واپس آکر حضرت کو باغ سے نکل جانے  
 کا اشارہ کیا۔

اس وقت حضرت درخت کے نیچے ٹہل رہے تھے اور نظر باغ  
 کے ایک تختہ گل کی طرف تھی۔ خراماں خراماں باغ سے نکلے۔ اور  
 ان کے ساتھ ہی وہ درخت اور پھولوں کی کیاری بھی باغ سے باہر  
 جہاں آپ تشریف فرما تھے۔ وہیں منتقل ہو آئی۔ کئی لوگ جو  
 اتفاق سے وہاں سیر کرنے چلے آئے تھے۔ یہ واقعہ دیکھ کر سید  
 علی شیرازی کے ہاں پہنچے اور یہ عجوبہ بیان کیا۔ شاہ صاحب خود  
 صاحب دل اور فقراء کے عقیدتمند تھے۔ یہ واقعہ سن کر دوڑے دوڑے  
 باغ میں پہنچے اور حضرت سے محققانہ ملاقات کی۔ اور وہ باغ حضرت  
 کی نذر کیا۔ اس واقعہ سے ٹھٹھ میں آپ کی آمد کا چرچا ہونے لگا۔



ہزاروں لوگ آکر آپ کے مرید ہوئے۔ اور فیوض و برکات سے بہرہ وافر حاصل کیا۔ اس کے بعد آپ نے کوہ مکی کی طرف توجہ فرمائی۔ اور اکثر اوقات جہاں اب آپ کا روضہ ہے۔ رہنے لگے۔ یہیں آپ نے شادی کی۔ اور چار فرزند جگر بند پیدا ہوئے۔ ”ابو محمد“ یہ مادرزاد ولی تھے۔ ایک دفعہ کھڑے خدام سے گفتگو کر رہے تھے اور آپ نے نہایت صاف ستھرے کپڑے پہن رکھے تھے۔ دفعۃً آپ نے تہمد کو چست کیا اور بیک طرفتہ العین لوگوں نے کیا دیکھا کہ آپ کی دونوں ہنڈلیاں کیچڑ سے آلودہ ہو رہی ہیں۔ خدام نے عرض کی حضور! یہ کیا ہو گیا۔ فرمایا کچھ نہیں۔ ایک خادم کشتی پر سوار ہماری طرف چلا آتا تھا۔ کہ کشتی کیچڑ میں دھنس گئی۔ اس نے گھبرا کر ہمیں یاد کیا۔ میں فوراً وہاں پہنچا۔ اور ابھی ابھی اسے ورطۃ ہلاکت سے باہر نکال کر آ رہا ہوں۔ کچھ وقفہ کے بعد وہ خادم حاضر ہوا۔ اور اس نے اس واقعہ کی حرف بحرف تائید کی۔ یہ فخر دودمان اپنے پدر بزرگوار کی زندگی میں ہی عالم بقا کو رخصت ہو گیا۔ اسی طرح صالح محمد و ولی محمد بھی والد ماجد کے سامنے ہی انتقال کر گئے۔ شیخ محمد واصل نے بڑی عمر پائی۔ اور والد ماجد کے صاحب سجادہ بنے۔ یہ ہر سال حضرت شیخ عالیؒ کا بڑے اہتمام سے عرس کیا کرتے تھے۔ اور اس کے کچھ عرصہ بعد سید علی شیرازی کا عرس ہوتا تھا۔ شیخ عالی کے یوم وصال پر بہت بڑا اجتماع ہوتا تھا۔ سید جلال ولد سید علی شیرازی کو یہ رونق ناگوار گزرتی تھی۔ وہ چاہتے تھے۔ کہ ہماری تقریب پر زیادہ لوگ جمع ہوں۔ اس لئے انہوں نے سادات کو شیخ عالی کے اجتماع پر جانے سے منع کر دیا۔ چنانچہ وہ نہ گئے۔ لیکن



ساتھ ہی جب سید علی شیرازی کا اجتماع منعقد ہوا۔ تو یہ فقراء اس میں شریک نہ ہوئے۔ سید جلال نے فکر مند ہو کر مراقبہ کیا۔ معلوم ہوا۔ کہ چونکہ انہوں نے فقراء کو شیخ عالی کے عرس پر جانے سے منع کیا تھا۔ اس لئے ان کا اجتماع بھی رونق نہ پاسکا۔ اس پر وہ بڑے نادم ہوئے۔ اور انہوں نے شیخ محمد واصلؒ سے معذرت طلب کی۔ اور سادات فقراء کو ان کے ہاں جانے کی اجازت دی۔ جس پر دوسرے روز ان کے ہاں بھی بے شمار درویش جمع ہو گئے۔ اور ان کے اجتماع کو چار چاند لگ گئے۔ انہوں نے درویشوں سے پوچھا۔ کہ آخر تمہیں کیا مصیبت پڑ گئی تھی کہ تم ہمارے اجتماع میں شریک نہ ہوئے۔ انہوں نے بالاتفاق عرض کی کہ کل ہم صبح سے شام تک چلتے رہے تھے۔ لیکن جس جگہ سے چلے تھے۔ شام کو پھر اسی جگہ پایا۔ لیکن آج تین دنوں سے زیادہ کا سفر طے کر کے پہنچ گئے۔ اور کوئی تھکاوٹ محسوس نہیں ہوئی۔ اس دن سے ان دونو خانوادوں میں اخلاص اور مؤدت نے راہ پائی۔ اور یہ رابطہ روز بروز پختہ ہوتا چلا گیا۔ اور ہر دو مشائخ اپنے فقراء سمیت ایک دوسرے کے اجتماعات میں شریک ہونے لگے۔

یہ حضرت شیخ اسمعیلؒ کے بڑے فرزند تھے۔ صاحب فضل و کمال، ذکر ابن شاہ میں مہو خواب ہیں۔ ان

عبداللہ شاہ المعروف شاہ ابن  
ذکر والا

کی اولاد موضع بہاء الدین پور میں آباد ہے۔ شیخ امام الدین۔ ابن شاہ ثانی۔ شیخ امام الدین ثانی ان کی اولاد میں بڑے پایہ کے درویش ہو گزرے ہیں۔ علی شیر قانع تحفة الکرام میں لکھتا ہے۔ کہ ”ہر یک صاحب آیات و کرامات بود“ شیخ علیم الدین اور ان کے دو فرزند شیخ صدر الدینؒ



اور شيخ بدرالدين بهي سهروردي سلسلہ کے صاحب اثر بزرگ تھے۔  
 شيخ پنی لدہ ولد ثالث شيخ علمالدين علامہ قانع کے زمانہ میں زندہ  
 اور اپنے بزرگوں کی مسند پر فائز تھے\*۔

یہ بزرگوار شيخ شہابالدين المعروف  
 راجن شاہ کے نامور فرزند اور سلسلہ

سید علی شیر قدس سرہ

عالیہ سهروردیہ کے صاحب کمال درویش تھے۔ بارہویں صدی میں  
 مریدوں کی درخواست پر کچھ میں تشریف لے گئے۔ وہاں کے رئیسوں  
 اور زمینداروں نے آباد اور زرخیز اراضی کے ٹکڑے نذر کئے۔ ناڑاپی  
 شریف میں آپ نے سکونت کی مستقل طرح ڈالی اور خلق خدا کو زیادہ  
 سے زیادہ فیض پہنچایا۔ ۷ ربیع الاول کو آپ کے مقبرہ پر زبردست میلہ  
 لگتا ہے۔

### حضرت پیر محمد باقر شاہ قلندرؒ

آپ مخدوم شہابالدين بن شاہ سلیمان بن شيخ علی شیرؒ کی اولاد سے  
 ہیں۔ جو پانچ واسطوں سے حضرت شيخ اسمعیل سے مل جاتے ہیں۔  
 حضرت پیر شہابالدين اس سلسلہ کے پہلے بزرگ ہیں جو بدین سے  
 نقل مکانی کر کے ریاست کچھ کے قصبہ ناڑاپی میں جا کر آباد ہوئے  
 اس ریاست کے جاگیرداروں اور ٹھاکروں نے حضرت کو بڑی جاگیر  
 بخشی تھی جو اب تک آپ کے خاندان میں متوازن چلی آتی ہے۔



مخدوم باقر شاہ اسی خاندان کے گل سرسبد تھے۔ آپ کی تاریخ ولادت معلوم نہیں ہو سکی۔ روضۃ السادات میں لکھا ہے کہ آپ جب بارہ برس کے ہوئے تو جذب و سکر کی حالت میں ناڑاپی شریف کو چھوڑ کر کسی طرف چلے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد پیر صاحبان کو پتہ چلا۔ کہ آپ گرنار کے پہاڑ پر مصروف عبادت ہیں۔ یہ پہاڑ مہاراشٹر میں شہر جونانگرہ سے تین کوس مشرق کی طرف ہے۔ جس پر غار۔ گپھا ہیں اور مندر موجود ہیں۔ ان میں ہندو جوگی اور سنیاسی آکر پوجا پاٹ کرتے تھے۔ مخدوم باقر شاہ ایک عرصہ تک ان غاروں میں معتکف ہو کر عبادت کرتے رہے ایک دفعہ آپ کو دادا نے خواب میں فرمایا۔ کہ بیٹا۔! اب اپنے وطن کو چلے آؤ۔ صبح کو آپ نے اٹھ کر دیکھا تو اپنے آپ کو ناڑاپو شریف کے باہر پایا۔ آپ نے ناڑاپو سے دو میل کے فاصلے پر ایک سمندری کھاڑی کے کنارہ پر ایک حجرہ بنوایا۔ یہاں پانی کی بے حد تکلیف تھی۔ کیونکہ اس کے گرد و پیش سمندری میدان تھا۔ اس لئے پانی نمکین ہو گیا تھا۔ آپ نے اپنے تکیہ کے نزدیک ایک پہاڑی ٹیلہ پر کچا کنواں کھدوایا۔ جس سے قدرت الہی سے میٹھا پانی نکلا۔ یہ چشمہ آج تک موجود ہے۔ جس علاقہ میں شیریں پانی نایاب ہو۔ وہاں میٹھے پانی کے چشمہ سے بڑی نعمت کیا ہو سکتی ہے۔ اس سے مضافات میں آپ کی کرامت کا شہرہ ہو گیا اور دور دور سے لوگ اکتساب فیض



کی غرض سے آنے لگے۔ یہاں یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کرامتوں کے اظہار سے اپنی عظمت کا احساس دلانا مقصود نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ یہ وجدانی صورتِ حال تھی جو شیخ کے مرتبہ سے عوام کو متعارف کرادیتی تھی۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ عوام شیخ کے مقام سے آگاہ ہو کر استفاضہ کرتے تھے۔ اگر مخدوم باقر شاہؒ کوئی اعجاز نہ دکھاتے تو کون ان کی طرف راغب ہوتا اور لوگ ان کی روحانی صلاحیتوں سے استفاضہ کیونکر کرتے۔ بہر حال آپ کی بہت سی کرامتیں مشہور ہیں جن میں سے چند ایک بطور مشتمے نمونہ از خروارے یہاں درج کی جاتی ہیں۔

جاگیر لینے سے انکار کر دیا | ایک مرتبہ آپ اپنے دادا کے مقبرہ پر حاضری دینے کے لئے ریاست کچھ

کے دارالخلافت لکھپت میں تشریف لے گئے۔ راؤ صاحب کو معلوم ہوا۔ تو انہوں نے اپنا معتمد خاص حضرت کے لانے کے لئے بھیجا۔ آپ جب محلات میں داخل ہوئے۔ راؤ بہت خوش ہوا۔ اور اس نے آپ سے دعا کی درخواست کی۔ ساتھ ہی گاؤں ایوانپور آپ کو نذر کیا۔ راؤ جب سند پیش کرنے لگے۔ تو آپ نے کھڑے ہو کر اپنی خالی جھولی دکھائی۔ اور فرمایا ”ہم قلندر لوگ ہیں گاؤں لے کر کیا کرینگے!“

ایک دفعہ ایک ہندو چارن نے حاضر ہو کر دست بستہ سوال کیا۔ کہ

پری سے رہوون کی بارش

میں مسکین ہوں لڑکی کی شادی کرنی ہے۔ کچھ دلوادیجئے!“



آپ نے آسے فرمایا ”بیٹھ جاؤ!“ چنانچہ وہ بیٹھ گیا اور تین دن گذر گئے۔ چوتھے روز نماز پڑھنے کے بعد آپ کو یکایک اس چارن کا خیال آیا۔ خادم سے فرمایا کہ یہیں کہیں ایک ہندو بیٹھا ہوگا اسے بلا لاؤ۔ جب وہ حاضر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ سامنے والی پیری کے درخت کو ہلاؤ۔ اس نے ہلایا تو پانچ سو نئی ضرب کے سگے گر پڑے۔ فرط حیرت سے چارن بت بنا کھڑا سوچ رہا تھا۔ کہ کیا اس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت نے مسکرا کر فرمایا۔ لالہ جی! یہ پانچ سو روپے تمہیں کافی ہونگے لے جاؤ!“

ایک بار ایک راجا اپنے لاؤلشکر کے ساتھ آپ کے تکیہ سے گذرا کسی کچھ فکر نہ کرو۔

نے آسے بتایا کہ یہاں ایک فقیر صاحب رہتے ہیں اور ان کا چشمہ بے حد میٹھا ہے۔ وہ آتر کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ زیارت کی اور چشمہ کا پانی پی کر آپ کی کرامت کا قائل ہوا۔ دل میں کہنے لگا۔ کہ یہ چھوٹا سا چشمہ میرے لشکریوں اور اونٹ گھوڑوں کے لئے کیسے کافی ہوسکتا ہے۔ حضرت قلندر نے راجہ کا تردد معلوم کر کے معاً فرمایا۔

”راجہ جیو! کوئی فکر نہ کرو۔ اگر آپ جیسے بیس راجاؤں

کا لشکر آجائے تو بھی اس چشمہ سے سیراب ہوسکتا ہے۔“

راجہ نے مسکرا کر اپنے عملہ کو سیراب ہونے کی اجازت دی۔

پہلے آدمی شاد کام ہوئے۔ پھر اونٹ گھوڑے خچر وغیرہ۔ لیکن چشمہ

کے پانی میں کمی نہ ہوئی۔



جن حاضر ہو گئے

ایک دفعہ کچھ کے رئیس نے عرض کی "حضرت! جن کتنے قسم کے

ہوتے ہیں آپ نے نام لے لے کر چند جنوں کو پکارا۔ اتنے میں چند ہیبتناک شکایں حاضر ہو گئیں۔ لوگ انہیں دیکھ کر ڈرنے لگے۔ اس پر آپ نے جنوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ اب چلے جاؤ کنگھار جی نے تم کو دیکھ لیا ہے۔

ہم آتے ہیں

حضرت بالعموم پیدل چلا کرتے تھے۔ اور بڑے بڑے جاگیردار اور رئیس

بھی آپ کے جلو میں پیدل چلتے تھے۔ ایک دفعہ حضور نراپو شریف سے اپنے مکان کو چلے جاتے تھے۔ کہ آپ کے عزیزوں میں سے ایک صاحبزادے صوبیدار شاہ صاحب گھوڑا لے کر حاضر ہوئے۔ اور اس پر سوار ہو کر جانے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا برخوردار! تم اس گھوڑے پر سوار ہو کر چلو۔ ہم ابھی آتے ہیں۔ صوبیدار شاہ صاحب مکان پر پہنچے۔ تو دیکھا کہ حضرت مع جماعت پہلے سے تشریف فرما ہیں۔

آپ سے فقراء اور امراء سب کو عشق تھا۔ عقیدتمندوں میں ہندو اور مسلمان سب شریک تھے۔ چنانچہ ایک بہت بڑے ہندو جاگیردار اور رئیس ٹیلاٹ ویسل جی اپنا سب کچھ چھوڑ حضرت کے تکیہ پر رہنے لگے تھے۔ اسی لیل و نہار میں اپنی پاکیزہ زندگی کے باہرکت



ایام بسر کر کے ۱۳۱۳ھ میں حضرت قلندر صاحب رفیق اعلیٰ کو لبیک کہہ گئے۔ مزار نوربار نژادو شریف میں ہے۔ اور ہر سال بہت بڑا میلہ لگتا ہے۔

### حضرت پیر علی محمد شاہ قریشیؒ

آپ کی ولادت باسعادت کی کوئی تاریخ معلوم نہیں۔ آپ کھارا ضلع کراچی کے غوث پوتہ خاندان سے تھے۔ جن کا ذکر تحفۃ الکرام میں موجود ہے یہ پیر صاحبان دو قبیلوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ جن میں ایک راجن شاہ کی اولاد کہلاتی ہے اور دوسری جمن شاہ کی۔ پیر علی محمد شاہ صاحب مؤخر الذکر بزرگ کی اولاد سے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ پیر ابن شاہ صاحب ٹکڑ والے کی اولاد کی ایک شاخ یہی پیر صاحبان ہیں۔ ان میں سے پیر غازی شاہ کا مقبرہ کچھ کے دارالخلافتہ شہر لکھپت میں موجود ہے قلعہ لکھپت کا ایک دروازہ آپ کے نام پر ناکہ غازی شاہ کہلاتا ہے پیر علی محمد شاہ حضرت پیر احمد شاہ صاحب قلندر سے بیعت تھے۔

آپ کا مشرب قلندرانہ تھا۔ ایک روایت کے بموجب آپ نے حضرت مخدوم بہاء الدین رابع سجادہ نشین آستانہ غوثیہ سے بھی بیعت کی تھی۔ اور حج کے لئے ارض مقدس کا سفر بھی کیا تھا۔ آپ کی کرامتوں کے بہت سے قصے لوگوں میں مشہور ہیں۔ انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن



میں ہم ان کا ذکر تفصیل سے کرینگے۔ ۵ ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ ٹنڈو غلام حیدر ضلع حیدر آباد میں آپ کا پر شوکت مقبرہ زبان بے زبانی سے لوگوں کو حضرت کی عظمت و جلالت کی داستائیں سناتا دکھائی دیتا ہے۔

### شيخ محمد صدرالدين رحمة الله عليه

مخدوم شيخ شہر اللہ <sup>ؒ</sup> کے تیسرے صاحبزادے شيخ محمد صدرالدين <sup>ؒ</sup> تھے۔ ان کی اولاد میں بھی ہزاروں قطب اور ابدال ہوئے ہیں۔ اور ان سب کا رخ بنی اسمعیل کے علی الرغم پنجاب، سرحد اور کشمیر کی طرف ہوا ہے چنانچہ آج تک میانوالی، سرگودھا، جہلم، لاہور اور گوجرانولہ میں ان کے بے شمار خانوادے آباد ہیں۔ شيخ محمد صدرالدين <sup>ؒ</sup> کے تین فرزند جگر بند تھے۔ حضرت پیر علی قتال <sup>ؒ</sup>، شيخ شمس الدین <sup>ؒ</sup> لاہوری اور شيخ <sup>ؒ</sup> ابو بکر <sup>ؒ</sup> [دیوان حضرت رسول کریم]۔ ہم ان کا الگ الگ اجالا ذکر کرینگے۔

### خاندان پیر علی قتال قدس سرہ

خاندانی ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت پیر علی قتال <sup>ؒ</sup> کوٹ کھروڑ میں آباد تھے۔ یہاں سے مریدوں کے رئیس طبقہ کی استدعا پر ضلع شاہ پور کے موضع پیل غازی میں تشریف لے گئے۔ اور وہیں مستقل طور پر آباد ہو گئے۔ آپ فصیح البیان خطیب متبحر عالم اور صاحب کشف و کرامات تھے۔ پیل اور اس کے ملاحقات میں آپ نے وعظ و نصیحت کے ذریعے ہزاروں کافروں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ جب مریدوں اور عقیدتمندوں کی تعداد زیادہ ہو گئی۔ تو اخراجات لنگر



کے لئے غیر آباد زمینیں آباد کرائیں جو اب تک آپ کی اولاد کے قبضہ میں بطور ملکیت چلی آتی ہیں۔ اور دوسری اقوام بحیثیت مزارعان کاشت کرتی ہیں۔ اس گاؤں کے حقوق ملکیت کے علاوہ ذیلداری نبرداری بھی وراثتاً اسی خاندان کے پاس ہے۔ پیر چن شاہ صاحب اپنے بزرگوں کی یادگار اور خانوادہ عالیہ غوثیہ کے رکن اعظم ہیں۔ ملک وال جنکشن کے قریب ایک موضع چک نوبہار کے نام سے ملتا ہے۔ یہ آپ کے فرزند جگر بند پیر نوبہار شاہ کا آباد کیا ہوا ہے۔ حضرت پیر علی قتالؒ کا مقبرہ پیل غازی میں ہے جو اب پیل پیراں کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت کے دو صاحبزادے تھے۔ پیر محمد شاہ یہ لاولد فوت ہوئے۔ مخدوم الملک پیر خواجہ نوری شاہ صاحب اپنے زمانہ کے شیخ الکل تھے۔ ان کی شادی خانہ آبادی حضرت شیخ شمس الدین محبوب حقانی قدس سرہ کی معصومہ بی بی سید بانو سے ہوئی اور اس پاکدامنہ کے بطن عفت سے تین صاحبزادے پیر محمد حسین، پیر ابن شاہ پیر عالم شاہ اور دو صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔ بی بی فاطمہ جو شیخ الاسلام بہاء الدین ولد شیخ شہر اللہ کے حوالہ نکاح میں آئی۔ دوسری بی بی صفیہ، جو پیر فتح شاہ سکنہ بھیرہ سے بیاہی گئی۔ خواجہ نوری نے جہیز دیتے وقت مریدوں سے فرمایا۔ کہ کدام مرید در داچ بی بی صفیہ بافتد؟“ وہاں راجہ درویش محمد خاں موجود تھا۔ اس نے دست بستہ التماس کی ”انشاء اللہ تعالیٰ مایان در داچ مے آفتیم\*“ چنانچہ حضرت نے درویش خاں کے ساتھ بارہ شہر مریدوں کے جہیز میں دئیے۔ پیر فتح شاہ بھیرہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ اولاد نرینہ

\* انشاء اللہ ہم جہیز میں جائیں گے۔



میں پیر محمد حسین صاحب بہت مشہور ہیں میں نے سرگودھا اور جہلم کے پیر صاحبان کو اپنے آباء اکرام کا حال لکھ بھیجنے کو کہا تھا۔ بلکہ میں نے اس غرض سے فروری ۱۹۰۶ء میں بہیرہ، چکوال اور جہلم کا سفر بھی کیا۔ لیکن سوائے پیر فتح شاہ صاحب رئیس (بہیرہ) اور پیر محمد لطیف صاحب بی اے (چکوال) کے اور کسی سے کچھ مواد حاصل نہ ہو سکا۔ زان بعد پیر فضل شاہ (دھروگی) اور پیر غلام حیدر شاہ صاحب (کرولی) نے اپنے خاندان کے مختصر حالات لکھ بھیجے۔ اس وقت وہی میرے پیش نظر ہیں۔

### کرولی

کرولی کا گاؤں کوہستان نمک پر واقع ہے۔ جس کے ہر طرف پہاڑ ہی

پہاڑ ہیں۔ جب حضرت پیر محمد حسین صاحب یہاں تشریف لائے۔ تو اس جگہ پانی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پیر صاحب نے اپنے ملازم کو پانی لانے کے لئے کہا۔ اس نے عرض کی حضرت! یہاں پانی کہاں؟ آپ نے عصا لے کر ایک پتھر پر ضرب لگائی۔ چوٹ کا لگنا تھا۔ کہ پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ آپ نے وضو کیا اور کلی کی۔ چونکہ اس علاقے کی زبان میں کلی کو کرولی کہتے ہیں۔ بنا بریں اس مقام کا نام کرولی پڑ گیا۔ یعنی اس جگہ حضرت پیر محمد حسین صاحب نے کرولی (کلی) کی تھی۔ یہاں پیر صاحب نے اپنے اہل و عیال کو طلب کر کے آباد کیا۔ اور بقیہ ایام یاد الہی میں بسر کر کے یہیں فوت ہو کر دفن ہوئے۔

پیر محمد حسین کی شادی راجہ بہادر خان جنجوعہ سکندھ بلوٹ کی صاحبزادی بی بی خانزادی سے ہوئی تھی۔ آپ کے آٹھ صاحبزادے اور



دو صاحبزادیاں تھیں۔ ایک بی بی اللہ رکھی جو میاں شاہ بیگ کے  
 حوالہ نکاح میں آئی۔ اور دوسری بی بی پھاوندی جو عیسن شاہ سکھ  
 بھیرہ کو مرحمت ہوئی۔ صاحبزادے تعداد میں آٹھ تھے۔ اوز مل  
 کر گذر اوقات کر رہے تھے ان کے پاس ہی بطرف شمال ایک میل  
 کے فاصلے پر ایک شہر تھا۔ جسے چاروں طرف سے پہاڑ نے احاطہ  
 میں لے رکھا تھا۔ اس میں جانے کا صرف ایک ہی راستہ تھا۔  
 اس کا والی مل نام ایک راجہ تھا۔ یہ بڑا مغرور آدمی تھا۔ اس نے  
 پیر صاحبان کو تنگ کر رکھا تھا۔ کچھ عرصہ تک تو انہوں نے  
 صبر کیا۔ بعد تنگ آمد بھنگ آمد کے مصداق راجہ مل سے مقابلہ  
 کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک بھائی نے ان سے اتفاق نہ کیا۔ کہ  
 راجہ سے مقابلہ کرنا ہم درویشوں کا کام نہیں۔ وہ کھردر جس کا  
 موجودہ نام خیرپور ہے۔ چلے گئے اور مستقل طور پر سکونت پذیر  
 ہو گئے۔ یہاں پانی بالکل نایاب تھا۔ انہوں نے جاتے ہی حکم دیا کہ  
 گاؤں کے مشرق میں ایک زبردست چٹان ہے۔ اسے اکھیڑ کر کنواں  
 کھودو۔ میں اپنے حصے کا پانی کرولی سے اس جگہ لے آیا ہوں۔  
 چنانچہ جب چٹان ہٹا کر کنواں کھودا گیا۔ تو چشمہ پھوٹ پڑا یہ  
 کنواں اب تک موجود ہے اور سارے گاؤں کو کافی ہوتا ہے۔  
 اس کے علاوہ چند ایک دوسرے مقامات پر کنویں کھودے گئے۔  
 مگر پانی برآمد نہ ہوا۔

کرولی کے پیروں نے مل کر راجہ مل کا مقابلہ کیا۔ بڑے  
 معرکے کا رن پڑا۔ جس میں راجہ کو شکست ہوئی۔ وہ کشمیر کی  
 طرف بھاگ نکلا۔ اور اس کی تمام جائیداد پیران کرولی کے ہاتھ آگئی۔



کرولی میں داخل ہونے کے چار راستے ہیں۔ مگر ہر ایک راستہ میں ایک ایک فقیر کی قبر ہے۔ جس کے باعث یہ گاؤں وبائی امراض سے محفوظ چلا آتا ہے۔

### شاہ جمال رحمۃ اللہ علیہ

پیر محمد حسین<sup>ؒ</sup> کی اولاد میں شاہ کرم اللہ المعروف پیر مٹھہ شاہ شہر اللہ\* بہت مشہور ہیں۔ مؤخر الذکر کے صاحبزادے شاہ جمال باصرار ارادتمندان کرولی سے ہجرت فرما کر کوہ نمک مار کی بلند چوٹی پر رونق افروز ہوئے۔ یہاں بھی پانی نایاب تھا۔ آپ کی دعا سے خداوند قدیر نے ایک بڑی چٹان کے نیچے سے چشمہ جاری کر دیا۔ جو آبشار کی طرح نیچے گرتا ہے۔ پاس ہی ایک لنڈ منڈ درخت کھڑا تھا۔ آپ نے اس کے تنے پر شفقت کا ہاتھ پھیرا جس سے وہ ہرا بھرا ہو گیا۔ شاید کسی نے انہی قدسی نفوس کی نسبت کہا ہے۔

زغارت چمنت بر بہار منت ہاست

کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

اسی درخت کے قریب ہی ایک گہری اور طویل غار میں آپ نے کئی سال یاد الہی میں بسر کر دئے۔ یہ غار آج کل کابل قندھار کے نام سے موسوم ہے حضرت کی تاریخ وفات کا علم نہیں روضۃ اطہر سڑک کے کنارے زیارت گاہ خلائق ہے۔ یہاں سے دریائے جہلم کا نظارہ نہایت دل فریب دکھائی دیتا ہے۔ آپ کے ارادتمندوں کا حلقہ راولپنڈی۔ جہلم۔ گجرات کے علاوہ ہزارہ۔ جموں۔ کشمیر۔ پونچھ۔

\* پیر شاہ کرم اللہ کی اولاد کرولی پیراں میں آباد ہے۔ میں نے اس شاخ کے حالات فراہم کرنے کی کافی کوشش کی۔ مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ اب اگلے ایڈیشن میں انشاء اللہ اس شاخ کا مفصل حال دیا جائیگا۔ (فریدی)



بهدرواہ اور میرپور تک پھیلا ہوا ہے اور آپ کی اولاد وسیع اراضیات کی مالک ہے۔

حضرت شاہ جہاںؒ کے چھ صاحبزادے تھے اور سب صاحب اولاد ہوئے۔ ہم ہر ایک کا الگ الگ ذکر کرینگے۔

یہ اپنے والد ماجد کے بڑے صاحبزادے تھے اور سخاوت و مروت میں خاص

### ۱۔ حافظ پیر رکن الدین

شہرت رکھتے تھے۔

ان کی اولاد میں پیر زمان شاہ صاحب زیادہ مشہور ہیں۔ یہ بزرگ اوائل حال میں ریلوے کے ٹھیکیدار تھے۔ سرکار نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر آپ نے ٹھیکیداری چھوڑ دی اور خوشاب میں پہنچ کر ایک درویش کی قبر پر معتکف ہو بیٹھے۔ یہاں سے برکت و فیوض حاصل کر کے کرولی آئے۔ اور باقی عمر خلق اللہ کو راہ ہدایت دکھانے میں بسر کر دی۔ قبر شریف سادہ ہے مگر اس سے خاص عظمت اور شوکت ٹپکتی ہے۔ آپ کی اولاد نرینہ نہیں تھی ایک لڑکی تھی وہ بھی فوت ہو گئی۔

دوسرے بزرگ پیر رکن عالم شاہ ہیں۔ یہ پیر لعل شاہ صاحب کے فرزند تھے۔ آپ نے اوائل عمر میں ہی اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیا تھا۔ یہاں تک کہ عنفوان شباب میں آپ نے سلوک کی تمام منزلیں طے کر لی تھیں۔ پہلے پولیس میں ملازم ہوئے۔ جب راز فاش ہو گیا۔ تو آپ سرحد کی طرف چلے گئے۔



وہیں بیعت ہوئے۔ اور بقیہ لیل و نہار جوار مرشد میں بسر کرنے کے بعد وہیں دفن ہوئے۔ ہر سال آپ کا وسیع پیمانے پر عرس ہوتا ہے۔ اس خاندان کے کئی قبائل پونچھ (کشمیر) میں ہجرت کر گئے تھے۔ ان کا ذکر مولوی محمد دین صاحب فوق نے اپنی کتاب تاریخ اقوام پونچھ کی دوسری جلد \* میں کیا ہے۔ اگرچہ اکثر قبائل ۱۹۳۷ء کے غدر میں واپس پنجاب آگئے ہیں۔ تاہم فوق صاحب کا یہ معلوماتی نوٹ اس قابل ہے کہ اسے اختصار کے ساتھ ناظرین کرام کے سامنے رکھا جائے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت غوث العلمین کی اولاد کہاں کہاں پھیلی اور اس نے فرمانروایان وقت اور عوام کے سامنے کیا کردار پیش کیا۔

اس شاخ کے مورث اعلیٰ حضرت حافظ پیر چمن دین شاہ صاحب

شاخ پہاگہ علاقہ سوہرن

ہیں۔ راجہ موتی سنگھ آپ کا بڑا معتقد تھا اس نے موضع سلوتری لنگر خانہ کے لئے نذر کیا اور موضع پہاگہ حضرت نے بطور اجارہ کے حاصل کیا۔ آپ نے غیر آباد رقبہ کو آباد کرنے کے لئے پنجاب اور راجوری سے آدمی بلوائے۔ جن کی اولاد اس وقت تک ان رقبوں پر قابض ہے۔ آپ بڑے شکیل اور خوبصورت نوجوان تھے۔ اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کا آپ کو بڑا شوق تھا۔ اس وجہ سے آپ کا اصطبل ایک شاہی اصطبل معلوم ہوتا تھا۔ آپ کے دولت کدہ پر لنگر خانہ قائم تھا۔ جہاں غربا اور مسافروں کو دونوں وقت کھانا ملتا تھا۔ آخر عمر

\* تاریخ اقوام پونچھ (کشمیر) جلد دوم مرتبہ مولوی محمد دین صاحب فوق ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۳۵ تا ۱۶۳۔



میں آپ اپنے وطن ڈھوک پیراں ضلع جہلم میں چلے گئے۔ اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ اور آپ کے بھائی منگایا شاہ دونوں کے مقبرے ڈھوک پیراں میں واقع ہیں اور مرجع خلائق ہیں۔ آپ کے تین فرزند تھے۔ پیر ولایت شاہ، پیر ہدایت شاہ اور پیر سید شاہ۔ مؤخرالذکر عین عالم شباب میں بمقام پہاگلہ وفات پا گئے۔ خاندان غوثیہ کے یہ پہلے بزرگ تھے جنہوں نے پہاگلہ کی آغوش میں استراحت کرنا پسند فرمایا۔ اس کے بعد کم و بیش پچیس دیگر افراد غوثیہ یہاں دفن ہوئے۔

آپ کی وفات کے بعد ابر و باران کے طوفان سے دریا میں اس قدر طغیانی آئی۔ کہ آپ کے مکانات اور زمینیں دریا برد ہو گئیں۔ اور معافیات کے جو احکام سرکار سے ملے ہوئے تھے۔ وہ بھی تلف ہو گئے جس پر جو اراضی بخش ہوئی تھی وہ ضبط ہو گئی۔ مگر گاؤں اجارہ داری میں رہ گیا۔ پیر ولایت شاہ کے اکوتے فرزند پیر گلاب شاہ بھی با اثر بزرگ تھے۔ ان کے فرزند پیر فضل شاہ کشمیر میں نمبردار معافی دار، درباری کرسی نشین۔ اسیسر، پنچائیت کے سرپنچ۔ اور کواپریٹو سوسائٹی کے ڈائریکٹر تھے۔ ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں اپنی برادری کے افراد کے ساتھ جہلم میں ہجرت کر آئے اور اب دھروگی میں آباد ہیں۔ انہیں حدیث فقہ اور علم الانساب میں کافی مہارت حاصل ہے۔

اس شاخ کے بزرگ پیر موج دین شاہ صاحب تھے ان کے دو فرزند تھے۔ پیر بھاون شاہ جنہوں نے سب سے پہلے موضع گاهنی میں

پیراں اوچھالا و گاهنی



سکونت اختیار کی۔ اور پیر رکن الدین شاہ، جن کے پوتے پیر علی شیرؒ نے جموں اور کشمیر میں تبلیغ اسلام کا بڑا کام کیا۔

پیر بھاون شاہ خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ کشمیر میں ان کی بہت سی کرامات مشہور ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام آباد کے مضافات میں ایک شیر نے خلق خدا کو تنگ کر رکھا تھا۔ آپ کی دعا سے یہ عذاب لوگوں کے سر سے دفع ہو گیا۔

ان کے پوتے پیر مہتاب شاہ اردو فارسی کے بہترین ادیب تھے۔ ان کے کتب خانہ میں مطبوعہ اور قلمی کتب کا قابل قدر ذخیرہ جمع تھا۔ وہ اپنے پیچھے تین فرزند پیر مظہر حسین، پیر نور حسین اور پیر غلام غوث صاحب چھوڑ گئے تھے۔ جو ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں چکوال ہجرت کر آئے۔ پیر رکن الدین کی صرف پیر منور شاہ صاحب واحد یادگار ہیں۔ یہ بھی کشمیر میں وسیع اراضی کے مالک تھے۔ حالیہ فسادات میں سب کچھ چھوڑ پاکستان چلے آئے۔ گوجر خان اور وٹلی پیران میں خاصی جائیداد رکھتے ہیں۔

حافظ پیر رکن الدین نے خود بھی کشمیر میں تبلیغ اسلام کا کام بڑے پیمانے پر کیا تھا نیز ان کے خانوادہ سے پیر نور محمد شاہؒ، پیر شرف شاہ، پیر فتح دین شاہ، پیر چن دین شاہ، پیر منگیا شاہ، پیر ولایت شاہ، پیر عالم شاہ، پیر بھاون شاہ اور پیر علی شیر نے اپنی زندگیاں اس مقصد عظیم کے لئے صرف کر دیں اور یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ کہ جنوبی کشمیر میں اب بھی اکثریت سہروردی صوفیاء کی ہے۔ ان کے علاوہ ڈنہ شاہ ستار میں حضرت شاہ ستارؒ موضع سیلاں میں پیر باقر شاہؒ موضع ہڑی چوہان



میں پیر مصر شہیدؒ درہ سانگلہ میں مولانا کریم شاہؒ کوہ گرجن پر پیر رتن شاہؒ اور علاقہ سرھن میں پیر جموں شہیدؒ کے نام سے جو مجاہدین محو خواب ہیں۔ یہ بھی سہروردی سلسلہ کے مطابق اشاعت اسلام کا بڑا کام کر گئے ہیں۔ پیر جموں شہیدؒ کا اصل نام شیخ جمال الدین ہے۔ اور ان کا سلسلہ نسب پانچ واسطوں سے حضرت شیخ الاسلام زکریا ملتانی کے ساتھ جا ملتا ہے \* کب شہید ہوئے۔ اور کس نے شہید کیا؟ اس بارے میں تاریخ قطعاً خاموش ہے۔

حافظ پیر رکن الدینؒ کے دوسرے صاحبزادے پیر محمد پناہ صاحب تھے۔ آپ کی اکثر اولاد موضع تمے میں آباد ہے۔ پیر مبارک شاہ نے سوہاواہ کے نزدیک کوٹ گکھڑ میں جا کر سکونت اختیار کی تھی۔ ان کی اولاد میں پیر شیر شاہ، صدیق شاہ اور ستار شاہ قابل ذکر ہیں۔ پیر یوسف شاہ کی اولاد میں قطب شاہ، جمال شاہ اور فتح شاہ کا نام شجرہ میں ملتا ہے۔

تیسرے صاحبزادے ”پیر محمد اشرف شاہ“ کی اولاد میں پیر عبداللہ شاہ بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔ یہ حضرت بجائے خود صاحب سلسلہ تھے۔ ان کے فرزند جگر بند نورشاہ نے کارو کٹل میں تبلیغ اسلام کی بڑی خدمت انجام دی تھی۔ یہ حضرت متبجر عالم تھے۔ اور ان کا حلقہ ارادت بڑا وسیع تھا۔ بندوبست کے دوران میں انہوں نے اس موضع میں کافی اراضی حاصل کر لی۔ اور پھر مستقل طور پر یہاں مقیم ہو گئے۔ افسوس ہے کہ ان کی اولاد نہیں تھی۔ ان کی تمام جائیداد

\* شیخ جمال الدین المعروف شیخ جموں بن شیخ قطب الدین بن شیخ عطاء اللہ بن شیخ نعمت اللہ بن شیخ قطب الدین بن شیخ شہاب الدین نوری بن حضرت غوث العلمین بہاء الدین زکریا رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔



ان کے بھتیجیوں پیر محمد اشرف شاہ پیر محمد غوث اور پیر انور شاہ کو منتقل ہو گئی۔ اور اب وہی اس موضع میں آباد ہیں۔

پیر محمد اشرف کے دوسرے بیٹے پیر علی قتالؒ تھے ان کی اولاد پنڈدادن خان میں آباد ہے جن میں سے حسین شاہ صاحب تو سراہہ میں جا کر آباد ہوئے تھے۔ ان کے فرزندوں کے اسمائے گرامی پیر زمان شاہ اور غلام شاہ شجرہ میں درج ہیں۔ باقی پنڈدادنخان میں آباد ہے۔ ان میں جعفر شاہ صاحب اور ان کے صاحبزادے انور شاہ، منور شاہ اور صنوبر شاہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۴۔ پیر محمد غوث۔ ان کے تین فرزند جگر بند صاحب اولاد ہوئے۔

پیر محمد زمان کی اولاد میں پیر جلال شاہ اور پیر نادر شاہ اپنے زمانہ کے بااثر بزرگ تھے۔ ان کی پاکیزہ زندگی خلق خدا کو صراط المستقیم پر گامزن کرانے میں بسر ہوئی۔ پیر گل بادشاہ نے نڑول میں تشریف لے جا کر وسیع رقبہ اراضی حاصل کیا۔ پیر حسن شاہ اور پیر قطب شاہ کے صاحبزادے تا حال نڑول میں آباد ہیں۔

پیر گلاب شاہ کے دونوں صاحبزادے پیر بہادر شاہ اور پیر زمان شاہ موضع سندری میں آباد ہیں۔ آپ کے مریدوں کا حلقہ منڈی۔ رام پور بہدرواہ۔ کشتواڑ اور کشمیر تک پھیلا ہوا ہے۔ پیر زمان شاہ کو فیاض ازل نے چار چاند بخشے ہیں۔ جو در حقیقت آپ کی شہرت کے چار ستون ہیں۔

۵۔ پیر علی اکبرؒ کے دو فرزند صاحب اولاد ہوئے۔ پیر حافظ

سلطان محمود، ان کی اولاد میں پیر شریف شاہ بڑے بزرگ ہوئے



ہیں ان کا مزار نوربار دھروگی میں ہے۔ دوسرے پیر قادر بخش تھے جن کی اولاد دوسری پشت کے بعد ختم ہو گئی۔

ان کے پانچ صاحبزادے تھے۔ لیکن صرف ایک فرزند پیر محمد چراغ سے

پیر شیخ کبیر محمدؒ

نسل چلی۔ باقی چار لاولد فوت ہوئے۔ پیر محمد چراغ کے تین فرزند تھے۔ دو بے اولاد فوت ہوئے۔ ایک پیر گل محمد صاحب اولاد ہوا۔ ان کے تین لڑکے تھے۔ دو لاولد فوت ہوئے۔ صرف پیر حیدر شاہ صاحب اولاد ہوا۔ ان کے چھ صاحبزادے تھے۔ تین لاولد انتقال کر گئے۔ تین صاحب اولاد ہوئے۔ پیر بہادر شاہ کے فرزند جگر بند پیر مہتاب شاہ تھے۔ جو اپنے خاندان کے قائد تھے۔ سوز و غولہ میں مکونت رکھتے تھے۔ گذشتہ سال آپ کا انتقال ہو گیا رحمة اللہ علیہ۔

آپ کے پانچ فرزند تھے۔ جن میں سے پیر اللہ نور اور پیر سلطان احمد

پیر شیخ محمدؒ

صاحب اولاد ہوئے۔ پیر اللہ نور جادو بیان شاعر تھے۔ دونو بھائیوں کی اولاد موضع تترال تحصیل پنڈدادنخان میں آباد ہے۔ جن میں پیر فتح دین، پیر جیون شاہ، پیر عبداللہ شاہ، پیر امام شاہ پیر قائم محمد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان کے دو لڑکوں پیر اسمعیل نور اور پیر فتح نور سے نسب کا سلسلہ

پیر محمد حفیظؒ

جاری ہوا۔ دونو کی اولاد وٹلی پیران اور گلیانہ میں آباد ہے۔

آپ کا نسب صرف دو واسطوں تک چلا۔ پھر ختم ہو گیا۔

پیر عبدالرسول



## پير محمد فاروق

ان کے صرف ایک فرزند تھے - شیخ  
برہان الدین - یہ صاحب کمال بزرگ

تھے - انہوں نے کشمیر میں اشاعت اسلام کا کام نہایت عمدہ لائینوں  
پر کیا - ان کے دو فرزند پیر قطب شاہ اور پیر مصطفیٰ شاہ کی اولاد  
وعولہ میں آباد ہے - اور پیر محمد شاہ کا خاندان دیگوار اور تیڑوواہ  
میں آباد ہے - پیر زمان شاہ کا نام کشمیری مبلغین میں شہار ہوتا ہے -  
ان کے صاحبزادے پیر حسنین شاہ اس علاقے میں ایک ممتاز ہستی ہیں -  
علوم شرعیہ اور طب کے ساتھ انہیں خاص شغف حاصل ہے - آپ  
اپنے تینوں فرزندوں پیر محمد غوث المعروف چن پیر، پیر محمد شاہ اور  
پیر فضل شاہ سمیت دیگوار اور تیڑوواہ میں آباد ہیں -

## پیر ابن شاہ بن مخدوم الملک خواجہ پیر نوریؒ

آپ کی اولاد پیل پیراں میں آباد ہے - میان متن شاہ کی اولاد میں  
پیر جیون شاہ سکنہ کھنوال شریف (تحصیل چکوال ضلع جہلم) بڑے  
عارف اور ولی اللہ تھے - ان کے صاحبزادے پیر خواجہ غلام نبی شاہ  
کا حلقہ ارادت دور تک پھیلا ہوا ہے - آپ کا عرس ہر سال ۸، ۹ نومبر  
کو نہایت تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے جس میں ہزاروں عقیدتمند  
دامن آمید پھلائے حاضر ہوتے اور دین دنیا کی سعادتوں سے مالا مال  
ہو کر لوٹتے ہیں - ان کے صاحب سجادہ پیر فتح حیدر شاہ صاحب  
ہیں - ان کے دو صاحبزادے ہیں الطاف حسین شاہ اور شاہ محمد لطیف  
بی اے - بی ٹی - مؤخر الذکر اسلامیہ ہائی سکول چکوال کے ہیڈ ماسٹر ہیں -  
پیر ابن شاہ صاحب کے دوسرے جگر گوشہ پیر دائم شاہ صاحب



ہیں۔ ان کی اولاد میں خواجہ بہاءالدين سکنہ کندوال بڑے خدا یاد درویش تھے۔

پیر عالم شاہ بن مخدوم الملک خواجہ پیر نوریؒ  
پیر عالم شاہ حضرت لعل عیسنؒ کے داماد تھے ان کی شادی  
خیر آبادی حضرت کی صاحبزادی فاطمہ بی بی سے انجام پائی تھی۔ ان کی  
اولاد ضلع ہزارہ میں آباد ہے۔ ان میں شیخ عبداللہ سکنہ پلاسی (ضلع ہزارہ)  
کا دنیائے معرفت میں بڑا مقام ہے۔

شيخ شمس الدين لاهوري  
بن  
شيخ محمد صدر الدين رحمة الله عليه

ان کے تین صاحبزادے تھے اور تینوں ہی بڑے مرتبہ کے درویش  
تھے، پیر برہان الدین کی اولاد میں شاہ عنایت اللہؒ اپنے زمانہ کے بہت  
بڑے ولی تھے۔ روزانہ حضرت سرور کائنات فخر موجودات  
صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتے تھے۔ بعض کہتے ہیں  
کہ انہیں روحانی طور پر اس بزم قدس کا انتظام سپرد تھا۔ اس لئے  
دیوان رسول کریم کا لقب عنایت ہوا۔

پیر جمال شاہ صاحب نوریؒ | اسی خانوادہ میں ایک اور بزرگ  
حضرت پیر جمال شاہ صاحب نوری

دنیائے معرفت میں خاص مقام رکھتے ہیں۔ حضرت کی ساری عمر  
جہاد بالنفس میں بسر ہوئی۔ مسلسل سترہ برس تک یہ معمول رہا  
کہ عشاء کی نماز پڑھ کر دریائے جہلم کے کنارے تشریف لے جاتے۔  
اور ایک مرتفع جگہ پر مصلیٰ بچھا دو رکعتوں میں قرآن مجید  
ختم کر کے واپس لوٹ آتے اور صبح کی نماز محلہ کی مسجد میں جماعت



کے ساتھ ادا فرماتے۔ شیخ طریقت\* نے جب دیکھا کہ بھیرہ کا مرد مجاہد جہاد اکبر میں کامیاب و کامران ہو چکا ہے تو اس نے آپ کو ونہار کے علاقہ میں عوام کی اصلاح احوال پر متعین فرمایا۔ یہ خطۂ ارضی ان دنوں جہالت اور فسق کی بیکراں تاریکیوں میں غرق تھا۔ جب یہ مرد مجاہد رشد و ہدایت کی مشعل تاباں ہاتھ میں لئے کفرستان کی اس ظلماتی دنیا میں داخل ہوا۔ تو طاغوتی قوتیں سخت جھنجھلائیں۔ باطل حق سے ٹکرانے کے لئے دونوں بازو پھیلا کر اٹھا۔ ابلیس نے آپ کے راستے میں جگہ جگہ مکر و تلبیس کے جال پھیلائے۔ لیکن فیاض ازل نے آپ کو بادیۂ ضلالت کے ان گمراہوں کی اصلاح کے لئے ”نگاہ پر جلال“ کا ایسا تازیانہ عنایت فرمایا تھا۔ کہ جس سے ان کے سارے نشے ہرن ہو گئے۔ طاغوتی قوتیں آپس میں ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں۔ باطل دب کر رہ گیا۔ اور ابلیس کو سوائے کف افسوس ملنے کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ ونہار کے مضافات میں جگہ جگہ حضرت کی بیٹھکیں اب تک موجود ہیں۔ جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ آپ نے کسی خاص مقام پر مستقل سکونت نہیں فرمائی بلکہ پیغام ہدایت پہنچانے کے لئے قریہ بہ قریہ پھرتے رہے۔ حضرت بالعموم تیر کہان سے شکار کیا کرتے تھے۔ جو رہ نوردان دشت کی مشترکہ خصوصیت ہے۔

جب پیک شاہد حقیقی موضع مور جھنگ میں مزدۂ وصال لے کر پہنچا تو آپ نے دار فانی سے رخت سفر یاندھنے سے پہلے وصیت فرمائی کہ مجھے بھیرہ میں دفن کیا جائے۔ ساون کا مہینہ تھا اور جہلم کی طغیانی پورے شباب پر تھی۔ اسکی بپھری ہوئی موجیں ہر طرف ٹکراتی پھرتی تھیں۔ اتنی کشتیوں کا انتظام بھی ناممکن تھا۔ کہ جس سے

\* آپ حضرت شیر محمد صاحب غازی رح کے مرید اور خلیفہ تھے۔



ايك ”جم غفير“ كو پار اتارا جا سكتا - اس لئے حضرت پير كرم شاه جو ”شاه جال“ كے حقيقى بهتيجے اور خليفه اعظم تھے - كچھ دير متامل رھے اس كے بعد دفعةً آپ نے حكم ديا كہ ”حضرت كى چارپائى پانى پر ركھ دو اور دريا كو عبور كرنا شروع كر دو!“ اذن ملتے هى لوگ بے دھڑك دريا ميں داخل هو گئے - عميق دريا اب پاياب تھا - بيھري هوئی موجيں خاموش تھيں - جب تمام لوگ دريا كو عبور كر چكے - تو چارپائى كو اٹھا ليا گیا - اور دريا پھر اپنى اصلى حالت پر آ گیا - حضرت كا مزار پر انوار اب بهى زيارت گه خاص و عام هے -

آپ كا مولد بيھره هے - قرآن حفظ كرنے كے بعد علوم متداوله كى طرف

پير كرم شاه صاحب قریشى  
المعروف شاه كهاراؒ

متوجه هوئے - اور تهوڑے سے عرصه ميں فارغ التحصيل هو گئے - اس كے بعد آپ نے چچا بزرگوار پير شاه جال نورىؒ كے حلقه ارادت ميں داخل هو كر خرقة خلافت حاصل كيا - آپ قائم بالليل اور صائم بالنهار تھے كہتے هيں كه سارى عمر ميں حضرت نے صرف ايك دن روزه افطار فرمايا - جسكى تفصيل يه هے كه پير محكم الدين صاحب سكنه كرولى نے جنگل كا ٹھيكله لے ركھا تھا - ايك دن كسى زميندار كى بكرياں وهاں چرتى هوئی پكڑى گئيں اور شاه صاحب نے اس پر دو صد روپيه تاوان لگا ديا - وه زميندار حضرت كى خدمت ميں فرياد لے كر آيا - آپ نے اسكى دلجوئى اور سفارش كے لئے روزه كے باوجود كرولى كا قصد فرمايا - جب پير محكم الدين صاحب كو اطلاع هوئی تو وه گھبرا كر استقبال كو دوڑے اور عرض كى ”حضور نے اتنے معمولى كام كے لئے كيوں تكليف فرمائی - اگر حضرت كا كُتا آ جاتا - تو بهى ميں تاوان معاف كر ديتا - چنانچه اس نے زميندار كا تاوان معاف كر ديا - اور حضرت سے ماحضر قبول كرنے كى درخواست كى جس



پہر حضرت نے پیر صاحب کی دلجوئی کے لئے روزہ افطار فرما لیا۔ حضرت کے جود و سخا کا یہ عالم تھا۔ کہ موسم سرما کی آمد پر ایک مکان کنبالوں اور ایک جوتوں سے بھر لیتے۔ اور جو مسکین و نادار حاضر ہوتا آسے کنبل اور ایک جوڑا جوتوں کا عطا فرماتے۔ لنگر خانہ پر خاص توجہ رہتی۔ اور عشاء کی نماز سے پہلے دریافت فرما لیتے کہ کوئی مسافر بھوکا تو نہیں رہا۔

اس شاہانہ فیاضی سے گاہے گاہے فاقوں پر بھی نوبت آجاتی تھی۔ ایک دفعہ آپ کے بھتیجے پیر صدیق شاہ نے عرض کی۔ ”قبلہ اتنا خیال رہے کہ ضرورت کے وقت گھر سے کفن کا انتظام تو ہو سکے۔ ایسا نہ ہو کہ شریک طعنہ دیں“۔ فرمایا ”میاں صدیق شاہ! میرا کوئی شریک نہیں ہے۔ میرے کفن کا کوئی فکر نہ کرو۔ کڑوے پانی سے غسل دے کر اسی گودڑی میں دفن کر دینا، مجھے اتنا ہی کافی ہے“۔ گویا کسی نے آپ جیسے بزرگوں کے لئے ہی کہا ہے۔

گر مرد ہے خدا کا گھوڑی نہ رکھ کفن کو

مرشد طریقت کے وصال کے بعد آپ نے کوہستان نمک کے دامن میں ایک مقام پر مستقل طور پر سکونت اختیار فرمائی تھی، جو اب ”پیر کھارا“ کے نام سے مشہور ہے۔ تقریباً ساڑھے چوراسی سال اس دار فانی میں بسر کرنے کے بعد آپ نے عالم بالا کو انتقال فرمایا۔ پیر کھارا میں ہی آپ کا مزار نور بار مرجع خاص و عام ہے جہاں ہر سال ماہ چیت میں بیشمار خلق خدا حاضری کا شرف حاصل کرتی ہے۔ حضرت کی کرامات تحریر کرنے کے لئے ایک دفتر چاہئے۔ جسکی یہاں گنجائش کہاں۔ لیکن ایک ظاہر کرامت جو مادیت کے پرستاروں اور روح کی اعجاز آفرینیوں کے منکروں کا آج بھی منہ چڑھا رہی ہے یہاں درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ آئے دن کا مشاہدہ ہے۔ کہ جس شخص کو



سنگِ مشانہ کی تکلیف ہو۔ وہ حضرت کے آستانہٴ اقدس کی زیارت کا ارادہ کرے۔ تو اللہ تعالیٰ اسکی تکلیف کو رفع فرما دیتا ہے۔ اور بغیر کسی عملِ جراحی کے سنگِ مشانہ خارج ہو جاتا ہے۔ اس خاندان میں پیر عالم شاہ، پیر چراغ شاہ اور پیر اعظم شاہ بھی فقر و ولایت میں خاص مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے اس نواح میں تبلیغِ اسلام کا بڑا کام کیا اور ہزاروں گمراہوں کو نیکی کا راستہ دکھایا ربِّ غفور کی ان گنت و بے شمار رحمتیں ہوں ان نفوسِ قدسیہ پر جن کے ذکرِ جمیل سے اقدارِ عالیہ کو حیاتِ نوِ ارزانی ہوتی ہے۔

پیر امیر شاہ قریشی رحمۃ اللہ علیہ | شیخ شمس الدین لاہوری کے دوسرے صاحبزادے شیخ نظام الدین تھے۔ ان

کی اولاد میں شیخ محمد رفیع، شیخ و سدی، شیخ آبادانی، پیر عبداللہ شاہ سروبہ والے، محمد غوث شاہ اور پیر قلندر شاہ بڑے پایہ کے درویش تھے۔ افسوس ہے کہ ان بزرگوں کا حال نہیں مل سکا۔ تہی دامن ہوں اس لئے قاصر ہوں اور ان کی ارواحِ صادقہ سے معذرت طلب کرتا ہوں۔ حضرت محمد غوث صاحب کی اولاد میں پیر امیر شاہ صاحب سے متعلق جو کچھ معلوم ہو سکا ہے۔ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں آپ بہرہ میں پیدا ہوئے اور ایامِ طفولیت میں ہی آپ سے ایسے اقوال صادر ہونے لگے۔ جو نہاں خانہٴ دل میں کسی خاموش تلاطم کا پتہ دیتے تھے۔ اپنی دایہ سے معصومانہ انداز میں پوچھتے ”مائی بھاگے! اللہ کتھے ہے؟“ یعنی میرا محبوب حقیقی، میرا پروردگار، کہاں ہے؟ ذرا ہوش سنبھالا تو دل کو نگار خانہ ہستی کی لذتوں سے دامن کشاں پایا۔ شب و روز زہد و ریاضت میں بسر ہونے لگے۔ متعدد اولیائے کرام کے مزارات پر چلہ کشی کی اور حدِ بلوغ سے پہلے ہی روزہ رکھنا شروع کر دیا یہ سلسلہ



دم واپس تک منقطع نہ ہوا۔ جہاں کہیں کسی مرد کامل کا پتہ چلا، اسکی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت بہادر شاہ رحمۃ اللہ علیہ جو بہیرہ کے خاندان غوثیہ کے ایک مشہور عارف گذرے ہیں۔ کچھ عرصہ ان کی خدمت میں گذارا اور جب قدرت کی کرم گستریوں نے سیال شریف کے مقدس خطہ کو سرفراز فرمایا۔ اور قطب العارفین حضرت مولانا شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بادہ نوشان توحید کو صلائے عام دی۔ اور اس ساقی ”میخانہ بدست“ کے جود و کرم کی دھوم مچی تو طالع بیدار نے ادھر کی راہنائی کی۔ پیر سیال نے شرف بیعت بھی بخشا اور خلعت خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ حضرت کا قد درمیانہ، جسم دبلا، چہرہ کشادہ اور گل گلاب سے زیادہ شگفتہ و شاداب تھا۔ جس کو صوری و معنوی دلفریبیوں نے ”نظارہ گاہ عالم“ بنا دیا تھا۔ ہمیشہ سفید لباس زیب تن فرماتے جو سادگی اور لطافت میں اپنی مثال آپ ہوتا۔ آپ ہر روز عصر کی ناز کے بعد جہلم کے کنارے تشریف لے جاتے۔ اور رات وہیں ذکر الہی میں بسر فرماتے۔ دسمبر اور جنوری کی طویل اور برفانی راتیں بھی اسی دریا کے کنارے ختم ہوتیں۔ سوز محبت اور گداز عشق سردی کا احساس ہی نہ ہونے دیتا۔ ان کڑکڑے جاڑوں میں آپ کے پاس صرف ایک گرم چادر ہوتی۔ اور اسی میں رات یاد الہی میں بسر کر دن کے دس بجے واپس بہیرہ پہنچ جاتے۔ مشتاقان دید کو جو مضافات سے جمع ہو جاتے تھے اپنا جہاں آرا دکھاتے۔ انکی داستان درد سنتے، اور بارگاہ مستجیب الدعوات میں ان کے لئے دعا کرتے۔ جسے وہ کریم و رحیم خدا ضرور قبول فرماتا۔ تقریباً ۲۷ سال کی عمر میں بروز شنبہ ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ حضرت نے دار فانی سے عالم باقی کو رخت سفر باندھا تاریخ وصال اس شعر سے نکلتی ہے۔

چوں پا پیروں کشید از دار دنیا  
مقامے یافت در فردوس اعلیٰ



فغوث زمان  
حضرت شیخ بہاؤ الدین گانی  
علیہ السلام  
رحمۃ اللہ علیہ



شیخ بہاء الدین ثانی قدس سرہ العزیز اپنے والد ماجد کے وصال پر ۵۹۲ء میں صاحبِ سجادہ بنے۔ علی شیر قانع لکھتے ہیں کہ

”وصفش برون از حد و عد، اکثر مشائخ و عامی سندھ مختص مریدی خود کردہ۔ از اولادش بسا بزرگوار بسیر و سیاحت و رشد و ارشاد سائر سندھ پر داختہ بحسب مشیت ازلی مطابق فجوائے ”لا تدری نفس بای ارض تموت“ در سائر قراء و بلاد سند آسودہ اند \*

سندھ کے اکابر خلفاء میں شیخ جیہ، راجسی سومرانی، جرکس ڈنانی، ابراہیم ناگورانی، گاڑھو صدر اور شیخ برکیہ کے اسمائے گرامی زیادہ مشہور ہیں۔ یہ حضرت غوث العلمین قدس سرہ کے پہلے سجادہ نشین ہیں۔ جنہوں نے ارادتمندوں کی تربیت باطنی کے لئے سندھ کی طرف زیادہ توجہ فرمائی۔ ان دنوں جبکہ آپ ٹھٹھ میں منزل انداز تھے۔ سندھی جاہل مریدوں کے دل میں خیال پیدا ہوا۔ کہ ہم ہر سال ہزاروں مصائب اور آلام برداشت کر کے زیارت کے لئے ملتان پہنچتے ہیں۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ حضرت غوث زماں کو شہید کر کے یہاں مقبرہ بنا لیں۔ اور پھر یہیں زیارت کر لیا کریں اس طرح خلاق خدا کو ملتان کے سفر کی صعوبتوں سے نجات مل جائیگی !

\* یعنی انکی تعریف کا حیظہ تحریر میں لانا نا ممکن ہے۔ وہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ سندھ کے اکثر مشائخ اور عامۃ المسلمین ان کے مرید تھے۔ ان کی اولاد میں سے بے شمار نفوس قدسیہ نے سیر و سیاحت اور رشد و ارشاد کی غرض سے سندھ کو نوازا ہے۔ اس ملک کے اکثر قصبات اور شہروں میں ان کے پر شکوہ مقبرے گردن نکالے خراج عقیدت وصول کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ فریدی



چنانچہ بات طے پا گئی۔ اور فیصلہ ہوا۔ کہ رات کو جب حضرت بستر خواب پر تشریف لے جائیں۔ یکبارگی حملہ کر کے حضرت کو شہید کر دیا جائے۔

شيخ جيہ ولد شيخ نعمت الله آپ کے مرید اور قریبی رشتہ دار تھے۔ اور وہ سلاطین سمہ کے زمانہ سے ٹھٹھ میں رہتے تھے۔ جب انہیں اس خوفناک سازش کا علم ہوا۔ تو انہوں نے شيخ پر سے تصدق ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

وقوعہ کی رات کو حضرت دیر تک مصلاٰ پر بیٹھے رہے اور جب خوابگاہ کی طرف جانے کا ارادہ فرمایا۔ تو شيخ جيہ آگے بڑھ کر قدمبوس ہوا۔ اور عرض کی ”حضرت! عرصہ سے ایک آرزو دل میں لئے پھرتا ہوں۔ اگر اجازت ہو تو عرض کر دوں!“ فرمایا۔ ”ہاں بھئی شوق سے کہو۔ انشاء اللہ ہم تمہیں راضی کرنے کی کوشش کریں گے!“ عرض کی۔ حضرت سرور عالم (ص) نے جب مکہ سے ہجرت فرمائی تھی۔ تو اپنے بستر پر حضرت علی (رض) کو استراحت کرنے کا شرف عطا کیا تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھے بھی یہ سعادت حاصل کرنے کا موقع بخشا جائے۔!“

حضرت کی جبین مبارک پر شکن کے آثار ظاہر ہوئے۔ اور کچھ دیر کے غور و فکر کے بعد فرمایا۔

”شيخ جيہ! کیا تم نے اس کے نتائج و عواقب پر غور کر لیا ہے؟“  
”ہاں حضور! غلام اچھی طرح سوچ بچار کر چکا ہے“ فرمایا وہ بہتر!،

اس کے بعد پیرو مرید نے اپنی اپنی خوابگاہیں تبدیل کر لیں آدھی رات کو چند سائے حضرت غوث زماں کی خوابگاہ کی طرف بڑھے۔



بیک وقت چند تلواریں چمکیں۔ اور شیخ جیہ اپنے مرشد پر سے تصدق ہو گیا۔ \*

صبح کے دھندلکے میں حضرت غوث زماں شیخ جیہ کی خوابگاہ میں داخل ہوئے اور پیکر اخلاص کو ڈکڑے ڈکڑے دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے۔ ادھر سندھیوں نے جب حضرت کو بخیریت دیکھا۔ تو دم بخود حیران رہ گئے۔ لیکن خطاپوش ذات نے انہیں گلہ تک نہ دیا۔ فرمایا

”شیخ جیہ کی قسمت کی یاوری دیکھئے کہ شہادت کا مرتبہ لے گیا“

شیخ جیہ کو خود قبر میں اتارا۔ اور قبر پر آبِ رحمت کے چھینٹے دیتے ہوئے فرمایا۔ ”شیخ جیو مکی جو ڈیو“ شیخ جیہ مکی کا چراغ ہے چنانچہ وہ بخت بیدار آج تک اسی لقب سے مشہور چلا آتا ہے۔

حضرت غوث زماں نے سندھیوں کے اس اقدام سے یہ اثر لیا کہ وہ ملتان آنے میں دقت محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے کوکبہ اجلال جب واپس ملتان پہنچا۔ تو حضرت نے ایک اعلان عام کے ذریعے سندھیوں کو ملتان آنے سے منع کر دیا۔ اس سے ہر طرف

\* یہ واقعہ ہمیں حضرت غوث العالمین قدس سرہ سے متعلق بتایا گیا تھا۔ لیکن تحفۃ الکرام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ جیہ حضرت بہاء الدین ثانی کے معاصر تھے۔ اذکار قلندری میں یہ واقعہ تفصیل سے درج ہے۔ شیخ جیہ کا مزار پرانوار مکی کی پہاڑی پر واقع ہے۔ اگرچہ یہاں بے شمار سلاطین، امراء اور مشائخ کے مقبرے موجود ہیں۔ لیکن شیخ جیہ کو ان سب میں خاص امتیاز حاصل ہے۔ صاحب تحفۃ الکرام لکھتے ہیں۔ شب دوشنبہ اول ہر ماہ مجمع بزرگ بدرگاہش منعقد سے شود در تمام کوہ مکی این درگاہ بفرط نورانیت مستثنیٰ است، اورا بفرط اشعہ کرامت و وفور نور ہدایت چراغ مکی خطاب است صفحہ ۲۴۸۔



رنج اور غم کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ٹھٹھ کے چند جاہلوں کی حماقت کا تمام سندھیوں کو خمیازہ بھگتنا پڑا۔ وہ قدسی نفوس جو ہر سال غوثالعلمینؒ کے آستانہ عالیہ پر قلبی محبت اور دلی اخلاص سے حاضری دیا کرتے تھے۔ اس خبر سے بے چین ہو گئے۔ کسی تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ کتنے عرصہ تک سندھی ملتان آنے سے رُکے رہے۔ بہر حال جب ان ارادت کیشوں کا اشتیاق حد سے بڑھ گیا تو انہوں نے سندھ کے خدا رسیدہ درویشوں راجسی سومرانی، جرکس ڈنانی، ابراہیم ناگورانی اور گاڑھو صدر کی طرف رجوع کیا۔ اور انہیں اس امر پر آمادہ کیا۔ کہ ملتان پہنچ کر سندھیوں کی خطا معاف کرائیں۔ چنانچہ انہوں نے وادی سندھ کو ابراہیمؒ کی امان میں چھوڑا۔ اور خود نعرہ غوثیہ لگاتے ملتان کو روانہ ہو گئے، جب شہر کے قریب پہنچے تو ایک ندی حائل ہوئی۔ کشتی موجود تھی لیکن ملاح نے سوار کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ کشتی سندھی پیر کُشوں کے لئے نہیں ہے۔ اس پر ایک درویش کشکول کو کشتی بنا اس پر سوار ہو گیا۔ کپڑے کی یہ کشتی صحیح سلامت محسرائے غوثیہ کے پاس جا پہنچی۔ غوث زمان کو کشف کے ذریعے معلوم ہوا۔ کہ آن کا ایک مرید اس ہیئت سے فصیل کے قریب آپہنچا ہے۔ تو حضرت نے محل کا دریچہ کھولا اور نیچے جھانک کر ایسی غضب آلود نظر ڈالی کہ سندھی فقیر کی کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ فقیر نے چلا کر کہا۔ حضرت! اگر پیر و مرشد کا غصہ فقیر کے غرق ہونے



سے فرو ہو سکتا ہے تو زہے سعادت! لیکن خدا کے لئے سندھی غلاموں کو معاف فرما دیجئے۔!“

حضرت نے مسکرا کر فرمایا۔ ”ہم نے معاف کیا۔“ اس پر ملتان کا داخلہ سندھیوں کے لئے کھل گیا۔ اور وہ حسب دستور قافلے در قافلے ملتان کو آنے لگے۔ مؤلف اذکار قلندری لکھتا ہے کہ بخش و عطا مرشدانِ کریم کا کام ہے۔ لیکن اس صادق درویش کو بھی آفرین ہے جس نے مرشد کا رنج دور کر کے ملتان کا داخلہ شیخ الاسلام کے ارادتمندوں کے لئے کھلوا دیا۔ چنانچہ آج تک یہ آمدورفت جاری ہے۔ اور انشاء اللہ تا قیام قیامت جاری رہیگی۔

میر عماد گردیزی ملتان میں

فرشتہ لکھتا ہے کہ شاہ محمود  
لنگاہ کے زمانہ میں میر عماد گردیزی

مع اپنے دو لڑکوں میر شہید اور میر شہداد کے سیوی کی طرف سے ملتان آیا۔ نظام الدین احمد بدخشی کا بیان ہے کہ جس شخص نے سب سے پہلے ملتان میں شیعہ مذہب کی اشاعت کی وہ یہی میر شہداد تھا۔ میر سہراب خان دودائیؒ ابھی زندہ تھا۔ اور اس کا سلطان محمود پر بڑا اثر تھا۔ اس نے اختلاف عقائد کی بنا پر میر شہداد کے پاؤں ملتان میں ٹکنے نہ دئیے اور وہ جام با یزید کے پاس شور کوٹ چلا گیا۔ جہاں اسے گذر اوقات کے لئے جاگیر مل گئی۔

شاہ حسن ارغون کا حملہ

شاہ حسن ارغون نے ۹۳۱ھ میں  
ملتان کا عزم کیا اور سیوراہی



کو فتح کرتا ہوا قلعہ مو کے قریب آپہنچا۔ شیخ روح اللہؒ (جو سلطان التارکین شیخ حمید الدین حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے) کو علم ہوا تو وہ مرزا کے استقبال کو نکلے۔ اور اہل قلعہ کے لئے امان طلب کی۔ شاہ حسن نے شیخ کی سفارش منظور کی اور مرزا مسکین ترخان کو حکم دیا۔ کہ فوج کا ایک دستہ ہمراہ لے کر قلعہ میں جائے اور اجناس کے ذخیروں کا جائزہ لے کر رپورٹ کرے۔ نیز اگر کوئی بلوچ یا لنگاہ اس قلعہ میں ہو۔ تو اسے باہر نکال دے۔ اور جو شخص سلطان التارکین کی خانقاہ میں پناہ لے جائے۔ اس سے کچھ تعرض نہ کرے۔ چنانچہ مرزا مسکین شیخ روح اللہؒ کی معیت میں قلعہ کا گوشہ گوشہ دیکھ کر باہر نکل آیا۔ اور کسی کو تکلیف نہ پہنچائی۔ اس کے بعد شاہ حسن بغرض سیر قلعہ میں داخل ہوا۔ اور حاکمی مشائخ سے اس امر کا عہد لیا۔ کہ وہ اس کے آدمیوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کرینگے اور اس کے مخالفوں سے کچھ رابطہ نہ رکھینگے۔ زان بعد وہ آج کی طرف متوجہ ہوا۔ اگرچہ لنگاہوں اور بلوچوں کا لشکر جرار مقابلے کو تیار تھا۔ لیکن مرزا کا بخت ان پر غالب آیا۔ اور انہیں سخت شکست ہوئی۔ یہاں سے لشکر شاہی نے ملتان کا رخ کیا۔ سلطان محمود لنگاہ کو اطلاع ہوئی تو وہ بلوچوں اور دوسری اقوام کے اسی ہزار (۸۰,۰۰۰) نبرد آزما نوجوان ہمراہ لے کر ملتان سے روانہ ہوا۔ اسے اپنے مازو سامان اور لشکر کی کثرت کی بنا پر یہ یقین تھا۔ کہ شاہ



حسن ایک ہلے کی تاب بھی نہ لاسکے گا۔ تاہم اس نے مسلمانوں کے گشت و خون سے بچنے کے لئے حضرت غوث زمان شیخ بہاءالدین قریشی سجادہ نشین آستانہ غوثیہؒ کو مرزا کے پاس بھیجا کہ جس طرح بھی ممکن ہو۔ آئے صلح کی طرف راغب کریں۔ ساتھ ہی مولانا بہلول کو جو اس دور کے جید عالم تھے۔ ہمراہ کر دیا۔ یہ بزرگوار مرزا کے لشکر میں پہنچے تو وہ بڑے ادب سے پیش آیا۔ اور اس نے کہا کہ میں تو سلطان محمود کی تربیت اور حضرت شیخ الاسلام زکریا ملتانی قدس سرہ کی زیارت کے لئے آیا ہوں \* مولانا بہلول نے فرمایا۔ کہ کیا ہی بہتر ہو۔ کہ آپ سلطان کی بمثل اویس قرنیؓ کے تربیت فرمائیں جیسا کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ باقی رہی شیخ الاسلام زکریا کی زیارت، تو اس کے لئے جب شیخ بہاءالدین خود حاضر ہیں آپ کو ملتان جانے کی کیا ضرورت ہے؟ \*\* ابھی یہاں یہ مذاکرات جاری تھے۔ کہ لنگاہوں کے لشکر سے اطلاع ملی کہ سلطان محمود کا انتقال ہو گیا۔ حضرت شیخ بہاءالدین سرعت سے واپس پہنچے۔ سلطان محمود کا جنازہ پڑھ کر اسکی لاش کو ملتان روانہ کیا۔ اور مادر سلطان

\* "آمدن من بغرض تربیت سلطان و زیارت شیخ بہاءالدین زکریا ست"

\*\* مولانا بہلول گفتند "چہ شود کہ تربیت سلطان بطور تربیت اویس قرنی

باشد کہ حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم بروحانیت تربیت او نموده بود

و دیگر آنکہ شیخ بہاءالدین بخدمت آمدہ چہ احتیاج تصدیع کشیدنست"

[ماثر رحیمی از ملا عبدالباقی نہاوندی]



اور آراء سلطنت کے مشورہ سے شہزادہ حسین کو مسند حکومت پر بٹھایا۔ چونکہ لوگوں میں یہ مشہور ہو رہا تھا کہ شجاع بخاری نے سلطان کو زہر دی ہے۔ اس لئے بلوچ آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ وہ مرزا سے پہلے اس کافر نعمت کو ٹھکانے لگانا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت نے سمجھا بچھا کر ان کا غصہ فرو کیا۔ اور صلح کے مذاکرات کی تکمیل کے لئے علماء اور مشائخ کی ایک جماعت کو ہمراہ لے کر پھر مرزا کے پاس پہنچے اور فرمایا۔

”سلطان محمود، جس سے آپ کو شکایت تھی فوت ہو گیا۔ اب آپ یتیم بچے سے لڑ کر کیا لینگے۔ بہتر ہے کہ آپ واپس تشریف لے جائیں۔ اور مسلمانوں کے دو فریقوں کا خون اپنے سر پر نہ لیں۔“

مرزا نے آپ کی سفارش قبول کر لی۔ دریا ئے ستلج کے کنارے ایک عہد نامہ لکھا گیا۔ جس کی رو سے ارغون اور لنگاہوں کی سلطنتوں میں اس دریا کو حد فاصل قرار دیا گیا۔ جب آپ روانہ ہونے لگے۔ تو مرزا نے ۹ گھوڑے، ایک قطار شتر اور نقد و جنس نذر کے طور پر پیش کئے۔ اور یقین دلایا کہ کل ہی اس کا لشکر یہیں سے واپس لوٹ جائے گا۔

۱۹۳۳ء کے اواخر میں لنگاہوں کے خاندان میں زوال کے آثار

لنگاہوں کا زوال

شروع ہو گئے، سلطان حسین ایک کمسن بچہ تھا۔ جس طرح آسے ماں یا خاندان کی دوسری عورتیں کہتیں، اسی طرح کرتا تھا۔



شجاع بخاری اتنی بڑی خیانت \* کے مرتکب ہونے اور سلطان کو شہید کرنے کے باوجود وزارت عظمیٰ پر فائز تھا۔ وہ سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ جس طرح چاہتا۔ کرتا۔ اس لئے لنگاہوں کی وہ عظیم الشان ریاست جو شور کوٹ سے سکھر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اب چراغ سحری نظر آنے لگی تھی۔ اور امراء اپنے اپنے سامن تلاش کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ چنانچہ اقبال خان سلطان محمود کا کوکہ قوام خان اور لنگر خان جو صاحب اقتدار امیر تھے۔ ادھر سے کٹ کر شاہ حسن ارغون سے جاملے۔ لنگاہ امیروں کا حوصلہ اتنا بڑھ چکا تھا۔ کہ جسے چاہتے مار ڈالتے۔ اور کوئی آن سے اتنا نہ پوچھ سکتا۔ کہ مقتولوں کا قصور کیا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے دو امیر میدوں\*\* کو جن میں سے ایک خالو اور دوسرا بھانجا تھا بے وجہ شہید کر دیا۔ ان کے مزارات چوک شہیداں کے پاس جانب غرب اب تک موجود ہیں۔ ان دنوں بابر بادشاہ ہندوستان کی فتح کے ارادہ سے پنجاب میں داخل ہو چکا تھا۔ اہل ملتان نے ان کی خدمت میں کئی قاصد اور خطوط بھیجے۔ کہ خدا کے لئے ملتان کو لنگاہوں کے ظلم و تعدی سے نجات دلائیے۔ جس پر بادشاہ نے شاہ حسن ارغون کو لکھا۔ کہ

\* مولانا ذکاؤ اللہ اور شاہ معصوم بکھری دونو کا بیان ہے کہ شجاع بخاری نے سلطان حسین اول کا داماد ہونے کے باوجود اہل حرم خاصہ خیل میں سے کسی کے ساتھ خیانت کی تھی اور قبل اس کے کہ شاہ محمود اس سے انتقام لیتا اس نے زہر ہلاہل سے اس کا کام تمام کر دیا۔

\*\* تذکرہ ملتان فارسی غیر مطبوعہ مؤلفہ شیخ محمد یوسف صاحب گردیزی

مرتبہ در ۱۲۷۸ھ



بڑھ کر ملتان پر قبضہ کرلو!“ اس حالت میں جبکہ اس کے پاس بھی ملتان کے مقتدر امیر پہنچ چکے تھے۔ اور پھر مفت میں ایک سرسبز و شاداب ریاست اور ایک نادرہ روزگار شہر ہاتھ آتا تھا۔ کون سی چیز حملہ کرنے سے روک سکتی تھی۔ چنانچہ وہ ۱۵۹۳ء میں ایک دفعہ پھر ملتان کی طرف متوجہ ہوا۔ صاحب تذکرہ ملتان کے الفاظ یہ ہیں:-

”قوم لنگاہ چیرہ دستی نمود و دست جور و تعدی برخلائق دراز کردند۔ بلکہ ظلم آنها از حد در گذشت، خون ناحق مے کردند حتی کہ دوسیدان را کہ رؤسا و در نسبت با یکدیگر خالو و ہم شیرزادہ بودند۔ بے وجہ شہید کردند۔ بنا براں اکابر و اشراف از صحبت سلطان دوری جستہ۔ چون دراز هنگام ظہیرالدین محمد بابر بادشاہ بقصد ہندوستان از کابل نہضت آورده درنواحی پنجاب رسیدہ بود بزرگان این دیار حالات ظلم و تعدی لنگاہان بوساطت نوشتجات و وکلاء گذارش نموده استدعا قدوم بادشاہ کردند۔ لہذا محمد بابر بادشاہ بنام مرزا حسن ارغون کہ از توابعش و در ٹھٹھ حاکم بود نوشت کہ در ملتان رسیدہ بجز تسخیر در آرد و در جاگیر خود مقرر سازد۔“



## ارغون کا دوسرا حملہ

اہل ملتان کو جب اس امر کی اطلاع ہوئی۔ کہ شاہ حسن اس طرف متوجہ ہے۔ تو وہ قتل و

غارت کے تصور سے کانپ اٹھے۔ اور انہوں نے حضرت شیخ اسمعیل قریشیؒ کو جو غوث زمان شیخ بہاء الدینؒ کے چھوٹے بھائی اور ”عمدۃ المشائخ“ کے لقب سے ممتاز تھے۔ برسم رسالت شاہ حسن کے پاس روانہ کیا۔ مرزا نے شیخ کی بڑی تعظیم و تکریم کی \* اور مہمانی کے طور پر کچھ روپیہ بھی نذر کیا۔ لیکن جب حضرت نے صلح کی غرض سے سلسلہ جنبانی کی۔ تو اس کا کچھ نتیجہ مترتب نہ ہوا۔ مرزا نے کہا۔ اہل شہر کی مسلسل درخواستوں پر بابر بادشاہ نے یہ حکم دیا ہے۔ میں اس سے انحراف کیونکر کر سکتا ہوں۔ جب شیخ مایوس ہوئے۔ تو انہوں نے اہل شہر کے لئے امان طلب کی۔ کہا۔ ہاں اگر وہ میرے مقابلہ میں نہ نکلے۔ تو میں ان سے تعرض نہ کرونگا۔ اس کے بعد شیخ تو بدین کی طرف چلے گئے۔ اور مرزا منزل بمنزل مارا مار کرتا ملتان آپہنچا۔

سلطان حسین نے اپنے ایک بھائی کو شیخ شجاع بخاری کے ساتھ مرزا کی خدمت میں بھیج کر اطاعت کا اظہار کیا۔ شاہ حسن نے شہزادے کی بڑی عزت کی اور فرمایا کہ تو اپنے بھائی سے کہہ کہ قلعہ سے نکل کر ہماری ملاقات کرے ہم اسے پند و نصیحت کر کے



واپس لوٹ جائینگے \* اور یہ ریاست آسے واپس کر دینگے۔ جب شہزادے نے یہ پیغام اندر جا کر سنایا۔ تو لنگاہوں نے سلطان کو باہر بھیجنے سے انکار کر دیا۔ کہ خدا معلوم مرزا اس سے کیا سلوک کرے۔ جنگ مکر و فریب کا دوسرا نام ہے۔ دشمن کے قول کا کیا اعتبار! اس کے ساتھ وہ قلعہ کے دروازے کھول باہر نکل آئے۔ اور مرزا کے لشکر سے سخت جنگ کی۔ مرزا نے بھی غصہ میں آکر تیر و تفنگ کا ایسا سینہ برسایا۔ کہ لنگاہوں کو قلعہ میں سر چھپانے کے سوا اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ شہر میں قحط پڑ گیا۔ یہاں تک کہ گائے کی سری دس ٹنکے کو اور ایک من گندم سو ٹنکے کو بکتی تھی۔ اور اکثر آدمی گائے کا چمڑا کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ اس پر شجاع بخاری نے یہ ظلم کیا کہ جس شخص کے گھر میں گندم کا گان ہوتا۔ آسے لوٹ لیتا تھا۔ اس نہج پر ایک سال گذر گیا۔ خلق خدا تنگ آگئی۔ انجام کار ربیع الاول ۵۹۳۳ میں ارغون کے بہادروں نے ایک فیصلہ کن حملہ کر کے لوہاری دروازہ توڑ دیا۔ اور شہر میں داخل ہو کر لوٹ مار شروع کر دی سات سال سے ستر سال کی عمر تک کے آدمی قید کر لئے گئے۔ لیکن جو لوگ حضرت غوث العلمین بہاء الدین زکریا اور شیخ الاسلام مخدوم شاہ یوسف گردیزی رضوان اللہ علیہم کی خانقاہوں میں پناہ لے گئے محفوظ رہے \*\* حضرت غوث زمان کو اطلاع ملی کہ

\* تاریخ ہند از مولانا ذکاؤ اللہ

\*\* مگر کسانیکہ در قلعہ ارک بخانقاہ مخدوم شیخ بہاء الدین زکریا قریشی

رحمۃ اللہ علیہ و در شہر پناہ بخانقاہ حضرت مخدوم شاہ یوسف گردیزی پناہ جستند ،

امان یافتند۔



لنگاہ خاندان مع مال و اسباب اور خزانہ کے حضرت قطب الاقطاب کے مقبرہ میں چھپا بیٹھا ہے۔ اور محب خاں ترخان فوج کا ایک دستہ لئے انہیں نکالنے جا رہا ہے۔ حضرت فوراً موقع پر پہنچے۔ اور محب خاں کو حملہ کرنے سے روک دیا۔ شاہ حسن ارغون سے پناہ گزینوں کے لئے سفارش کی۔ اس نے کہا حضرت! یہ لوگ ہمارے دشمن ہیں۔ اور پھر تمام خزانہ اور سامان اندر چھپائے بیٹھے ہیں۔ اگر وہ تمام مال اسباب اور خزانہ دے دیں۔ تو آپ کی رعایت سے انہیں معافی دے دوں گا۔ اس پر حضرت مطمئن ہو گئے۔ آپ کو یقین تھا کہ لنگاہ مال و اسباب اپنے اوپر سے تصدق کر کے باہر پھینک دینگے۔ لیکن افسوس کہ لنگاہوں نے مال و دولت کا دینا گوارا نہ کیا۔ اور مقبرہ کی قلعہ نما فصیل کو مضبوط کر کے ڈٹ کر بیٹھ گئے۔

محب ترخان نے بلطائف الحیل لنگاہوں کو نکالنے کی کوشش کی۔ اور جب اس طرح کامیابی نہ ہوئی۔ تو اس نے مجنیقوں کے ذریعے احاطہ خانقاہ میں نواڑ اور بوریوں کو تیل میں تر کر کے اور آن میں آگ لگا کر پھینکنا شروع کیا۔ جب لنگاہوں کے سامان کو آگ لگی۔ تو مقبرہ میں کہرام برپا ہو گیا۔ کسی نے گھبرا کر دروازہ کھول دیا۔ جس سے مغل اندر گھس گئے۔ اور انہوں نے پناہ گزینوں سے کہا۔ کہ وہ اپنی تلاشی دے دیں انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ لیکن لنگاہوں نے لڑنے مرنے کے لئے تلواریں سونت لیں۔ جس سے خانقاہ کے احاطہ میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ بے شمار لنگاہ قتل ہوئے۔ اور جو بچے اسیر کر لئے گئے۔ اور اب جو سامان کا جائیزہ لیا۔ تو جواہرات کی



چمک دسک اور زرق برق کے پارچات کی بھڑک سے مغلوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ محب ترخان نے تمام مال و اسباب دربار عام میں لے جا کر شاہ حسن ارغون کے آگے ڈھیر لگا دیا۔ اس میں نفیس جواہرات بھی تھے اور سونا چاندی کے انبار بھی۔ قیمتی پارچات کے اتنے صندوق پیش ہوئے۔ کہ مرزا حیران رہ گیا۔ اب شاہ حسن کا غصہ فرو ہو چکا تھا۔ اس نے عفو عام کا اعلان کر کے شہر میں امن قائم کرا دیا۔ شہر اور قلعہ میں جگہ جگہ لاشیں پڑی سڑ رہی تھی۔ حکم دیا کہ انہیں اٹھا کر غاروں اور کھڈوں میں دفن کر دیا جائے اور آئندہ کوئی شخص کسی کے مزاحم نہ ہو۔ سلطان حسین لنگاہ اپنی ہمیشہ سمیت حضرت غوث زماں کے محل میں جا کر پناہ گزیں ہوا تھا۔ ہر طرف اس کی ڈھنڈیا پڑ رہی تھی اور وہ بچارے سہمے جاتے تھے۔ حضرت نے انہیں تسلی دی اور مرزا سے کہا بھيجا۔ کہ فاتح سلاطین مغلوب شہزادوں سے ہمیشہ اچھے سلوک سے پیش آئے ہیں۔ اگر آپ بھی اس یشیم اور کمسن سلطان کو جان کی امان دے سکیں۔ تو میں انہیں پیش کردوں ورنہ وہ میرے ہاں آکر پناہ گزیں ہوئے ہیں۔ میں ان کی ہر قیمت پر حفاظت کرونگا۔ مرزا نے جواب میں یقین دلایا۔ کہ مجھے حضرت کی سفارش کا احترام ہے۔ انہیں کوئی تکلیف نہیں دی جائیگی۔

حضرت سلطان حسین اور اس کی ہمیشہ کو محل سرانے سلطانی میں مرزا کے پاس لے گئے۔ خدا کی قدرت جہاں چند یوم پہلے سلطان حسین بیٹھ کر حکم چلایا کرتا تھا۔ اب وہاں مرزا کا طوطی بول رہا تھا۔ محل کی ہر چیز پر ائی نظر آتی تھی۔ سلطان ہزاروں تفکرات کے ساتھ مرزا کے



سامنے پیش ہوا۔ مرزا نے ان پر شفقت کا ہاتھ پھیرا۔ اس وقت اتفاق سے اس کا مشہور سردار مسکین ترخان پاس بیٹھا تھا۔ مرزا نے ان دونوں کو اس کے حوالے کر کے سفارش فرمائی۔ کہ ان کی بمثل اولاد کے تربیت کرنا مسکین ترخان نے شہزادی سے تو شادی کر لی اور سلطان کو اپنا فرزند بنا لیا۔ لیکن سلطان اس ذلت کی تاب نہ لاسکا اور چند سالوں کے اندر ملک عدم کو رخصت ہو گیا۔ \*

مرزا شاہ حسن نے دولت آخور، خواجہ شمس الدین اور لنگر خان کو ملتان کے انتظام کے لئے چھوڑا اور خود بکھر کو روانہ ہو گیا۔ خواجہ نے شیخ شجاع بخاری کو خوب جھنجھوڑا اور اس نے اپنے ولی نعمت سے جو نمک حرامی کی تھی اور جو بدستور کی اس نے اہل ملتان سے کی تھی ایک ایک کا حساب چکایا اور جو مال و نقد اس نے خلق خدا کو تنگ کر کے جمع کیا تھا۔ وہ سب وصول کر لیا۔ اسی طرح لنگاہ امراء کا بھی اچھی طرح سے صفایا کیا۔ گیارہ مہینے ملتان ان تین حاکموں کے نیچے دبا رہا۔ پھر لنگر خان بابر بادشاہ کے پاس چلا گیا۔ مرزا کو جب اس امر کی اطلاع ہوئی۔ تو اس نے ملتان شہنشاہ بابر کی پیشکش میں دے دیا اور بابر نے یہ صوبہ اپنے بیٹے محمد کامران کو عنایت کیا۔

\* تذکرہ ملتان - تاریخ ہند مولوی ذکاؤ اللہ - تاریخ سندھ از مرزا محمد کاظم برلاس - دختر و پسر سلطان محمود را بمسکین ترخان دادہ تاجر دورا بہ بیوند جگری و فرزندى مختص ساخت - تحفة الکرام



## لنگاہوں کے عہد پر اک نظر

لنگاہ غاصبانہ حیثیت سے اس ملک کے مالک بنے تھے۔ لیکن جب ان کا تسلط قائم ہو گیا۔ تو انہوں نے اپنے

آپ کو نہایت مدبر اور منتظم ثابت کیا۔ سلطان قطب الدین اور سلطان حسین اول میں وہ تمام خوبیوں کا وجود تھیں جو کامیاب سلاطین میں ہونا ضروری ہیں۔ انہوں نے اپنے اخلاق سے رعایا کا دل موہ لیا تھا اور وہ لوگ جو انہیں غاصب اور اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ بہت جلد ان پر اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہو گئے تھے۔

سلطان حسین نے کالا باغ سے بکھر تک بلوچوں کی ”بفرسٹیٹ“ قائم کر دی تھی۔ جس سے وہ نہ صرف مغربی حملوں سے محفوظ ہو گیا تھا۔ بلکہ ایک ایسی شجاع اور جنگ آزما قوم اس کے ہاتھ آ گئی تھی جو ضرورت کے وقت سینہ سپر ہو جاتی تھی اور یہ قوم لنگاہوں کے آخر عہد تک مخلص اور وفادار رہی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب محمود لنگاہ مرزا سے ٹکرانے کے لئے ملتان سے روانہ ہوا ہے تو اسی ہزار تیغ زن کا لشکر جرار اس کے جلو میں تھا اور ان میں زیادہ تر رند۔ جت۔ کورائی۔ دودائی اور چانڈیہ بلوچ تھے۔ افسوس ہے کہ اس خاندان میں سلطان حسین اول جیسا پھر کوئی مدبر پیدا نہ ہوا اور لنگاہ امراء نے اپنے فرض کا احساس نہ کیا۔ نہ صرف یہ کہ وہ عیاش تھے۔ بلکہ انہوں نے ظلم اور طغیان کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ دن دھاڑے قتل کر دینا ان کا عام شیوہ تھا۔ ساتھ ہی ان کے دماغ میں کبر اور نخوت کی ہوا بھر گئی تھی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا



کہ یہ خاندان جس سرعت سے ابھرا تھا۔ اسی سرعت سے فنا ہو گیا۔ آج ملتان اپنے وسیع و عریض قبرستانوں کے باوجود اس خاندان کی قبریں دکھانے سے بھی قاصر ہے۔ اس وقت لنگھوں کی آبادیاں ضلع ملتان کے جنوب مغربی گوشے میں قائم ہیں۔ جو اس امر کا ثبوت ہیں کہ مغلوب ہونے کے بعد یہ لوگ پائے تخت سے دور اپنی جاگیروں میں منتقل ہو گئے ہونگے۔

## بارش کے لئے دعا

حضرت غوثِ زمان شیخ بہاء الدین  
قدس سرہ کی ذاتِ گرامی صفات اپنے

آباءِ کرام کی طرح اہل ملتان کے لئے رحمت و برکت کی سرمایہ دار تھی۔ حضرت کی بقیہ زندگی جدِ اعلیٰ حضرت غوثِ العلمین کے آستانہ عالیہ پر بسر ہوئی اور ہزاروں سعید روحوں نے جناب سے استفادہ کیا۔ پیرِ قادر بخش صاحبِ سکنہ وٹلی نے اپنی منظوم کتاب گلِ بہار میں حضرت کی زندگی کا ایک درخشاں واقعہ نظم کیا ہے۔ جسے ہم علیٰ حالہ یہاں درج کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں

پیرِ پیراں قطبِ اقطابِ زمان — آن بہاء الدینِ ثانی درجہاں  
درسیانِ شہرِ ملتان از قضا — گشت چوں امساکِ باراں رونما  
نورِ چشمِ شیخِ شہرِ اللہ ماست — روشن ازوئے نورِ آیاتِ خداست  
بہر استسقا برآمد خلق و آن — حضرت مخدوم نیز از امتناں  
گشت استادہ چو درپیشِ نماز — فاتحہ درخواند وباحق گفت راز



کائے خدائے مہربان! باران فرست!! — ابر سیرابی بریں ملتان فرست!  
 در ہمیں بود او کہ نا گہ از فلک — ابر را آورد آن رعد ملک  
 گشت باران نازل از فضلِ خدا — متصل تا چار شب بے انقضاء  
 جملہ ملتان خرم و سیراب شد — پرگنات و قریہا شاداب شد

تا بکے گویم کرامات و را

از من اورا صد تحیت اے خدا

حضرت غوث زماں نے ۱۲ ربیع الاول ۹۰۵ھ  
 کو سرائے فانی سے عالم جاودانی کو انتقال

### انتقال پر ملال

فرمایا۔ حضرت کی شادی خانہ آبادی پیر خواجہ نوریؒ ولد پیر علی قتالؒ  
 کی معصومہ بی بی فاطمہؒ سے ہوئی تھی۔ جس کے بطن عفت سے دو  
 صاحبزادے تولد ہوئے۔ ایک شیخ کبیرؒ اور دوسرے شیخ محمد یوسف  
 الملقب بہ لعل عیسنؒ ان کے حالات دوسری جلد میں پیش کئے جا رہے ہیں۔  
 پہلی جلد یہاں ختم ہوتی ہے۔ اس کا دوسرا حصہ کافی ضخیم اور اہم  
 ہوگا۔ کیونکہ ابھی ہم۔ اس خاندانِ جلیلہ کے چار سو سال کے حالات  
 لکھنا ہیں۔ جو خانوادہ چار صدیوں تک اسلام کی اشاعت اور اہل اسلام  
 کی حفاظت کے فرائض انجام دیتا چلا آیا ہو۔ اس کی تفصیلات یقیناً دلچسپ  
 اور ایمان افروز ہونگی۔ بہر کیف۔

اب تو جاتے ہیں سیکدہ سے میر

پھر ملیں گے اگر خدا لایا

خاکسار

نور احمد خاں فریدی

یکم جنوری ۱۹۵۸ء



## صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۴	۹	چراغ مقبلان ہرگز نمیرد	چراغے را کہ ایزد بر فرورد
۲۲	۱۲	گوہر	گہر
۲۳	مشجر	فضیل	فاضل
۲۲	۲۲	صدر آنکہ	صدر - آنکہ
۲۲	۲۲	زمین	امین
۲۲	۲۲	جمع	جملہ
۲۲	۲۲	درست	است
۴۹	۱۰	جبکہ موتی بن جائے تجھ میں طعام	جبکہ موتی تجھ میں بن جائے طعام
۱۱۶	۱۵	مولانا جاسی لکھتے ہیں	مولانا جہالی لکھتے ہیں
۱۲۳	۱	۱۳۳	۱۲۳
۱۴۹	۱۴	سنجر پور	صادق آباد
۲۰	۲۰	کے خاندان	کے ریکارڈ
۱۴۲	۱۴۲	نمبر صفحہ	۱۴۲
۱۴۳	حاشیہ	حضرت کی اولاد کے قبضہ میں	حضرت کی خانقاہ سے متعلق
۱۴۶	۱۸	چنانچہ	چنانچہ
۱۶۶	۴	گاذرونیوں	گاذرونیوں
۱۸۳	۱	صورت حالات	صورت حال
۱۹۶	۲۳	یہ جرمی	بے جرمی
۲۰۰	۱	محمد علی خاں	اختر علی خاں
۲۳۶	۸	چراغ مقبلان الخ	چراغے را کہ ایزد بر فرورد
۲۲۴	۱۹	قبیلہ! عالم	قبیلہ عالم
۳۲۸	۴	عم برہان الحق، ما بودہ است	عم برہان الحق ما بودہ است
۳۳۶	۷	طرفتہ العین	طرفۃ العین
۳۳۷	۱۹	ابن شائنا	ابن شاہ ثانی
۳۴۶	۲	آباء اکرام	آباء کرام







الْاٰیٰتِ اَوَّلِیَّاءِ اللّٰهِ الْاٰخِرَةِ عَلَیْهِمْ السَّلَامُ

۱۶

ذِکْرُهُ

شیخ الاسلام و مسلمین امام الاولیاء، محمد الاصفیاء سلطان السالکین

حضرت

صَدَقَاتُ الدِّیْنِ عَارِفٌ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جلد اول

از

مولانا نور احمد خان فریدی

ناشر

قصر الادب، حکومت، پراہ لوڈراں ضلع ملتان

ہدیہ فی نسخہ دس روپے